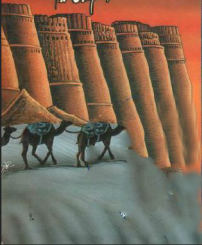


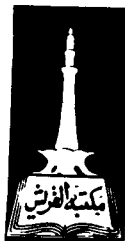
ظلمات

اسلم راہی میماند



مُلَّت

اسلم راہی اہم ہے



مکتبۃ القریش چوک اردو بازار لاہور


جملہ حقوق محفوظ ہیں

انتساب

○ اپنی اہلیہ
○ اپنی بیٹی اور
○ اپنے بیٹے عمار احمد
کے نام

جو ناول لکھنے میں میرے بہترین مددگار

اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ناشر	_____	عبدالحفیظ قریشی
با اہتمام	_____	محمد علی قریشی
مطبع	_____	ایف اے ایس پرنٹر
تعداد	_____	1000
سن اشاعت	_____	1994ء
قیمت	_____	

ISBN 969 - 38 - 0025 - 7

مکتبہ القیش • چک اڑو باندہ • لاہور

جناب اہم راہی کے دیگر تاریخی ناول

انڈیو کے ساربان
تاریک رزم گاہ
صفیہ کا مجاہد
عقاب
صحرا کی آگ
قتیبہ بن مسلم
موت کے مسافر
یثرب کا ابلیس
شہری غول
صلیب و حرم
نیشاپور کا شاہن
بابل کا بیت شکن
طلسم کدہ
آتش فشاں
آخری حصار
بیت نیل
سامیرا کا طوفان
آتش و آہن





سمرقند شہر میں امیر تیمور کا خوش نامحل آج معمول سے زیادہ سجایا گیا تھا۔ اس لیے کہ تیمور کا امیر الامراء سیف الدین سلطنت کے مرکز سے دور چند دن ایران میں گزرنے کے بعد لوٹا تھا۔ امیر تیمور ابھی تک اپنے محل میں تیار ہو کر نہ آیا تھا اور دربار میں سب لوگ اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ یکایک باہر دالان میں نقاروں پر چوٹ پڑی اور اس کے ساتھ ہی محل کے صاحب نے امیر تیمور کی آمد کی نوید پکارنی شروع کی۔

”دست بستہ، نگاہ روبرو، شہنشاہ دوران، جلال سلطنت،
 صولت جہاں، پاسبان امن عالم، جرات شعلہ طلبی، ہنگام شجاعت
 موج و گرداب و تلاطم دلاوری، دارش عظمت انسانی، نفرت میں
 عمیق، محبت میں شفیق، موت کا سکوت محیط، سلطان جہاں پناہ، ظل اللہ
 علی الارض، صاحب سیف و قرآن، فاتح عالم، امیر ملت تیمور بن

طراغاتی تشریف فرما ہوتے ہیں“ پاکستانی یونائیٹڈ

آمد کی یہ نوید ختم ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد تیمور اس دربار میں داخل ہوا۔ وہ
 ریشمی چغہ پہنے ہوئے تھا۔ سر پر اونچی باڑھ کی سفید کلاہ تھی جس کے بالائی حصے میں ایک

چوڑا سا باقوت بڑا ہوا تھا اور اس باقوت کے گرد جواہرات ٹانگے گئے تھے۔ دربار میں بیٹھے سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہاتھ باندھ کر تعظیم پیش کرنے کے انداز میں کھڑے تھے تیمور نے ان سب کو بیٹھنے کے لیے کہا پھر اس نے وہاں کا جائزہ لیا۔ تیمور کی اپنی نشست کے قریب اس کا بیٹا شاہرخ بیٹھا ہوا تھا اور شاہرخ کے ساتھ تیمور کے پوتے محمد سلطان پیر محمد اور خلیل بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے بعد تیمور کے ہر دل عزیز جرنیل آق بونا کی نشست تھی اور آق بونا کے بعد آگے پیچھے کئی قطاروں میں امیر تیمور کے جرنیل بیٹھے ہوئے تھے جن میں علی توحید، امیر مبشر، عمران تابان، رستم بلاس، سوئجک بہادر، توکل بلاس زیرک، ابوبکر، شیخ اعلان اور دوسرے بہت سے جرنیل بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ تیمور کے تخت کی ایک طرف کی کیفیت تھی جب کہ تخت کے دوسری سمت پہلی نشست پر امیر الامراء سیف الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری نشست پر تیمور کے پر و مشرد مولانا زین الدین تھے۔ تیسری نشست پر ملک الاطباء مولائے تبریز تھے۔ چوتھی نشست پر تیمور کی سلطنت میں رہنے والے نصرائیوں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا اسقف یوحنا تھا۔ اس کے بعد نشستوں کا یہ سلسلہ ایک قطار کے بجائے کئی قطاروں میں پھیل کر دیا گیا تھا اور اسقف یوحنا کے بعد ان نشستوں پر دوسرے راہبین سلطنت کے علاوہ بخارا

۱۔ شاہرخ امیر تیمور کی دوسری بیوی ملکہ ملارے خانم سے تھا۔

۲۔ محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل امیر تیمور کے سب سے بڑے بیٹے جہانگیر کی اولاد تھے۔ یہ جہانگیر امیر تیمور کی پہلی بیوی الجاقی خاتون سے تھا۔ الجاقی خاتون اور جہانگیر دونوں فوت ہو چکے تھے۔

۳۔ ہیر لدیم آق بونا کو امیر تیمور کا سب سے طاقتور اور عمدہ ترین بیٹا سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ ہیر لدیم نے بھی اس کا نام اسقف یوحنا ہی لکھا ہے۔

شہر سے آئے ہوئے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں بخارا کے علماء، درس گاہوں کے شیوخ، خدام دین اور معروف مناظر شامل تھے۔

محل کے اس حصے کو تبریز کے دودھیا سنگ مرمر بہرات کی صیقل شدہ ٹائلوں، بغل کے نازک نفرتی کام، فرش بخارا، بلاؤ شمال کے ابریشم اور قالینوں کے علاوہ خطا کے زینت سے سجاکر انتہائی خوب صورت اور پرکشش بنا دیا گیا تھا اور پھر سلیقے سے سجائی گئی برصیہ حسین محل کے اس حصے میں بالکل سامنے پانی کا ایک فوارہ چھوٹ رہا تھا جس کا پانی کافی بلندی تک جا رہا تھا اور جس حوض کے اندر یہ پانی گر رہا تھا اس حوض کے اندر لال لال سیب تیر رہے تھے۔

جس طرف امیر الامراء سیف الدین اور اسقف یوحنا بیٹھے ہوئے تھے اس سمت ذرا پیچھے ایک باریک اور سفید رنگ کا کافی لمبا اور بلند پردہ تنا ہوا تھا اور اس پردے کے پیچھے بھی نشستوں کا انتظام تھا اور ان نشستوں پر اس وقت شاہی حرم کے علاوہ راہبین سلطنت کی عورتیں اور لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

اپنی نشست کی طرف جاتے ہوئے تیمور اپنے امیر الامراء سیف الدین کے پاس رکا۔ پہلے وہ اُسے پر جوش انداز میں گلے لگا کر بلا۔ پھر اُسے مخاطب کیا۔

”اے سیف الدین! مجھے ایران سے تمہارے لوٹنے کی اطلاع کل شام کو ہی مل گئی تھی پر یہ تو بتاؤ تم ایران میں اتنے دن رہنے کے بعد ہمارے لیے کیا لائے ہو۔“

سیف الدین نے بڑی عقیدت مندی سے جواب دیا۔ ”اے امیر! آپ اپنی نشست پر بیٹھیں تو پھر میں اس سلسلے میں کچھ کہوں۔“

امیر تیمور اپنی نشست کی طرف بڑھا جس پر خوب صورت اور دلآویز قالین بچھا ہوا تھا اور ارد گرد گول گول تکیے رکھے ہوئے تھے، آلتی پالتی مار کر تیمور وہاں بیٹھ گیا اور اس بار وہاں بیٹھے سب لوگوں کو سننے کی خاطر اس نے قدرے بلند آواز میں پوچھا۔

اے سیف الدین! اب بتاؤ کیا لائے ہو تم ہمارے لیے ایران سے؟
سیف الدین بھی قدرے آدھی ہی آواز میں بولا: اے امیر! میں ایران سے آپ کے لیے دو چیزیں لے کر آیا ہوں افسانہ دو چیزوں میں سے ایک عمدہ اور دوسری نایاب ہے۔ اب بتائیے پہلے کس چیز کو آپ کے سامنے پیش کروں۔

تیمور نے خوشی کا اظہار کیا: پہلے یہ بتاؤ کہ یہ چیزیں کس نوعیت کی ہیں؟
سیف الدین خوشی کے اظہار میں کہہ رہا تھا: اے امیر! جو چیز عمدہ ہے وہ تو ایک لونڈی ہے، نام اس کا شاری ملک ہے۔ اور وہ اپنے حسن اور خوبصورتی میں ایسی بڑھ کر ہے کہ اپنے اسقف یوحنا کی بیٹی اینجلینا کو چھوڑ کر سمرقند میں شاید ہی کوئی اس جیسی خوب صورت اور پرکشش لڑکی ہو اور جو بات اسے منفرد بناتی ہے۔ وہ یہ کہ وہ نو عمر ہونے کے علاوہ ایک بے مثل رقاصہ بھی ہے۔

پھر سیف الدین نے مدھم سرگوشی میں پوچھا: اگر آپ پسند کریں تو ابھی اسے اندر بلایا جائے کہ وہ اپنا قص پیش کرے۔

تیمور نے سرگوشی میں سیف الدین کو سمجھایا: بخدا سے آئے ہوئے علمائے دین کی موجودگی میں شاری ملک کا قص دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ پھر تیمور نے بلند آواز میں پوچھا: اور اے سیف الدین! دوسری چیز جسے تم نایاب کہتے ہو وہ کیا ہے؟

سیف الدین نے اس بار اور زیادہ خوش کن لہجے میں انکشاف کیا: اے امیر! جسے میں نایاب کہتا ہوں، وہ ایک غلام ہے۔ اس کا تعلق ترکوں کے جلاتر قبیلے سے ہے اور جلاتر اس سے آپ بھی محبت کرتے ہیں۔ اس غلام کا نام نور الدین ہے۔ اے امیر! میں

ایران سے لائی جانے والی یہ وہی شاری ملک نام کی کنیز تھی جس نے نہ صرف تیمور کے خاندان میں ایک طوفان برپا کر دیا بلکہ تیمور کے خاندان میں یہ خوریزی کا باعث بھی بنی۔

یہ وہی نور الدین جلاتر تھا جو تیمور کا اعلیٰ ترین جرنیل مانا جاتا تھا۔ (باقی صفحہ ۱۳ پر)

لے آج تک اس جیسا کوئی طاقت ور اور ماہر تیغ زن نہیں دیکھا۔ جب تیغ زنی کا مقابلہ کرتا ہے تو ایسی لٹکار بلند کرتا ہے کہ تلوار بھی پانی مانگے اور اس کے حملہ آور ہونے کی نفرت ایسی بھیانک و ہولناک کہ دریا بھی روانی مانگے۔

اے امیر! میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں جھوٹے پاپیے کا ہنوں، جوتشیوں، فال گیروں، رمالوں، عاملوں اور غیب دانی کا ڈھونگ رچانے والوں کو بھی سنا۔ میں نے شہوانیت کے بھوت، اخلاقی بندشوں سے آزاد زن بازاری کی تعریف کرنے والے لطف و لذت کے پرستار اور جذبات و خواہشات کی رو میں بہہ جانے والے شاعروں کو بھی سنا پر اے امیر! جو لذت اس غلام کی صحبت میں ہے وہ ان سب لوگوں کی باتوں اور کلام میں بھی نہیں ہے۔

اے امیر! کاہنوں اور رمالوں کی گفتگو میں تو صرف ایک دوسرے کے خلاف نسلی، قومی نفرت ہے۔ جو شاعر ہمارے ارد گرد جمع ہوتے ہیں ان کے کلام میں سوائے بے جا تعریف، ڈھینگیں، طعن، پھبتیاں، مشرکانہ حرکات، جھوٹ و مبالغہ، بہتان و بوجہ اور محض خیالی و غیر حقیقی مضامین کے کچھ نہیں ہوتا لیکن نور الدین کی تیغ زنی دیکھ کر حقیقی جرأت مندی اور نایاب مہارت کا درس ملتا ہے اور پھر اے امیر! نور الدین بھی نو عمر بھی ہے۔

میں نے نور الدین کو ایک ایرانی تاجر سے خریدا۔ شاری ملک کو بھی میں نے اسی سے حاصل کیا۔ یہ شاری ملک اس نور الدین کو پسند بھی کرتی ہے۔ اس پر کئی بار اپنی چاہت کا اظہار بھی کر چکی ہے، ہمدرد نور الدین اس سے نفرت کرتا ہے۔ اسے شاری ملک کی عادات پسند نہیں ہیں۔ ایک تو وہ پیشہ ور رقاصہ ہے، دوسرے شراب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) اور جسے تیمور اپنے لیے سب سے زیادہ وفادار اور قابل اعتبار خیال کرتا تھا۔

بات ہوتی ہے۔ ویسے یہ لڑکی حرم میں ایک کنیز کی حیثیت سے رہنے کا سلیقہ بھی کھتی ہے اور ایک ایرانی رئیس کے حرم میں کام بھی کر چکی ہے۔

ایران کے اندر بھی میں نے دو ایک جگہ نورالدین کے مقابلے کرائے تھے اور پھر سمرقند کی طرف آتے ہوئے میری ایک ایسے کارواں سے بھی مڈ بھیڑ ہوئی جس کے اندر غلاموں کے قافلے اور گداگروں کے گروہ بھی شامل تھے۔ اس کارواں کے محافظوں کے ساتھ بھی میں نے نورالدین کا تیغ زنی کا مقابلہ کرایا اور اس نے ایسے اسے کمالات دکھائے کہ غلام اور گداگر تک اس کی تعریف کرنے لگے تھے اور۔۔۔۔۔

تیمور، سیف الدین کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ اے سیف الدین! تم نے نورالدین کی ایسی تعریف کی ہے کہ میرے دل میں اسے دیکھنے کی اشتہا بڑھ گئی ہے۔ تم جانتے ہو میں بہادر اور جنگجو جوانوں کے پیچھے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والا ہوں۔ تم نورالدین اور شاری ملک دونوں کو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں دیکھوں وہ کیسے ہیں۔

سیف الدین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک نو مند اور دلاز قامت جوان اور ایک نوشیز لڑکی تھی۔ دونوں کو تیمور کے سامنے کھڑا کر کے سیف الدین اپنی نشست پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”یہ دو مخالف ہیں جو میں ایران سے آپ کے لیے لایا ہوں۔ اس لڑکی کا نام شاری ملک اور اس جوان کا نام نورالدین ہے۔

تیمور نے دیکھا۔ ”شاری ملک کے لب بے کل اور نگاہیں بے چین تھیں۔ اس کے جسم میں آتش حرارت تھی اور وہ واقعی پھولوں، کرفوں، تنبیوں، جگنوؤں اور شوخ و شنگ رنگوں کی آمیزش جیسی حسین اور پرکشش تھی۔ تیمور نے شاری ملک میں کوئی دل چسپی نہ لی اور اس کی طرف سے نگاہیں ہٹا کر اس نے سیف الدین سے کہا۔ ”اس شاری ملک کو زنانے کی طرف بٹھا دو۔ آج سے یہ ہماری حرم سرا میں ایک کنیز کی حیثیت سے کام کرے گی۔“

سیف الدین اٹھا۔ شاری ملک کو وہ اس پردے کے پیچھے لے گیا جو وہاں تنہا تھا اور وہاں وہ اسے عورتوں کے اندر ایک خالی نشست پر بٹھا کر پھر اپنی نشست پر آکر بیٹھ گیا۔ اب تیمور نے غور سے نورالدین کی طرف دیکھا۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور اس پر کئی پینڈ لگے تھے۔ اس کا لباس موٹے کپڑے کا تھا جس پر لگے پینڈوں میں سے دو پینڈ چھڑے کے بھی تھے۔ اس کی عبا کا سامنے کا حصہ بُری طرح پھٹ کر دو حصوں میں بٹ چکا تھا اور پھر ان پھٹے ہوئے دونوں حصوں کو ایک گانٹھ لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے کندھے پر ہلکی شکاری کمان لٹک رہی تھی۔ سر پر بوسیدہ سی ایک گرم ٹوپی تھی۔ اس کی کمر سے جو تلوار لٹک رہی تھی اس کا میان اور چمڑے کی پٹی کبھی بہت اچھی رہی ہوگی لیکن اب وہ اپنی آب و تاب کھو چکی تھی۔ اس کے پاؤں میں موٹے اور کھردرے چمڑے کا جو جوتا تھا وہ جگہ جگہ سے اس انداز سے پھٹا ہوا تھا کہ ان میں اس کے پاؤں بھی دکھائی دے رہے تھے۔

تیمور نے یہ بھی دیکھا کہ اس کی آنکھوں کے اندر سیقل شدہ خنجر جیسی چمک اور اک سلگتی ہوئی آنچ تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی پر باندھ رکھے تھے۔ وہ بے چارہ قبروں جیسا خاموش، بوسیدہ کفن جیسا دیوان، بجھے آتش کدے جیسا اداس اور ویران میکے جیسا افسردہ کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے تیمور کھوسا گیا تھا۔ پھر وہ سنبھلا اور دربار میں اس کی آواز گونجی۔

اے نورالدین! اپنی گردن سیدھی کر دو اور چھاتی تان کر کھڑے ہو۔ تم جلاتر ہو اور میں جلاتروں سے محبت کرتا ہوں۔ سیف الدین نے تمہاری بے حد تعریف کی ہے۔ پر اس پر

ایمیر تیمور کی جلاتروں سے محبت اس بنا پر تھی کہ اس کی پہلی بیوی اجماتی خاتون کا تعلق بھی ترکوں کے اسی جلاتر قبیلے سے تھا۔

نور الدین کی تیغ زنی اور جرأت مندی و طاقتوری کو آزمانے کا سب سے عمدہ اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ آپ اپنے اس بھرے دربار میں کسی ایسے تیغ زن سے مقابلہ کرنا دیکھیں جسے آپ سب سے بہتر سمجھتے ہوں، اگر نور الدین اسے مات کر دے تو میری کی ہوئی تعریف و توصیف مبنی بر حقیقت ہوگی اور اگر نور الدین ایسا ثابت نہ ہو تو پھر جو چاہے فیصلہ کریں۔

سیف الدین کی اس گفتگو پر تیمور کے لبوں پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کیا اور بولا۔ ”اے نور الدین! میرے لشکر میں ایک مینک باشی ایسا ہے جو میری نظر میں سب سے بہادر و طاقت ور اور سب سے برتر تیغ زن اور جنگجو ہے۔ اس بھرے دربار میں اے نور الدین! تم میرے اس مینک باشی کا مقابلہ کرو۔ اگر تم اسے ہرانہ سکے اور اس کے سامنے چند لمحے بھی ٹھیر گئے تو میں تمہاری قدر دانی کروں گا۔ سنو! میرے اس مینک باشی کا نام آق بوغا ہے اور وہ ایک بے مثل تیغ زن ہے۔

تیمور دراز کا پھر اس نے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، ”اے سیف الدین! تمہارا کیا خیال ہے۔ نور الدین اور آق بوغا میں سے کون غالب اور کون مغلوب رہے گا۔ بغیر کسی توقف و تفکر کے سیف الدین نے جواب دیا۔ ”اے آقا! ظاہری طور پر جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کے مطابق مجھے اُمید ہے کہ نور الدین غالب رہے گا۔ جب سے میں نے نور الدین کو نہ دیکھا ہے تب سے میں اسے کئی مقابلوں میں آزما چکا ہوں اور آق بوغا بھی میرا خوب دیکھا بھالا ہوا ہے۔“

تیمور پھر بولا۔ ”اے سیف الدین! اس نور الدین سے پوچھو کیا یہ یہاں میرے سامنے آق بوغا کے ساتھ مقابلہ کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر یہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے تو اے آق بوغا کی شجاعت و قوت کے کچھ واقعات بھی سنا دو جو آق بوغا کو اپنی زندگی میں

گفتگو کرنے سے قبل تمہارے اور تمہارے غلام بننے سے متعلق تفصیل جاننا چاہوں گا۔“

نور الدین نے پہلی بار زبان کھولی۔ ”اے امیر! میں نہیں جانتا کہ میرا تعلق جلاتروں کے کس خاندان سے ہے۔ میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ میں غلام ہی پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کہ میرا باپ بھی ایک ایرانی رئیس کا غلام تھا۔ میں چھوٹا ہی تھا کہ میری ماں مر گئی اور میں جب دس سال کا ہوا تو میرا غلام باپ بھی ہمیشہ کے لیے مجھ سے بچھڑ گیا۔ پر وہ ایرانی رئیس مجھ پر مہربان تھا۔ اس نے مجھے پالا اور میری اچھی تربیت کی۔ ایک بار شکار کے دوران میں نے ایک چیتے سے اس کی جان بچائی تھی جس کے لیے اس نے انعام کے طور پر مجھے یہ تلوار اور ہڈی دی جو اس وقت میری کمر سے لٹک رہی ہے۔ گزشتہ برس وہ ایرانی رئیس مر گیا۔ اس کے بیٹے مجھے اچھا نہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے مجھے آقا سیف الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اے امیر! بس یہ ہے میری کل داستان۔“

اے امیر! میں نے اپنے جسم سے روح تک دھوپ ہی دھوپ دیکھی ہے۔ میری زندگی میں کوئی سایہ اور سُرَاب نہیں آیا۔ میں ساگر سے گٹا ہوا وہ دھارا ہوں جس کے اندر پانی ہی نہیں نمی تک ختم ہو جاتی ہے۔ بھوک کی ٹھیری ہوئی ساموں کے اندر میں بیکاری اور افلاس میں شل رہا ہوں اور میرا سینہ ہمیشہ دکھوں اور غموں کا امین رہا ہے۔ اے امیر! گو میں نے اپنی ساری زندگی ایک غلام کی حیثیت سے گزاری ہے پھر بھی میرا جی چاہتا ہے کہ اگر میری کوئی قدر شناسی کرے تو میں اس کے لیے اپنی شہ رگ کا لہو تک نچھاور کر دوں۔“

تیمور نے بڑی شفقت میں اس بار کہا۔ ”اے نور الدین! اگر تم اپنی تعریف و توصیف کے مطابق ثابت ہوئے تو میں تمہاری قدر شناسی کروں گا اور تم سے تمہاری شہ رگ کے لہو کی توقع کیے بغیر تمہاری قدر دانی اور حوصلہ افزائی کروں گا۔ پر سیف الدین نے جو تمہاری تعریف کر دی ہے اسے کیسے جانچا اور پرکھا جائے؟“

قبل اس کے کہ نور الدین کچھ کہے سیف الدین اس کی جگہ تیمور کو مخاطب ہو کے بولا۔

۱۔ بقول میر اللہ علیہ آق بوغا تیمور کے عمدہ ترین اور بے مثل ہر نیلوں اور تیغ زنوں میں سے تھا۔

پیش آچکے ہیں تاکہ یہ آق بوغا کے متعلق سب کچھ جان جائے اور بعد میں یہ نہ کہہ سکے کہ آق بوغا کی اصلیت کا مجھے علم نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے بلند آواز میں اپنے سامنے بیٹھے آق بوغا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”اے آق بوغا! کیا تم اس نور الدین سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟“

آق بوغا اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں اس مقابلے کے لیے تیار ہوں۔“

تیمور جب خاموش ہوا تو سیف الدین نے نور الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے نور الدین! میں تمہیں آق بوغا سے متعلق کچھ بتاتا ہوں پھر اس کی دشمنی میں تم اپنا فیصلہ دینا کہ تم اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔“

سنو نور الدین! تم دیکھتے ہی ہو کہ آق بوغا قاتل اور جہانی قوت کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اس کے بازو آہنی ہیں اور یہ اپنی ڈھال اور پانچ فٹ لمبی کمان ضرور اپنے پاس رکھتا ہے۔ شراب پینے میں بڑا بدنام ہے اور اکثر یہ مینڈھے کے سینک میں دوڑتا ہے اور شراب بھر کر پیتا ہے اور ایک ہی سانس میں بھلا ہوا سینک پنی جاتا ہے مگر ان بُری عادات کے باوجود بلا کا دلیر اور بہادر ہے۔“

ہاں نور الدین! ایک بار ایرانیوں کے خلاف ایک مہم کے دوران جب کہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد ان کا تعاقب ختم کیا گیا تھا تو یہ آق بوغا اکیلا ہی ایک ایرانی بستی کے شراب خانے میں جا گھسا اور شراب پینے میں مشغول ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس شراب خانے میں اس بستی کا سردار آیا اور آق بوغا سے اس نے کہا کہ بستی کے باہر تالاب کے قریب پچاس ایرانی سوار اپنے گھوڑوں سے اتر رہے ہیں اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شاید وہ لوگ بستی کو لٹنے آئے ہیں۔ آق بوغا نے اس سردار کو جواب دیا کہ جاؤ تم بھی اپنے ہتھیار بند آدمیوں کو بلاؤ تاکہ ہم ان پچاس ایرانیوں سے مقابلہ کریں۔

سردار نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے انکشاف کیا۔ تم ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ، ہو سکتا ہے انہیں خبر ہو جائے کہ تم تاناری ہو، اگر ایسا ہوا تو وہ ضرور نہیں قتل کر دیں گے۔“

آق بوغا نے کہا۔ میں بھاگوں گا نہیں بلکہ میں توان ایرانیوں پر ہاتھ صاف کرنے سے متعلق سوچ رہا ہوں۔ سنو! ایرانی گیدڑ اور تاناری بھیڑیے ہوتے ہیں۔ لہذا بھیڑیے کو دیکھ کر وہ گیدڑ ضرور بھاگ جائیں گے۔“

آق بوغا کی اس گفتگو پر اس بستی کے سردار نے بستی کے لوگوں سے مشورہ کیا۔ جہاں وہ لوگ ان پچاس مسلح ایرانیوں سے خائف تھے وہاں اس بستی والے آق بوغا کی طرف سے بھی مدد مل سکتی تھی۔ چنانچہ بستی کے دس جوان مسلح ہو کر اپنے ٹٹوں پر سوار ہو کر آق بوغا کے پاس پہنچ گئے۔ اب آق بوغا نے اپنا ٹپکا کٹا۔ سر پر خود جمایا، وارھی کو اپنے چرمی ڈھکے سے ہانڈھا اور بانوؤں پر اپنی ڈھال چڑھا کر ان بستی والوں کو مخاطب کر کے بولا۔

”دیکھو جب میں نعرہ ماروں تو تم لوگ اپنے گھوڑوں کو آندھی کی طرح آگے بڑھانا اور اس موقع پر اگر آنکھوں میں گرد پڑ جائے تب بھی مت رکتا۔ بہر حال آق بوغا بستی کے ان دس مسلح سواروں کے ساتھ اس تالاب کی طرف روانہ ہو گیا جہاں پچاس مسلح ایرانی تھے۔ ان کے قریب تالاب کے کنارے جا کر آق بوغا نے تاناریوں کا جنگی نعرہ مارا۔ اس بستی کے ان دس جوانوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر ایرانیوں پر حملہ کر دیں لہذا وہی آق بوغا نے نعرہ مارا انہوں نے اپنا رخ موڑا اور واپس بھاگ گئے۔ لہذا آق بوغا اکیلا ہی ان پچاس ایرانیوں پر حملہ آور ہو گیا۔“

ایرانیوں نے شاید یہ سمجھا کہ آق بوغا کسی بڑے لشکر کا قارم سپاہی ہے یا پھر وہ تاناریوں کا جنگی نعرہ سن کر خوف زدہ ہو گئے تھے۔ بہر حال جلدی جلدی وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آق بوغا ان کے تعاقب میں دوڑ تک گیا۔

اور انہیں پکارتا جاتا تھا۔ اے ایرانیو! بھاگتے کیوں ہو میرے ساتھ دو دو ہاتھ کرتے جاؤ۔ پراپراتی نہ رگے اور ان پراق بوغا کی ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو اے نورالدین! یہ آق بوغا کی زندگی کا ایک معمولی سا واقعہ ہے اور ایسے کئی واقعات آق بوغا کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اب کہو کیا تم اس بھرے دربار میں یہاں بیٹھے سب مرد و خواتین کی موجودگی میں آق بوغا جیسے جوان سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو۔ جس نے آج تک اپنی زندگی میں کبھی کسی سے شکست قبول نہیں کی۔

نورالدین اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دتے پر لے گیا اور بولا۔ اے آقا! میں آق بوغا سے ضرور مقابلہ کروں گا اور مجھے اُمید ہے کہ میرا رب ایک ثوابی کے مقابلے میں اپنے ایک مسکین و عابثہ اطاعت گزار بندے کا بھرم ضرور رکھے گا۔

نورالدین کے اس جواب پر سیف الدین نے تیمور کو مخاطب کر کے کہا۔ اے امیر! اگر نورالدین یہ مقابلہ جیت جائے تو اسے آپ اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق جس کام کے لیے چاہیں اپنے پاس رکھ لیں لیکن اگر نورالدین پراق بوغا غالب رہا اور آپ نورالدین کی ضرورت محسوس نہ کریں تو پھر آپ نورالدین کو میرے حوالے کر دیں۔ آپ جانتے ہیں میری بیوی مرچکی ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں لہذا میں اس نورالدین کو اپنا بیٹا بنا لوں گا۔ اے امیر! گو نورالدین اس وقت بمشکل سترہ برس کا ہو گا جب کہ آق بوغا اس وقت اپنی جوانی کے عروج پر ہے۔ اس کے باوجود میرا دل کہتا ہے کہ نورالدین اپنے سامنے آق بوغا کو زیر کر لے گا۔

اس موقع پر تیمور نے اپنے قریب بیٹھے اپنے بیٹے شاہرخ کے کان میں کچھ راز داری میں کہا۔ جس کے جواب میں شاہرخ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ تیمور نے اس بار سیف الدین کو مخاطب کر کے اپنا فیصلہ دیا۔ اے سیف الدین! شاہرخ واپس آئے تو یہ مقابلہ شروع کرادو۔ نورالدین اور آق بوغا دونوں کے پاس اپنی اپنی تلواں ہیں۔ اب

ابھی صرف خود اور ڈھالیں ہتیا کی جائیں گی۔ اس کے بعد دونوں کا مقابلہ شروع ہوگا۔ ان دونوں کو سمجھا دینا کہ ایک دوسرے کو زخمی نہ کریں اور نہ ہی ایک دوسرے کو کوئی نقصان پہنچائیں۔ تیمور خاموش ہو گیا اور شاہرخ کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد شاہرخ لوٹا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک گٹھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ میں دو خود اور دو ہی ڈالیں تھیں پھر تیمور نے حاجب کو بلا کر اس کے کان میں کچھ کہا اور اس کے جواب میں اس حاجب نے ایک خالی نشست اٹھا کر اس جگہ رکھ دی تھی جہاں تیمور کے قریب اس کے بیٹے شاہرخ کی نشست تھی۔ پھر اقد کے اشارے سے تیمور نے آق بوغا کو اپنے قریب بلایا اور جب آق بوغا اس کے سامنے اور نورالدین کے پاس آکھڑا ہوا تو شاہرخ نے اُٹھ کر ان دونوں کے سروں پر ہوجھانے کے بعد انہیں ایک ایک ڈھال بھی تھما دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دربار میں سیف الدین کی بارعب آواز بلند ہوئی تھی۔ اب تم دونوں مقابلہ شروع کرو لیکن جہاں سے کہ ایک دوسرے کو زخمی نہیں کرنا۔

دربار میں یوں خاموشی طاری ہو گئی تھی جیسے ہر آنکھ کسی سیمیں تن کے لذت آمیز انص میں ڈوب کر رہ گئی ہو۔ پھر نورالدین اور آق بوغا اپنی تلواں لہراتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک دوسرے پر انھوں نے حملہ کر دیا تھا۔

شروع شروع میں دونوں ہی ایک دوسرے پر خوب دیکھ بھال کر اور اہم روی سے وار کر رہے تھے پھر لمحہ بہ لمحہ دونوں کے حملوں میں تیزی اور وحشی پن ابھرنے اور نمایاں ہونے لگا تھا۔ پھر وہ دونوں ہی تھوڑی دیر تک ایک دوسرے پر ہل حملہ آور ہونے لگے تھے جیسے ہزاروں طوفان بوقتاً اُبل پڑے ہوں۔ شکاری نر کی طرح پھرتے ہوئے اور اچانک جاگ اُٹھنے والے شعلوں کی طرح وہ ایک دوسرے کی طرف پھٹنے لگے تھے۔

شروع شروع میں آق بوغا کے حملوں سے یہی محسوس ہونے لگا تھا کہ چند ہی ساعتوں تک وہ نور الدین کو اپنے سامنے سمیٹ کر رکھ دے گا لیکن پھر نور الدین کی ہمت بھی یوں بدلنے لگی جیسے مٹی کی تقدیر بدلتی ہے۔ جیسے اسیروں کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں۔ وہ چیختی چلاتی دھوپ، آندھیوں کے زم زموں، بیتاب طوفانوں کے نغموں، مہیب رتوں کے غلاب اور پھر پھر کراٹھتے گبولوں کی طرح حملہ آور ہونے لگا تھا۔ اس کی ڈھال کی ضربوں میں پکنتی بجلیوں، ہتھی ندیوں اور زنجیری قفس جیسا ایک سماں تھا۔ ایسا لگتا تھا اس کا دل شعلہ نفس آتش، بدن آگ اور سانسیں کھولتی بھیٹی بن گئی ہوں وہ کسی وحشی درندے کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا اور آق بوغا پریوں چھا گیا تھا جیسے کوئی طوفان اُٹھ کر اپنے حدت کی طرف لپکتا ہے۔

لحموں کے وحشیانہ قفس کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے وہ ایسی آوازیں نکال رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو انا البحر (میں تو سمندر ہوں)۔ نور الدین اس موقع پر یوں لگ رہا تھا گویا اس کے جسم میں شعلے اور سانسیں کے اندر آگ بھردی گئی ہو۔

اچانک نور الدین نے آق بوغا کی ڈھال پر اپنی ڈھال سے ایک زوردار ضرب لگائی جس کی وجہ سے آق بوغا سے اس کی ڈھال چھوٹ کر دُور جا گری۔ پر آق بوغا نے بھی بڑی ہمارت اور بصیرت کا ثبوت دیا۔ اپنی ڈھال ہاتھ سے گرتے ہی اس نے نور الدین پر اپنی تلوار کا ایک خطرناک وار کر دیا۔ پر اس موقع پر شاید نور الدین بھی اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

نور الدین نے آق بوغا کے اس خطرناک وار کو اپنی ڈھال پر روکنے کے بجائے اپنی تلوار پر لیا اور جب دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں تو نور الدین نے فوراً اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی ڈھال فرش پر گمادی اور بائیں ہاتھ سے اس نے فوراً آق بوغا کا تلوار والا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی تلوار علیحدہ کر کے اس کی نوک

آق بوغا کی گردن پر رکھ دی تھی۔

اب آق بوغا پوری طرح بے بس اور مغلوب تھا کیوں کہ اس کا وایاں ہاتھ جس میں اس نے اپنی تلوار تھام رکھی تھی نور الدین کی آہنی گرفت میں تھا اور اپنے تلوار والے ہاتھ کو آق بوغا اب اپنی مرضی کے مطابق حرکت میں نہ لاسکتا تھا۔ آق بوغا کو نور الدین کے سامنے مکمل طور پر بے بس اور مغلوب دیکھ کر تیمور نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے نور الدین! تم یہ مقابلہ جیت چکے ہو، اپنی تلوار آق بوغا کی گردن سے ہٹا لو کباب تم غالب ہو اور آق بوغا مغلوب ہو چکا ہے۔“

نور الدین نے آق بوغا کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کی گردن سے اس نے اپنی تلوار بھی ہٹا لی تھی۔ اس موقع پر آق بوغا نے کمال مردانگی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نور الدین نے جب اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کی گردن سے تلوار ہٹا لی۔ تو آق بوغا نے فوراً اپنی تلوار نیام میں کر لی۔ اپنی ڈھال اٹھا کر ایک طرف رکھ دی اور پھر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر نور الدین کو گلے لگا لیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آق بوغا نے توصیفی انداز میں کہا۔

”نور الدین! قسم خداوند رحمن و رحیم کی! میں نے اپنی زندگی میں بہت سے مقابلوں میں حصہ لیا پر تیرے جیسا ماہر تیغ زن آج تک نہ دیکھا۔ بخدا میں خواہش کروں گا کہ جنگوں کے دوران میں تیرے ماتحت کام کروں تاکہ میں تم سے کچھ حاصل کر سکوں کچھ سیکھ سکوں۔ گو تو مجھ سے عمر میں کمتر ہے پر جنگی فنون میں تو یقیناً مجھ سے بالاتر ہے۔“

آق بوغا اب نور الدین سے علیحدہ ہو کر ایک طرف ہٹ گیا کیوں کہ تیمور اور سیف الدین اپنی جگہوں سے اُٹھ کر نور الدین کی طرف آرہے تھے۔ دونوں باری باری نور الدین کو گلے لگا کر ملے اور فتح کی مبارک باد دی۔ پھر تیمور اور سیف الدین

دوبارہ اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ تاہم نور الدین ابھی کھڑا تھا۔ آق بونغا بھی وہاں سے ہٹ کر دوبارہ اپنی نشست پر جا بیٹھا تھا۔ پھر تیمور اپنے سامنے بیٹھے استغف یوحنا کو مخاطب کر کے بولا۔

”اے یوحنا! چند روز قبل تو نے مجھ سے کہا کہ میں کوئی ایسا مناسب لڑکا تلاش کروں جس کے ساتھ تم اپنی بیٹی انجیلینا کی شادی کر سکو۔“

استغف یوحنا نے جواب میں ایک طرح سے تیمور کی اس گفتگو کی درستگی کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں نے شادی کا ذکر نہ کیا تھا بلکہ آپ سے التماس کی تھی کہ کوئی ایسا مناسب جوان نگاہ میں رکھیے گا جس سے میں اپنی بیٹی انجیلینا کی منگنی کر سکوں کیوں کہ میری بیٹی ابھی بمشکل تیرہ برس کی ہوئی ہے اور ابھی وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی شادی کر دی جائے۔“

یوحنا کے خاموش ہونے پر تیمور پھر بولا۔ ”چلو شادی نہ سہی فی الحال منگنی ہی سہی پر تمہاری بیٹی انجیلینا کے لیے میں نے ایک جوان کا انتخاب کر لیا ہے اور وہ جوان یہ نور الدین ہے جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اے یوحنا! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ابھی سب لوگوں کی موجودگی میں نور الدین سے متعلق تمہاری بیٹی انجیلینا کا عندیہ لے لیا جائے اور اگر وہ رضامندی کا اظہار کر دے تو آج ہی ان دونوں کی باقاعدہ طور پر منگنی کر دی جائے۔“

یوحنا نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! یہ میری خوش بختی اور میری بیٹی انجیلینا کی بختاوری ہے کہ نور الدین جیسے بے مثل و نایاب جوان کو اس کی زندگی کا ساتھی بنا دیا جائے۔“

تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور یوحنا سے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو پھر آؤ میرے ساتھ ابھی اور اسی وقت تمہاری بیٹی انجیلینا کا نور الدین سے متعلق عندیہ لے لیں۔“

یہ گفتگو نہ صرف نور الدین بلکہ وہاں بیٹھا ہر کوئی غور اور دل چسپی سے سن رہا تھا۔ تیمور کا ساتھ دینے کے لیے یوحنا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تیمور نے اس بار امیر الامراء سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے خوشی کے اظہار میں کہا۔ ”اے سیف الدین! ہم بھی تم دونوں کے ساتھ آؤ۔ سیف الدین بھی خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان دونوں کے ساتھ ہو لیا تھا۔“

دوبارہ میں حریری پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی خاتین کے اندر اس وقت یوحنا کی بیوی ماتھس اور بیٹی انجیلینا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں ماں بیٹی ایک دوسری کے ساتھ بیٹھی باہم محو گفتگو تھیں۔

انجیلینا گوا بھی بمشکل تیرہ برس کی تھی پھر بھی اس کے چہرے پر بچپن کی رخصتی اور جوانی کی لطافت و نزاکت تھی۔ وہ خوابوں میں مچلتی جوانی، فطرت کے رنگین جمال، لب شاداب پر چھائی ہوئی گلزار ہنسی اور انگور کے ٹپکوں جیسے شیریں لہجے کی طرح حسین و پرکشش تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے یوں لگتا تھا جیسے ان کے اندر ایک مے خانہ ڈوبا ہوا ہو۔ اس کے حُسن و خوشبو سے تراشے ہوئے پیکر سے ایک طلب انگیز مہک سی اٹھ رہی تھی۔ وہ پیکرِ سمیں اپنے دونوں منڈلی بازو اپنے سامنے سمیٹے ہمہ رنگ ہمہ خوشبو اور ہمہ سوز و ہمہ گماز لگ رہی تھی۔ اپنی ماں کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے اس کی باتوں میں امرت سانوں میں مہکار اور آنکھوں میں گویا محمود خواجی کی مستی کے شرارے ہوں۔ تیمور، سیف الدین اور یوحنا جب ان دونوں کے قریب گئے تو اپنی ماں سے گفتگو کرتی انجیلینا اچانک خاموش ہو گئی تھی۔

یوحنا اپنی بیٹی انجیلینا کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے بڑی نرمی اور شفقت بھری آواز میں پوچھا۔ ”اے انجیلینا! میری بیٹی! آقا تیمور، امیر سیف الدین اور میں تم سے یہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ کیا تم ابھی ابھی مقابلہ جیتنے والے نور الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کو تیار ہو۔ اگر تم اپنی خوشی اور رضامندی کا اظہار کر دو، تو ابھی اور اسی وقت سب کی موجودگی میں تم دونوں کی باقاعدہ منگنی کر دی جائے گی اور

شادی اس وقت ہوگی جب تم کم از کم سترہ اٹھارہ برس کی ہو جاؤ گی۔ اب بولو میری بیٹی!

اس بارے میں تمہارا کیا جواب ہے۔

اپنے باپ کے اس سوال پر زندگی کی بشارت اور نجات کا خواب دکھائی دینے والی حسین ایجنلینا بالکل تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ لگتا تھا اس سوال سے اس کے دل کی ٹھنڈک اور روح کی حرارت جاتی رہی ہو۔ تھوڑی دیر قبل تک ایت کاروپ، نفعے کا پیکر اور اجالوں کا سرور دکھائی دینے والی ایجنلینا بدل کر رہ گئی تھی۔ اس کی نظروں میں حسن کی کرنیں بجھ سی گئی تھیں۔ اس کے گالوں پر کبھرے رنگ گویا کھول اٹھے تھے۔ ایک بار غور سے ایجنلینا نے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔

”کیا میرے لیے آپ کے پاس ایک غلام ہی رہ گیا ہے۔ میں ہرگز ایک غلام ابن کو اپنی زندگی کا ساتھی نہ بناؤں گی۔“

ایجنلینا کے اس جواب پر دربار میں ایک خاموشی اور ساٹا سا طاری ہو کر رہ گیا تھا۔ سیف الدین اور اسقف یوحنا دونوں کی گردنیں مایوسی کے باعث جھک سی گئی تھیں۔ وقتی طور پر تیمور کے چہرے پر بھی دکھ کے آثار نمودار ہوئے تھے پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا ”ایجنلینا کے اس جواب پر کسی کو بُرا ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال اپنی زندگی کے ساتھی سے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں یہ بددلی طرح آنا دہے اور اس نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ لہذا اس جواب پر کسی کو تعجب دکھ اور پریشانی کا احساس نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ ایجنلینا بہر حال اپنے متعلق بہتر اور سود مند فیصلہ کرے گی۔“ تیمور اٹھ کھڑا ہوا اور سیف الدین کے علاوہ یوحنا کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔

تیمور جب دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو یوحنا نے تیمور کے قریب آکر اس کے کان میں سرگوشی کی ”اے آقا محترم! گو میری بیٹی ایجنلینا، نور الدین کو اپنانے سے انکار کر چکی ہے لیکن میں فاتی طور پر نور الدین کو اس کی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکا ہوں اور میں اپنی بیوی ماتھس کو بھی اپنا ہم خیال بنالوں گا۔ اے آقا! آپ صرف

یہ کہیں کہ نور الدین کو امیر سیف الدین کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ چونکہ میری تحویلی اور نور الدین کی تحویلی ساتھ ساتھ ہے لہذا نور الدین کے وہاں رہنے سے میری بیٹی ایجنلینا کو نور الدین سے ملنے اور اس سے گفتگو کرنے کے مواقع ملتے رہیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ ایک روز وہ ضرور نور الدین سے متاثر ہو کر اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی کیوں کہ میں دیکھتا ہوں نور الدین آندھیوں میں اذان دینے والا اور اندھیری راتوں کے پر شور طوفانوں کے اندر ساکھ مچھونک دینے والا جوان ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میری بیٹی ایجنلینا نور الدین کو سمجھنے کے بعد ایک روز ضرور اس سے متاثر ہو کر اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر رضامند ہو جائے گی۔

تیمور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس نے جوابی رازداری میں کہا ”اے یوحنا! جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہو گا۔“

یوحنا جب اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تو تیمور نے اپنے سامنے کھڑے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے نور الدین! اب جب کہ تم یہ مقابلہ جیت چکے ہو، میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تمہاری کوئی خواہش ہے؟ اگر ہے تو کہو تاکہ میں اسے پورا کرنے کی کوشش کروں۔“

نور الدین نے اپنا جھکا ہوا سر سیدھا کیا۔ تیمور کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”اے آقا! زندگی میں جب میں نے ہوش سنبھالا ہے میری ایک ہی خواہش رہی ہے اور وہ یہ کہ میری رانوں تلے کوئی اچھی نسل کا گھوٹا ہو۔ مگر میں تیغ ہو، دائیں ہاتھ میں نیزہ بائیں ہاتھ میں ڈھال ہو۔ کمان کر کے ایک طرف آویں اور دوسرے سر پر مضبوط آہنی خود اور پشت پر تیروں سے بھرا ہوا ترکش ہو اور میں دن بھر طوفانی بگولوں کی طرح جنگ میں مصروف رہوں۔ بس یہی میری خواہش ہے آقا!“

نور الدین کا یہ جواب سن کر تیمور بے حد غوش ہوا۔ اس کے چہرے پر گہری سکڑنا بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے اپنا منہ اپنے بیٹے شاہ رخ کی طرف کیا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔ ”اے شاہ رخ! میرے بیٹے! وہ سامان لاؤ جو میں نے تمہیں لانے کو کہا تھا۔

شاہ رخ اپنی جگہ سے اٹھا اور قریب رکھی گھڑی اٹھا کر اس نے تیمور کو قہما دی جب شاہ رخ دوبارہ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا تو تیمور نے نور الدین کو پکارا۔ اے نور الدین! یہ گھڑی سنبھال لو۔ اس میں تمہاری لیے کچھ سامان ہے۔

نور الدین نے آگے بڑھ کر وہ گھڑی لے لی اور اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک کڑیوں دار زرہ تھی، ایک گھوڑے کی دم کا طرہ لگی نمبرے کی سفید نوکدار ٹوپی تھی۔ نرم برٹے کا گھٹنوں تک جوتا، ایک کمر پر باندھنے کا بھاری چرمی چمکا تھاجس پر چاندی کا کام اور زمرہ کے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ نور الدین کے لیے عام استعمال کے عمرہ کپڑوں کے کئی جوڑے اور نقدی کی ایک تھیلی بھی تھی۔ نور الدین جب وہ گھڑی دیکھ چکا تو تیمور اسے مخاطب کرتے ہوئے پھر بولا۔

اے نور الدین! اس بھرے دربار میں تم نے آق بونا کو ہر اک میرے دل و اس دربار دونوں میں ایک بہترین مقام حاصل کر لیا ہے۔ میں تمہیں اپنے صفِ اول کے سالاروں میں شامل کرتا ہوں۔ اے نور الدین! تمہاری رہائش سیف الدین کے ساتھ ہوگی۔ سیف الدین تنہا ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے یہ تمہیں اپنا بیٹا بنا چکے ہیں اور ہاں قبل اس کے کہ میں اپنے اس دربار میں چند اہم امور نمٹاؤں تم آگے بڑھو اور میرے بیٹے شاہ رخ کے پاس جو ایک نشست کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس پر بیٹھ جاؤ اور آج کے بعد جب بھی دربار لگا کرے گا تمہاری نشست یہی ہوا کرے گی۔

نور الدین آگے بڑھا۔ اس نشست کے پاس جا کر اس نے ایک بار اس نے اس تحریر دینا اور سونے چاندی کا کام کی ہوئی کڑی کی طرف دیکھا۔ پھر دوسری نگاہ اس نے اپنے چھٹے ہوئے لباس پر ڈالی اور تھوڑی دیر کے لیے وہ وہاں بیٹھنے سے بچکچایا۔ نور الدین کی اس حرکت پر پردے کے پیچھے بیٹھی عورتوں نے طنز یہ تمقہ بن دیکھے جن کے جواب میں بیٹھے کچھ لوگ بھی بلند آوازوں سے ہنس پڑے تھے۔

تیمور کو یہ سب کچھ انتہائی ناگوار گزرا اور وہ زور سے چلا یا۔ خاموش۔ تیمور کے یوں غصے میں بولنے کے باعث دربار کے اندر تنہائیوں کی شام جیسی

خاموشی اور موت جیسا سکوت محیط ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی آہٹ، کوئی گونج، کوئی چاپ وہاں درہمی تھی اور یوں گئے لگا تھا گویا ہر آواز جامد اور برف ہو کر رہ گئی ہو۔ نور الدین کی تسکین و تسلی کی خاطر تیمور پھر بولا۔

اے نور الدین! اب تم اس دشمنِ زیست میں تنہا مسافر نہیں ہو۔ دہر کے اس آشوب خانے میں اب تم ایک بے بس انسان نہیں ہو۔ اب تم آزاد ہو اور ہر عمدہ ترین جزئیوں میں سے ایک ہو۔

تیمور جب خاموش ہوا تو اس کے بیٹے شاہ رخ نے نور الدین کا ہاتھ پکڑ کر وہاں بٹھاتے ہوئے بڑی لطافت میں کہا۔ اے نور الدین! اس نشست پر بیٹھ جاؤ کہ تم اس کے حق دار ہو۔

نور الدین چپ چاپ اس نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ تیمور کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس کے بعد تیمور نے سلطنت کے کچھ امور نمٹائے۔ کچھ مقدمات اس کے سامنے پیش کیے گئے جن سے متعلق اس نے اپنے فیصلے جاری کیے اور اس کے بعد دربار برخاست کر دیا گیا تھا اور ہر کوئی اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔



سیف الدین نور الدین کو لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ صحن کے اندر ایک بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کر کے سیف الدین نے نور الدین سے کہا۔ اے نور الدین! میرے بیٹے! یہ عمر شخص جو صحن میں کھڑا ہے یہ اس حویلی کا چرانہ خادم ہے اور کھانے کا سارا بندوبست اسی کے ذمے ہے۔ اس کا نام مُرشد ہے پر میں نے کبھی اسے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ اس گھر کا خادم ہے بلکہ میں نے ہمیشہ اسے اپنے جیسا اس حویلی کا فرد ہی جانا ہے۔ یہ مُرشد انتہائی نیک، شفیق اور غمگسار انسان ہے۔

وہ اب چلتے چلتے مُرشد کے قریب آگئے تھے۔ لہذا سیف الدین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے مُرشد! اس جوان سے ملو، اس کا نام نور الدین ہے اور

میں اسے اپنا بیٹا بنا چکا ہوں۔ یہ اب اسی حویلی میں مالک کی حیثیت سے رہے گا اس کے علاوہ امیر تیمور نے اسے ایک ہرولعزیز اور پسندیدہ جرنیل کی حیثیت سے اپنے لشکر میں بھی شامل کر لیا ہے۔ کیوں کہ آج سب کی موجودگی میں اس نے آق بونا سے مقابلہ کر کے تیغ زنی کے فن میں اسے نیچا دیا دیا ہے۔ اے مرشد! اس حویلی کا جو سب سے خوب صورت اور صاف ستھرا کمرہ ہے وہ نور الدین کو دکھا دو اور اس کے اندر نور الدین کی رہائش ہوگی۔ اس کمرے کے اندر نور الدین پہلے جا کر اپنا لباس تبدیل کر لے گا۔ اس کے بعد تم کھانا تیار کر لینا اور کھانے کے بعد نور الدین کے کمرے کی صفائی کر کے اس میں ضرورت کی ہر شے سجا دینا کہ وہ کمرہ نور الدین کی مستقل رہائش گاہ ہوگا۔“

نور الدین کو مرشد اپنے ساتھ لے گیا اور جب وہ تیمور کے فراہم کردہ لباسوں میں سے ایک زیب تن کرنے کے بعد پھر سیف الدین کے پاس آیا تو خوشی کے اظہار میں سیف الدین مسکرا دیا اور توصیفی انداز میں نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! اب تم واقعی تیمور کے جرنیل لگتے ہو، بخدا اس لباس میں بڑے سے بڑا جرنیل اور اعلیٰ شخصیت کے شہزادے بھی تمہاری اس جاذبیت اور پُرکشش شخصیت کے سامنے ہیمچ وقیر ہیں۔“ اور پھر سیف الدین نے آگے بڑھ کر نور الدین کا ہاتھ پکڑ لیا اور حویلی کے دیوان خانے میں لے گیا۔ وہاں وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے کہ مرشد وہاں کھانے آیا۔ میزوں نے دل کر کھانا کھایا۔ اور جب مرشد وہاں سے برتن اٹھا کر چلا گیا تو نور الدین نے سیف کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”اے آقا! کیا آپ اس وقت مجھے امیر تیمور کے مکمل اور مفصل حالات نہ سنائیں گے۔ تاکہ اُنہ کی زندگی میں انہیں سمجھنے میں مجھے آسانی ہو اور ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں حالات کا بہتر طور پر ان کی خواہش و طبیعت کے مطابق اندازہ لگا سکوں۔“

سیف الدین نے اعتراض کرنے کے انداز میں مخاطب کیا۔ ”اے نور الدین!

میں تمہیں امیر تیمور کے حالات تو ضرور سناتا ہوں مگر تم اس سے پہلے یہ سن لو کہ اس کے بعد تم مجھے آقا کہہ کر مخاطب نہ کرو گے۔ تم مجھے اور مرشد کو عم کہہ کر پکار سکتے ہو۔ اور سنو نور الدین! اپنے ذہن سے یہ بات نکال دو کہ کبھی تم غلام تھے اور یہ کہ میں نے تمہیں ایک ایرانی تاجر سے خرید لیا تھا۔ اب سنو! میں تمہیں امیر تیمور کے حالات اختصار کے ساتھ سناتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔

”اے نور الدین! دریاے جیحوں کو عبور کرنے کے بعد سمرقند کی طرف آنے کے لیے دربند کے دروں سے گزرنے کے بعد انجیر اور خوبانی کے باغات کثرت سے ملتے ہیں۔ ان باغات کے اندر چھوٹا سا ایک دریا بہتا ہے جو شاید اسی خطے کے لیے مخصوص ہے۔ ان باغات سے گزر کر ایک شہر آتا ہے جس کے مزاروں کے سفید گنبد اور نیزوں کی شکل کے مینار پہلی ہی نظر میں متاثر کرتے ہیں۔ اس شہر کا نام سبز ہے اور اسی سبز شہر میں تیمور پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام طراغانی تھا وہ تاتاریوں کے برلاس قبیلے کا ایک سردار تھا اور بہت عرصہ پہلے منگولوں نے اس کے آباد اجداد کو یہ وادی عطا کی تھی۔ ان دنوں ان علاقوں کے اندر منگولوں میں سے ایک شخص امیر قزغن حکمران تھا اور اس امیر قزغن کو سالی سرانے کا بادشاہ گربھی کہا جاتا تھا۔ تیمور جب جوان ہوا اور اس کی شجاعت اور جوانمردی کی داستانیں سبز شہر کے اطراف میں بھی پھیل گئیں تو اسی سالی سرانے کے بادشاہ گربھی قزغن نے تیمور کو اپنے پاس سمرقند میں بلایا۔ تیمور فوراً اپنے ایک خانہ زاد ملازم عبد اللہ کو ساتھ لے کر امیر قزغن کے پاس حاضر ہو گیا اور قزغن نے اُسے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ اس ملازمت کے دوران ایک بار کچھ ایرانی لیڈرے سرحد سے امیر قزغن کے کچھ گھوڑے ہنکا کر لے گئے۔ قزغن نے تیمور کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ تیمور ان لیڈروں کا خاتمہ کر کے گھوڑے واپس لے آیا۔

اس واقعہ سے امیر قزغن کے دل میں تیمور کے لیے ایک ہمدردی اور شفقت پیدا ہو گئی اور پھر تیمور کے وہاں رہتے ہوئے مختلف مواقع پر قزغن نے یہ جان لیا

مکہ کہ اپنی مہراس کے حوالے کی اور اسے سمرقند اور اس کے نواحی علاقوں کا حکمران بنا کر وہ واپس چلا گیا۔

ان حالات کے بعد تیمور کے چچا حاجی برلاس اور جلا تر قبیلے کے سردار بایزید نے آپس میں اتحاد کر کے تیمور کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ پہلے انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ تیمور کو ایک مہمان کی حیثیت سے اپنے ہاں بلا کر اس کی ضیافت کی جائے اور پھر قتل کر دیا جائے لیکن تیمور دانش مند تھا وہ ان دونوں کی سازش بجا نہ آئی اور کبھی پھوٹنے کا بہانہ کر کے وہ اس نیچے میں نہ آیا جس میں اسے بلایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے دوسری دانشمندی کا کام یہ کیا کہ اس نے اپنی بیوی ابجائی خاتون کے بھائی امیر حسین سے مدد طلب کر لی اور یہ امیر حسین قاجل کا حکمران تھا۔

اپنی سازش میں ناکام رہنے کے بعد حاجی برلاس اور بایزید نے تیمور کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سمرقند سے باہر ان کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ جس میں قریب تھا کہ تیمور کو فتح نصیب ہوتی پر عین اس وقت جب جنگ اپنے عروج پر تھی۔ تیمور کے لشکر کا ایک حصہ جس کا تعلق اس کے اپنے قبیلے برلاس سے تھا اس سے بغاوت دے دفائی کر کے اس کے چچا حاجی برلاس کے ساتھ جا ملا۔ اس بنا پر تیمور کو پسپا ہونا پڑا۔ پراسی وقت امیر حسین ایک افغانی لشکر کے ساتھ قاجل سے واپس پہنچ گیا۔ لہذا تیمور پسپا ہو کر امیر حسین سے جا ملا۔ اب ایک طرف تیمور اور امیر حسین تھے اور دوسری طرف حاجی برلاس اور بایزید اور ان کے درمیان جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

لیکن حالات نے ایک بار پھر ٹپٹا کھایا اور خان اعظم تغلق اپنی بغاوتوں کو فرو کر کے اور اندرونی خلفشار پر قابو پا کر واپس آ گیا اور اتنے ہی اس نے حاجی برلاس اور بایزید کے متحدہ لشکر پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بایزید جلا تر مارا گیا۔ تیمور کا سنگدل چچا شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ بعد اس فرار کے مدد ان حاجی برلاس بھی ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ حاجی ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

خان اعظم تغلق نے اپنے بیٹے ایاس خواجہ خان کو سمرقند کا حکمران بنایا۔ اپنے ایک

کرتیمور کو خطرات میں کود پڑنے کا جنون ہے اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ گھسان کا دل کیوں پڑ رہا ہو۔ حالات کتنے ہی ناخوش کن کیوں نہ ہو تیمور ذرا بھی نہیں گھبراتا، بلکہ تلواروں کے سائے میں بھی تفکر و تدبیر سے کام لینا جانتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر قزغزن نے اپنی پوتی ابجائی خاتون کی شادی تیمور کے ساتھ کر دی۔ اسی ابجائی خاتون سے تیمور کا پہلا بیٹا جہانگیر پیدا ہوا۔ تیمور کی مدد سے قزغزن نے مغربی صحراؤں اور جنوبی وادیوں کے اندر خوب فتوحات حاصل کیں لیکن جلد ہی ایک حادثے میں قزغزن مارا گیا۔

قزغزن کی موت کے بعد اس کا بیٹا حکومت کا کاروبار نہ سنبھال سکا اور اپنی جان بچانے کی خاطر سمرقند سے بھاگ گیا۔ اس کے فرار کے بعد تیمور کے چچا حاجی برلاس اور تیمور کی بیوی ابجائی خاتون کے جلا تر قبیلے کا سردار بایزید سمرقند کے تخت کے دعویدار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان ہی دنوں جب کہ یہ نزاع جاری ہی تھا۔ شہر سبز میں تیمور کا باپ طراغاتی مر گیا۔ لہذا تیمور سمرقند سے نکل کر اپنے آبائی شہر سبز کی طرف چلا گیا۔

اس دوران ایک دوسرا طوفان نمودار ہوا۔ شمال کے وحشی منگولوں کے حکمران خان اعظم تغلق کو ان حالات کی خبر ہو گئی۔ اور یہ تغلق خان چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل سے تھا۔ اس نے سمرقند پر حملہ کر دیا اور لڑائی علاقوں کو بُری طرح روندنا ہوا وہ سمرقند میں داخل ہو گیا۔ تیمور نے مزاحمت کرنے کی بجائے دانشمندی سے کام لیا۔ وہ خان اعظم تغلق کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے اپنی خدمات پیش کیں۔

تغلق خان تیمور سے بے حد متاثر ہوا اور اسے اپنے خیموں میں شامل کر لیا۔ لیکن تغلق خان ابھی ان علاقوں میں بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کے اپنے علاقوں میں اندرونی خلفشار اور بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ لہذا تغلق خان نے تیمور کو توجان ہاشمی کا خطاب

۱۔ اس کا پوتا ام تغلق تیمور خان تھا اور یہ وسطی ایشیا کا سب سے طاقتور خان تھا۔

سردار بیک چک کو ایلیاس خواجہ خان کا شیر مقرر کیا اور تیمور کو ان کی افواج کا سالارِ اصلی بنانے کے بعد۔ اپنی سرزمین میں اپنے مرکزی شہر المالین کی طرف چلا گیا تھا۔ لیکن ایلیاس خواجہ خان اور اس کا شیر بیک جب دونوں ہی لڑنے سے ثابت ہوئے دونوں نے سمرقند میں لوٹ مار شروع کر دی اور اس لوٹ مار کے علاوہ ان دونوں نے بہت سی نو عمر اور حسین لڑکیوں کو لونڈیاں بنا کر بلادِ شمال کی طرف بھیج دیا۔ ان حالات پر تیمور کے پیرو مرشد مولانا زین الدین نے تیمور سے انتہائی غیظ و غصہ کی حالت میں شکایت کی۔ تیمور نے انتہائی غصے اور ناپسندیدگی کی حالت میں خواجہ خان سے ان امور کی شکایت کی مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

تیمور نے عبور ہو کر کچھ مسلح دستے ساتھ لیے اور شمال کی جانب کوچ کر گیا۔ راستے میں جہاں کہیں بھی زبردستی لونڈیاں بنائی جانے والی لڑکیوں کے گروہ اسے ملے انہیں اس نے آزاد کر لیا اور اس کام کے لیے اس نے اپنی تلوار بھی خوب استعمال کی۔

ایلیاس خواجہ خان کو جب تیمور کے اس ردِ عمل کی خبر ہوئی تو وہ بڑا برا فروختہ ہوا اس نے فوراً تیمور کو باغی قرار دے کر اس کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔

اب حالات تیمور کے لیے اجتر ہو گئے تھے۔ ایلیاس خواجہ خان اور خونخوار بیک چک کے انتقام سے بچنے کے لیے اپنی بیوی الجاقی خاتون بیٹھے جمائگیر اور چند جاثا روں کے ساتھ وہ سرخ مٹی کے غیر آباد اور بے آب و گیاہ مغربی صحراؤں کے اندر روپوش ہو گیا۔ اس دوران امیر حسین نے تیمور کی مدد کے طور پر سمرقند کو منگولوں سے خالی کرنا چاہا لیکن اس کے لشکر کو بھی شکست ہوئی اور وہ مشکل اپنی جان بچا کر بھاگا اور اپنی بیوی و شاہ و آغا اور چند جاں نثاروں کے ساتھ وہ مغربی صحرا میں تیمور سے آ ملا۔

اسی حالت میں یہ دونوں اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ خیمہ شہر پہنچے۔ حاکم شہر کو جب ان دونوں کے آنے کی خبر ہوئی تو اس نے ارادہ کیا کہ ان دونوں کو گرفتار کر کے

منگول حکمران ایلیاس خواجہ خان کے سامنے پیش کر کے اس سے انعام و اکرام حاصل کرے اس مقصد کے لیے اس نے اپنا ایک شکر تیمور اور امیر حسین کے تعاقب میں کر دیا۔ تاکہ دونوں کو گرفتار کر سکے۔ تیمور اور امیر حسین کو بھی حاکم خیمہ کے اس ارادے کی خبر ہو گئی تھی۔ بعد میں نہ جانے حاکم خیمہ نے کیا سوچا کہ وہ تیمور اور امیر حسین کو گرفتار کرنے کے لیے خود بھی اپنے تعاقب کرنے والے لشکر میں آ شامل ہوا۔

تیمور اور امیر حسین نے حاکم خیمہ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لہذا وہ گھات لگا کر تعاقب کرنے والوں کا انتظار کرنے لگے اور جب تعاقب کرنے والے نزدیک آئے تو انہوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ کومتانوں کے اندر ہولناک جنگ ہوئی جس میں حاکم خیمہ تیمور کے ہاتھوں مارا گیا اور تعاقب کرنے والا لشکر بھی تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔

اس دوران تیمور نے ایک قدم اور اٹھایا۔ امیر حسین، اس کی بیوی، اپنی بیوی اور لشکریوں کو اس نے ایک گناہ سے قصبے میں چھوڑا اور سمرقند کے حالات معلوم کرنے کی خاطر وہ بھیس بدل کر سمرقند شہر میں داخل ہوا۔ وہ کئی دن تک شہر میں مقیم رہا اور اپنے پرانے دوستوں سے مل کر ایک لشکر جمع کرتا رہا اور اس کا ساتھ دینے والے جنگجو سمرقند سے نکل کر سبز شہر کا رخ کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے کچھ دوستوں کے ذریعے سے تیمور کو چہ چل گیا کہ ایلیاس خواجہ خان کو سمرقند میں اس کی موجودگی کی اطلاع ہو گئی ہے لہذا تیمور سمرقند سے بھاگ نکلا اور سمرقند سے حاصل ہونے والے لشکریوں کو لے کر وہ امیر حسین سے آ ملا۔

اب تیمور اور امیر حسین کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ایلیاس خواجہ خان کے تعاقب سے بچنے، اپنے حالات سنوارنے اور مستقبل سے متعلق کوئی بہتر فیصلہ کرنے کی خاطر انہوں نے سیستان کا رخ کیا لیکن یہاں حالات ایسے پیچیدہ قسم کے پیدا ہوتے کہ ان کی حاکم سیستان کے ساتھ جنگ ہو گئی۔ اس جنگ میں تیمور اور امیر حسین کو فتح ہوئی۔ ان کے ہاتھ دولت کے انبار لگ گئے اور ان کے لشکریوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس جنگ کے دوران ہی ایک تیر تیمور کے پاؤں میں لگ گیا۔ جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ یہ زخم تو بھر

لے خطا کی شاہراہ پر ایک حسین شہر جو اپنے باغات اور پیداوار کے باعث مشہور تھا۔

گیا لیکن تیمور کے پاؤں میں کوئی ایسا نقص پیدا ہو گیا کہ وہ لنگڑا کر چلنے لگا جس کی وجہ سے اس کے دشمن اسے تیمور لنگ کہہ کر پکارنے لگے۔

دوسری طرف الیاس خواجہ خان اور بیک جب بھی تیمور اور امیر حسین کے خلاف حرکت میں آپہنچے تھے اور ایک جہاز شکر کے ساتھ انہوں نے ان دونوں کی طرف کوچ کیا تھا تیمور ابھی تک اپنے پاؤں کے زخم کی وجہ سے آسانی کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل نہ تھا۔ لہذا امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ نکلا تاکہ الیاس خواجہ خان اور بیک جب کو روک دے۔ لیکن امیر حسین ناکام رہا۔ الیاس خواجہ اور بیک جب کے مقابلے میں امیر حسین کو شکست ہوئی۔ اب تیمور کو زخمی ہونے کے باوجود حرکت میں آنا پڑا۔ اس دوران تیمور کی بہتری کا کام یہ ہوا کہ وہ تاتاری جنگجو جو الیاس خواجہ اور بیک جب کے مظالم سے تنگ آکر ادھر ادھر گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے تھے وہ بحق درجہ تیمور کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔

بہر حال مختصر یہ کہ الیاس خواجہ اور بیک جب کے ساتھ جنگ ہوئی اور اس جنگ میں تیمور اور امیر حسین نے مل کر ان دونوں کو شکست دی۔ الیاس خواجہ کی شکست سے وہ تاتاری جو اس کے لشکر میں شامل تھے اس سے منحرف ہو کر تیمور کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

اب تیمور اور امیر حسین ایک قوت بن گئے تھے۔ تیمور، امیر حسین کو اپنے آپ سے جدا بھی نہ کرتا تھا۔ ایک تو وہ اس کی بیوی کا بھائی تھا دوسرے وہ سالی ملے کے بادشاہ گز امیر قزغن کا پوتا تھا اور لوگ اس کا احترام کرتے۔ لہذا تیمور اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے پر مجبور تھا۔ شکست کھانے کے بعد الیاس خواجہ ایک کوہستانی حصے کی طرف پسا ہوا اور تیمور پر ضرب لگانے کے لیے اپنے لشکر کو از سر نو استوار کرنے لگا لیکن تیمور نیزی کے ساتھ حرکت میں آیا اور آگے بڑھ کر اس نے سمرقند اور شہر سبز پر قبضہ کر لیا۔

قبل اس کے کہ الیاس خواجہ تیمور کے خلاف کسی دوسری جنگ کی ابتدا کرتا، خطا

کی سرزمین کی طرف سے المالیق شہر سے ایک قاصد اس کی طرف آیا۔ جس نے یہ خبر دی کہ المالیق شہر میں اس کا باپ خان اعظم تغلق تیمور خان مرگیا ہے۔ لہذا الیاس خواجہ مجبوراً المالیق کی طرف کوچ کر گیا۔

الیاس خواجہ کی غیر موجودگی میں بیک جب نے تیمور سے ٹکرائے کا عزم کیا۔ لیکن ایک مختصر سی جنگ کے دوران بیک جب کو شکست ہوئی اور وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا لیکن تیمور نے رحمدلی سے کام لے کر بیک جب کو رہا کر دیا۔ اب تیمور جنگی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ المالیق کی طرف سے الیاس خواجہ خان اپنی گزشتہ شکست کا بدلہ لینے کی خاطر بہت بڑا لشکر لے کر آئے گا۔

اور یوں ہی ہوا۔ تیمور کے پھیلانے ہوئے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ الیاس خواجہ المالیق سے نکل کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھ رہا ہے تیمور اور امیر حسین اپنے متحدہ لشکر کو لے کر اس شاہراہ پر آگئے تھے جس پر سے الیاس خواجہ نے آنا تھا۔ آخر کار الیاس خواجہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا اور دونوں لشکروں میں گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔

اس دوران ایک مصیبت آن پڑی کہ موسلا دھار بارشیں شروع ہو گئیں۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ میدان جنگ کا سارا علاقہ دلدل بن کر رہ گیا تھا اور پھر اس پر تیز باد یہ کہ امیر حسین کے لشکر کو منگولوں نے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ پسپائی پر مجبور ہوا تھا تیمور نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی سمرقند کی طرف پسا ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سمرقند میں محصور رہ کر منگولوں کا مقابلہ کرے گا۔ تاہم امیر حسین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

تیمور جس وقت سمرقند میں آکر محاصرے کے انتظامات کر رہا تھا اسے یہ حال فرسا خبر ملی کہ اس کی بیوی البجائی خاتون سبز شہر میں فوت ہو گئی ہے۔ لہذا تیمور سمرقند سے سبز شہر کی طرف چلا گیا اور اپنی بیوی کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران

میں ایسا خواجہ نے سمرقند کی طرف پیش قدمی کی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ سمرقند والوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لیے اور پھر وہ تیمور اور امیر حسین کا انتظار کرنے لگے۔ اس عرصے میں شہر کے علماء نے شہریوں کا حوصلہ بقرار رکھنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ بخارا کے مفتی جوان دنوں سمرقند میں قیام کیے ہوئے تھے انہوں نے اپنی تقریریں سے لوگوں کے اندر ایک نیا جوش اور دلہلی پیدا کر دیا تھا۔

اس کے علاوہ اہل سمرقند کی خوش قسمتی کہ ایسا خواجہ کے لشکر میں ایک وبا پھیل گئی۔ پہلے لشکر کے بین جو تھائی گھوڑے اس وبا کا شکار ہوئے اور پھر لشکر بھی اس وبا میں مبتلا ہونے لگے تھے۔ لہذا ایسا خواجہ خوفزدہ ہو گیا اور سمرقند کا محاصرہ ترک کر کے اپنے آبائی شہر المالین کی طرف چلا گیا۔

تیمور اپنی بیوی البجائی خاتون کے غم میں سبز شہر میں پڑا ہوا تھا۔ لیکن امیر حسین موقع کی تلاش میں تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ ایسا خواجہ اپنے لشکر کے ساتھ واپس چلا گیا ہے۔ تو وہ حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ سمرقند شہر میں داخل ہو گیا۔ تیمور بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔

امیر حسین چونکہ سمرقند کے سابق حکمران امیر قزغن کا پوتا تھا اور اس کا تعلق ایک حکمران خاندان سے تھا لہذا امیر حسین اور تیمور میں اتحاد رکھنے کی خاطر لوگوں نے امیر حسین کو تخت پر بٹھا کر اپنا حکمران تسلیم کر لیا اور تیمور کو سپہ سالار بنانے کے علاوہ اسے امیر حسین کا نائب بھی تسلیم کیا گیا۔ اس کے علاوہ زمین کی تقسیم، مالیہ دیگر واجبات کی وصولی اور دیوانی مقدمات کے فیصلے بھی تیمور کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

تیمور کی بیوی البجائی خاتون کی موت کے بعد تیمور اور امیر حسین کے درمیان وہ رشتہ اور تعلق منقطع ہو گیا جس میں یہ دونوں منسلک تھے اور اب ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیوں، نفرتوں اور کدورتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر امیر حسین نے تیمور کو نیچا دکھانے کی خاطر نا عاقبت اندیشی کا یہ ثبوت دیا کہ اس نے تیمور کے قبیلہ برلاس پر بھاری محمول لگا کر رکھ دیا۔ تیمور نے

اس پر احتجاج کیا اور کہا کہ گوشتہ جنگوں میں برلاس قبیلے کو شدید نقصان پہنچے ہیں۔ لہذا یہ محصول نا واجب ہے لیکن امیر حسین اپنی بات پر اٹا رہا۔ یہاں تک کہ تیمور نے اپنے قبیلے پر عائد کی جانے والی رقم اپنی گروہ سے ادا کی اور اس رقم کی ادائیگی کے لیے اس نے اپنی بیوی اور امیر حسین کی بہن البجائی خاتون کے زیورات، اکالوں کی بالیاں اور موتیوں کا قیمتی گلوبند جو اس نے شہر عروسی میں پہنا تھا، امیر حسین کے حوالے کر دیا اور امیر حسین ایسا بے حمیت ہو گیا تھا کہ یہ سارے زیور پہچان لینے کے باوجود اس نے مکھیلے تھے۔

اس موقع پر جو مفسد امراء تھے انہوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور وہ صرف اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے تیمور اور امیر حسین کو ایک دوسرے کے خلاف بڑھکانے لگے تھے۔ اب تیمور کا بیٹا جہانگیر بھی جوان ہو چکا تھا اور اس کی وجہ سے جلاتر قبیلے کے سردار بھی تیمور سے مل گئے کیوں کہ جلاتر قبیلہ جہانگیر کا انھیال تھا۔

کئی برس تک تیمور اور امیر حسین میں اندر ہی اندر ایک کشمکش چلتی رہی یہاں تک کہ دونوں کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے اور دونوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاتاری سردار امیر حسین کو چھوڑ کر تیمور سے ملنے لگے۔ پھر دونوں میں کھل کر جنگ ہوئی۔ امیر حسین تیمور کی طاقت کا اندازہ نہ لگا سکا اور جنگ میں اس کی عسکری قوت یوں زائل ہو گئی جیسے گرمیوں میں برف پگھل کر رہ جاتی ہے۔ امیر حسین کو شکست ہوئی اور وہ قتل ہو گیا۔ اس کا ساتھ دینے والے بڑے بڑے افغانی سردار بھی موت کا شکار ہو گئے تھے۔

امیر حسین کے قتل کے بعد سالار تیمور، امیر تیمور بن کر نمودار ہوا۔ اب وہ بلاو شہر کو غیر ایک خود مختار حکمران تھا اور امیر حسین کی بیوہ سرائے خانم سے اس نے شادی کر لی۔

کچھ عرصہ تک تیمور اپنے لشکر کو ترتیب دینے میں مصروف رہا اور جب اس کا لشکر اس کی خواہش کے مطابق تیار ہو گیا تو وہ ایک طوفان بن کر نمودار ہوا اور اس

نے خوارزم، ہرات اور بدخشاں تک کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ پر اے نورالدین! یہ شرف فتح کرنے کے بعد تیمور ایک شمالی مہم میں مصروف تھا کہ اس کا بیٹا جہانگیر مرگیا اور اپنے اس بیٹے سے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

جہانگیر کے بعد تیمور اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کا بیٹا شاہرہ خ جو سرانے خانم سے ہے اور دوسرا تیمور کا پوتا اور جہانگیر کا بیٹا پیر محمد ان دونوں سے وہ دیوانگی کی حد تک پیار کرتا ہے اور ہاں نابالغ لڑکوں میں تیمور شاہرہ خ کے بیٹے الف خان کو پسند کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تیمور اپنے پوتے، جہانگیر کے بیٹے اور پیر محمد کے بھائی محمد سلطان کو بھی بے حد پسند کرتا ہے۔ تو اے نورالدین! یہ ہیں امیر تیمور کے اب تک کے حالات ۵

جواب میں نورالدین مسکرتے ہوئے بولا۔ اے عم! میرے خیال میں آپ کو مختصر یہ کہنا چاہیے تھا کہ تیمور اپنے بیٹوں اور پوتوں سب کو دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہے ۶

سیف الدین نے فوراً اس کی نفی کر دی۔ اے نورالدین! ایسا نہیں ہے۔ میں نے یہ حالات تمہیں اختصار کے ساتھ ہی سنائے ہیں۔ اگر تفصیل کے ساتھ سننا چاہتے ہو تو سنو! اپنے بیٹوں اور پوتوں میں سے امیر تیمور کچھ کو دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔ کچھ کو صرف پسند کرتا ہے اور کچھ سے نفرت کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ تیمور اپنے پوتے خلیل کو پسند کرتا ہے، اپنے بیٹے میراں شاہ سے نفرت کرتا ہے اور ان کے علاوہ سب بیٹوں اور پوتوں سے دیوانگی کی حد تک پیار کرتا ہے۔

اے نورالدین! تم بھی میراں شاہ سے اجتناب کرنا، خلیل سے مختصر تعلقات رکھنا۔ ہاں شاہرہ خ، شہزادہ محمد سلطان، شہزادہ پیر محمد اور الف خاں ایسے ہیں کہ ان پر ہر معاملے میں ہمہ وقت بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

نورالدین نے پھر پوچھا۔ اور اے عم! امیر تیمور کی اپنے بیٹے میراں شاہ سے نفرت اور خلیل سے محبت نہ کرنا کس بنا پر ہے؟

سیف الدین ہلکا سا مسکرایا پھر بولا۔ سنو نورالدین! میں تمہیں امیر تیمور کے گھریلو حالات بھی تفصیل سے سناتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ امیر تیمور کے چار فرزند ہوئے جہانگیر، عمر شیخ، میراں شاہ اور شاہرہ خ۔ جہانگیر اور عمر شیخ تو مر گئے ہیں جب کہ میراں شاہ اور شاہرہ خ زندہ ہیں۔

سنو نورالدین! امیر تیمور کی بہو خانزادہ یعنی جہانگیر کی بیوی انتہائی چالاک اور مکار عورت ہے۔ جہانگیر اور عمر شیخ کی موت کے بعد امیر تیمور کی توجہ کامرکز اس کا بیٹا میراں شاہ تھا اور تیمور نے اپنی زندگی میں ہی اپنی سلطنت کے ایک وسیع حصے کا حکمران بنا رکھا تھا اور اس کامرکز کی شہر سلطانیہ تھا۔ جہانگیر کی موت کے بعد اس کی بیوی اور امیر تیمور کی بہو خانزادہ نے ایک خطرناک چال چلی۔ اس لیے کہ وہ اپنے بیٹے شہزادہ محمد سلطان یا پیر محمد میں سے کسی کو تیمور کا وارث بنانا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میراں شاہ کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں۔

گوزندہ بیٹوں میں سے امیر تیمور کا دوسرا بیٹا شاہرہ خ بھی تھا لیکن خانزادہ اس کی طرف سے فکر مند نہ تھی اس لیے کہ شاہرہ خ انتہائی نفیس طبع، نرم مزاج اور حکومت کے بھائے کتابوں کی طرف مائل ہونے کی بنا پر اپنے بھائیوں سے مختلف ہے۔ لہذا خانزادہ نے ایک چال چلی اور اپنے شوہر جہانگیر کی موت کے بعد وہ میراں شاہ کے مرکز کی شہر سلطانیہ میں جا کر رہنے لگی اور یہ خانزادہ اپنی جانی کے زمانے میں انتہائی حسین و پری جمال تھی۔ لہذا سلطانیہ شہر میں رہ کر اس نے اپنے حسن و جمال سے میراں شاہ کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ آخر اس کی خوب صورتی کا جاوہ میراں شاہ پر چل گیا۔

میراں شاہ اسے اپنے محل میں لے گیا اور وہاں اس کے حسن سے اپنے نفس کی بھوک لٹائی۔ جب یہ کام ہو چکا تو خانزادہ نے سمرقند اگر تیمور سے شکایت کر دی کہ اس کے بیٹے نے اسے بے آبرو کر دیا ہے۔ لہذا تیمور کا غضب میراں شاہ پر ٹوٹا۔ اپنے امارت کے کہنے پر تیمور نے میراں شاہ کی جان بخشی تو کر دی لیکن اس سے تمام اختیارات و مناصب چھین لیے اور ان دونوں میراں شاہ سلطانیہ شہر میں گوشہ گیری اور گمنامی کی

زندگی بسر کر رہا ہے۔

اے نور الدین! میرا شاہ کے ہاتھوں خاندادہ کی اس بے آبروئی کے نتیجے میں خاندادہ کے ہاں میرا شاہ کا لڑکا پیدا ہوا اور یہ اب جوان ہو چکا ہے اور اس کا نام خلیل ہے۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی بنا پر تیمور میرا شاہ سے نفرت کرتا ہے اور خلیل کے ساتھ دوسرے پوتوں کی نسبت اسے کم محبت کرتا ہے۔

اور سنو نور الدین! گو سب جانتے ہیں کہ خلیل خاندادہ کا میرا شاہ میں سے ایک ناجائز بچہ ہے لیکن کوئی اس کا اظہار نہیں کر سکتا اس لیے کہ تیمور نے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ میرا شاہ نے خاندادہ سے شادی کر لی تھی جس کے نتیجے میں شہزادہ خلیل پیدا ہوا اس کے بعد دونوں میں علیحدگی ہو گئی کہ دونوں کی طباع آپس میں موافقت نہ رکھتی تھیں۔

اور یہ بھی سنو نور الدین! کہ خاندادہ کے بڑے بیٹے محمد سلطان اور پیر محمد جو اس کے شوہر جہانگیر میں سے ہیں۔ اس قبیح فعل کی بنا پر اپنی ماں خاندادہ کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ ہی ان دونوں کے شہزادہ خلیل کے ساتھ بہتر تعلقات ہیں۔ خاندادہ کو بھی ان حالات کا علم ہے لہذا اب اس کی ساری توجہ اور تمام محبت کا مرکز خلیل ہے اور وہ ہر حال میں شہزادہ خلیل کو تیمور کا وارث بنانا چاہتی ہے۔ خاندادہ کی اس بے جا محبت اور توجہ نے خلیل کو انتہا درجہ کا مغرور، سرکش، باغی اور تکبر انسان بنا کر رکھ دیا ہے۔

سیف الدین رکا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ اے نور الدین! میں نے امیر تیمور کے حالات اختصار کے ساتھ تمہیں سنا دیے ہیں۔ اگر یہ حالات میں تفصیل کے ساتھ سنانا تو ان پر ایک مکمل کتاب ترتیب پاسکتی تھی۔ تیمور کے سارے حالات سننے کے بعد اب تمہیں اس کے ساتھ کام کرنے اور حالات کو سمجھنے میں آسانی رہے گی اور اے نور الدین! امیر تیمور کے دربار میں تو تیرا مقام تجھے حاصل ہو چکا ہے چند روز تک امیر تیمور ایک مہم پر روانہ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس مہم میں تجھے آئے گا۔

اس کے بعد شکر میں تیرے عہدے اور حیثیت کا تقرر کرے گا۔

نور الدین نے شوق و دل چسپی اور لہروا منگ میں سیف الدین کی طرف دیکھا مہم اس نے بھرپور جوش و سرگرمی اور خواہش و آرزو میں پوچھا۔ اے عم! امیر تیمور کون سی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔ کیا اس مہم کی آپ مجھے تفصیل نہ سنائیں گے اور امیر تیمور کی یہ مہم کس کے خلاف ہوگی۔

سیف الدین مسکراتے ہوئے بولا۔ اے نور الدین! یہ مہم منگولوں کے خلاف ہوگی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک انتہائی خطرناک اور بڑی مہم ہوگی۔ میں تمہیں پہلے یہ بتا دوں کہ ان منگولوں کی کیفیت ان دنوں کیا ہے اور یہ جنگ کہاں اور کس بنا پر ہوگی۔

سنو عزیز! چنگیز خاں کے بعد اس کے بیٹے چغتائی کی نسل کے لوگ طاقت اور طاقت پزیر ہوئے۔ ان کے فوجی علاقوں پر دور دور تک قابض ہو گئے اور المالیق کو انہماک دہانہ کوزی شہر بنا کر انہوں نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ وہی منگول ہیں جن پر خان اعظم الملقن حکومت کرتا رہا اور اس کے بعد وہی الیاس خواجہ ان کا خاں رہا جو امیر تیمور کے خلاف برسر پیکار رہا تھا۔ تیمور نے اب ان کا زور توڑ دیا ہے اور ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

منگولوں کا ایک دوسرا گروہ جو ان دنوں زیادہ طاقتور اور خطرناک ہے وہ لاہار، زریں یا سنہری غول کہلاتا ہے۔ اس گروہ کی بنیاد چنگیز خاں کے بیٹے جو جی کے والد ہونے والی تھی۔ باتو چونکہ اپنے خیمے پر سنہری کپڑا منڈوا کر رکھتا تھا لہذا ان کا نام سنہری غول پڑا۔ منگولوں کی یہ شاخ خوب پھولی پھلی۔ روس اور وسطی ایشیا کے وسیع اودھان طبعاً تفریح کے علاقے اس کی جولان گاہ تھے۔ ان لوگوں میں اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ لوگ دریائے وولگا کے کنارے اپنے مرکزی شہر سرائے اور استراخان میں رہ کر اس پر حکومت کرتے تھے اور روسی والیان ریاست ان کے لیے خراج اور تحائف لے کر ان کے پاس ان کے شہروں میں آیا کرتے تھے اور یہ لوگ خود روس کی حدود میں اس وقت داخل ہوا کرتے تھے جب خراج کی ادائیگی میں روس کی طرف سے کوتاہی کی جاتی تھی۔

ایسے موقعوں پر یہ لوگ روس میں داخل ہو کر آگ اور خون کا ایک طوفان کھڑکے رکھ دیتے تھے۔ اور اپنی پسند کی ہر چیز پر یہ لوگ قبضہ کر لیتے تھے۔ روس میں صرف ایک بار ان کی طاقت پر ضرب لگائی گئی تھی اور وہ اس وقت جب والی ماسکو و ستری ڈیڑھ لاکھ کا لشکر لے کر ان کے مقابلے میں آگیا اور دریائے ڈان کے کنارے منگولوں کے موجودہ علاقہ ممائی کو شکست دی لیکن دمتری کی یہ فتح ویر پائنا بت نہ ہوئی کیوں کہ جلد ہی ممائی ان پر حملہ آور ہوا اور دوبارہ انہیں اپنا ماتحت بن کر انہیں خراج دینے پر مجبور کر دیا۔ ان ہی دنوں اتفاق سے ایسا ہوا کہ ایک منگول شہزادہ جس کا نام تو قتمش ہے ایک منگول سردار کے بیٹے کو قتل کر کے جھاگ لٹکا اور تیمور کے پاس آکر اس نے پناہ لی۔

اس سے چند ہی دن بعد ایک منگول سردار کریمیا کے خان ارسل خان کی طرف سے آیا اور تیمور کو دھمکی دی کہ تو قتمش تے میرے بیٹے کو قتل کر کے تمہارے پاس پناہ لی ہے اور یہ کہ ارسل خان کے کہنا بھیجا ہے کہ تو قتمش کو واپس کر دو۔ ورنہ وہ تمہارے خلاف جنگ کرے گا اور اس کے لیے وہ جلد کسی میدان جنگ کا انتخاب کرے گا۔ تیمور تو خود منگولوں کے خلاف جنگ چاہتا تھا لہذا اس نے تو قتمش کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ تیمور نے تو قتمش کے لیے ایک بہترین ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس ضیافت میں تو قتمش کو اس نے بیٹا کہہ کر پکارا۔ اسے دلو سرحدی قلعے دیے اور ایک لشکر بھی اس کے حوالے کر دیا۔

تیمور کی طرف سے یوں کیل کٹنے سے ایس ہو کر تو قتمش شمال کی طرف بڑھا۔ وہ کریمیا پر حملہ آور ہو کر ارسل خان کو زیر کر کے کریمیا پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس جنگ میں تو قتمش شکست کھا کر واپس لوٹا۔

تیمور نے ایک بار پھر اسے ایک لشکر دے کر بھیجا لیکن اس بار پھر تو قتمش کو شکست ہوئی۔ اتفاق سے اُن ہی دنوں کریمیا کا منگول حکمران ارسل خان مر گیا۔ لہذا تو قتمش نے فوراً اپنے حقوق کا دعویٰ کر دیا۔ تیمور نے بھی اس کی مدد کی۔ اس کے علاوہ ارسل خان کے بعد کریمیا کے آس پاس کے منگول قبائل بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے پر

آرامہ ہو گئے۔ اس بار تو قتمش اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور آگے بڑھ کر اس نے کریمیا پر قبضہ کر لیا۔

بنیادی طور پر تو قتمش ایک ظالم، جاہل سرکش اور سفاک انسان ہے اب تو قتمش نے بڑی تیزی سے فتوحات حاصل کرنی شروع کیں اور پھر وہ کالی آندھی اور ظلم کے طوفان کی طرح چھاتا چلا گیا اور اس نے منگولوں کے بڑے خان ممائی کو بھی سرائے شہر سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اب وہ منگولوں کا خانِ اعظم بن گیا تھا۔

اب اس تو قتمش نے روس سے خراج طلب کیا لیکن روسی حکمرانوں نے اس بنا پر خراج دینے سے انکار کر دیا کہ شاید وہ تو قتمش کے خلاف جنگ کر کے کامیاب رہیں اور منگولوں کے چنگل سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے لیکن تو قتمش خون کے دریا بہاتا اور ہر چیز کو آگ لگاتا ہوا اُن کی سرزمین میں داخل ہوا۔ ماسکو کو اس نے فتح کر لیا اور روسی حکمران کے بیٹوں کو پابجولال کر کے سرائے شہر لایا اور روسیوں سے تاوان و خراج وصول کیا اور اس کی دہشت یہاں تک بڑھی کہ وینس اور جنیوا کے امراء تجارتی مراعات لے کر درخواستیں اس کے سامنے پیش کرنے لگے۔

اب جو تو قتمش کا داغ خراب ہوا تو اس نے تیمور کی سلطنت پر حملہ آور ہونے لگا۔ اُن کی اس کے امراء اور مشیروں نے منع بھی کیا کہ تیمور تمہارا محسن ہے، ایسا نہ کرو لیکن وہ نہ مانا۔ اس لیے کہ وہ کچھ عرصہ سمرقند میں رہ کر گیا تھا۔ سمرقند کی جوشان و شوکت اور اُن کے جو جگمگانے ہوئے خیمے وہ دیکھ گیا تھا اُن کے باعث اس کے منہ میں رال پلنے لگی تھی لہذا اس نے تیمور کی مملکت پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ تیمور اُن دنوں اپنے لشکر کے ساتھ بحیرہ خزر کے قریب ایک مہم میں مصروف تھا۔ تو قتمش حملہ آور ہوا اور طوفان کی طرح بڑھتا چلا آیا۔

تیمور کے قلعہ داروں نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی لیکن ہر ایک کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور دریائے سیہوں کو پار کر کے وہ سمرقند کی طرف بڑھا۔ تیمور کو اب اس حملے کی خبر ہوئی تو وہ اپنی مہم ترک کر کے بڑی تیزی سے خراسان کے راستے

سمرقند پہنچا۔ تو قتمش کو جب تیمور کے واپس سمرقند آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ بخارا کے مضافات میں آگ لگاتا اور ہر طرف تباہی پھیلاتا ہوا دریائے سیہوں کو عبور کر کے واپس چلا گیا۔ مگر اس کے واپس جانے سے یہ قضیہ ختم تو نہ ہو سکتا تھا۔

اے نور الدین! گو یہ حالات بڑے طویل ہیں پر میں تمہیں مختصر صورت اس قدر بتا دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ تو قتمش کے اس حملے سے تیمور کے لیے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اس کے خلاف بغاوتیں اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور گج کے سرکش سرداروں نے تیمور کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس کے علاوہ چنگیز خان کے بیٹے چغتائی کی نسل کے منگولوں نے بھی تیمور کی مملکت پر حملے شروع کر دیے۔

تیمور نے پہلے اور گج کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بغاوت کو فرو کیا۔ اس کے بعد وہ منگولوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں بار بار کر المالین کی طرف بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد تیمور نے تو قتمش کی طرف رجوع کیا اور شمالی برفٹانوں کے اندر اسے ہولناک شکست دی لیکن اس جنگ میں تو قتمش اپنی جان بچا کر بھاگ گیا اور کہیں روپوش ہو گیا اور تیمور اس ہم کو کامیابی کے ساتھ سر کرنے کے بعد سمرقند واپس آ گیا۔ یوں چند سال تک امن اور خاموشی رہی۔ پرتو قتمش اندر ہی اندر جنگ کی تیاریاں کرتا رہا اور پھر ایک روز وہ اچانک نمودار ہوا اور تیمور کی سلطنت پر بحیرہ خزر کے شمال میں یلغار کر دی۔ تیمور نے بڑی برہمی میں اسے خط لکھ کر ایک قاصد کو اس طرف بھیجا اور اس خط میں تیمور نے لکھا کہ

” تجھ میں یہ کیا خناس گھسا ہوا ہے۔ کیا تو گوشہ جنگ کو بھول گیا؟ تو جانتا ہے کہ میرے لیے امن اور جنگ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور تجھے میری فتوحات کا بھی علم ہے۔ لہذا تو میرے قاصد کے ہاتھ بتا کہ تو دوستی چاہتا ہے یا دشمنی۔ آئندہ کے لیے ایک کو پسند کر کے مجھے اطلاع دے۔“

کچھ عرصہ ہوا تو قتمش کی طرف سے یہ قاصد واپس آ گیا۔ تو قتمش نے تیمور کے

ساتھ جنگ کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ اب تیمور بھی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا ہے اور کسی بھی روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ تو قتمش سے نمٹنے کے لیے شمال کی طرف کوچ کر سکتا ہے۔ گو تیمور اس وقت تریپن برس کا ہو چکا ہے لیکن اس کے جسم کی چستی اور تیزی جوانوں جیسی ہی ہے۔

اے نور الدین! میری ایک اود بات بھی غور سے سن لو۔ تیمور کے لشکر میں کافی تعداد میں نصرانی سپاہی بھی شامل ہیں۔ اسی وجہ سے ہر جنگ میں اسقف یوحنا بھی تیمور کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اسقف یوحنا اپنی بیوی مانتھس اور بیٹی انجلینا کو بھی لشکر میں اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ لشکر کے دیگر لوگ بھی اپنے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لشکر میں رکھتے ہیں۔ تیمور کی اس وقت دو بیویاں ہیں ایک ملکہ سرائے خانم جو شاہ رخ کی ماں ہے اور اس سے پہلے امیر حسین کی بیوی تھی اور دوسری مے عموماً چھوٹی خانم کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہ تیمور کے ایک سردار منگل خان کی بیٹی ہے۔ تیمور اکثر اپنی بیویوں میں سے کسی کو ساتھ نہیں رکھتا۔

نور الدین! یہ بات بھی ذہن میں رکھنا کہ کچھ معاملات میں مجھے تیمور کے ساتھ اختلاف بھی ہے۔ پھر بھی میں اس کا ساتھ دیتا ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے پر اسلام اور مسلمان کی قدر نہیں کرتا۔ شراب بہت پیتا ہے رقص و سرود اور موسیقی کا شیدائی اور دلدادہ ہے۔

ان خامیوں کے باوجود میں تیمور کا ساتھ دینے پر کیوں مجبور ہوں یہ ایک لمبی گفتگو ہے جو کسی مناسب وقت پر میں تم سے کہوں گا۔ اب تم اٹھو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو اور سنو! ان دنوں امیر تیمور کے ساتھ جنگ کے لیے کوچ کرنے کی خاطر ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے۔ اب تم جا کر آرام کرو۔

نور الدین خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔



اپنی عسکری تیاریاں مکمل کرنے کے بعد امیر تیمور نے منگولوں کی سرکوبی کرنے کے

انہوں نے لحوں کے اندر تیمور و اس کے ساتھ چند دستوں کو ان کے لشکر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس موقع پر اگر نور الدین تیمور کے کام نہ آتا تو تیمور یقیناً اس جنگ میں قتل ہو چکا ہوتا۔

منگولوں نے جب تیمور کو اس کے چند دستوں کے ساتھ ان کے لشکر سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا تو پھر انہیں اپنے لشکر سے اور ملک مل گئی اور انہوں نے ایسے دور دراز جملے کیے کہ قریب تھا تیمور کا اپنے دستوں کے ساتھ خاتمہ ہو جائے لیکن اس موقع پر نور الدین نے کمال جرات، خلوص اور حاضر دماغی سے کام لیا۔ اپنے ساتھ کام کرنے والے چند دستوں کو اس نے فوراً دھڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اس نے یہ کام سونپا کہ وہ تیمور پر حملہ آور ہونے والے منگولوں کے خلاف برسر پیکار رہیں جبکہ دوسرے حصے کے ساتھ وہ برق رفتاری کے ساتھ حرکت میں آیا اور منگولوں کے چند ٹکڑوں کو وہاں کھینچ لایا اور انہیں اس طرف کھڑا کر دیا جس طرف سے مزید منگول آکر تیمور پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس طرح نور الدین نے مزید منگولوں کے دہانے کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اور پھر اس نے تیمور اور اس کے حفاظتی دستوں کے ساتھ برسر پیکار منگولوں پر ایسے تیز اور ہولناک حملے کیے کہ ان کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

اتنی دیر تک تیمور کے لشکر نے ان منگولوں کا بھی خاتمہ کر دیا جنہوں نے درمیان میں گھس کر تیمور کو اس کے چند دستوں کے ساتھ اس کے لشکر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اب ان میدانوں کے اندر ہولناک اور خونریز جنگ اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اس دوران قتل و قتل کے ہڈاؤ کو آگ بھی لگا دی گئی تھی۔

دونوں میں سے کوئی بھی بار اور شکست تسلیم کرنے پر آمادہ دکھائی نہ دیتا تھا ایک طرف تو قتل کے ساتھ منگول اپنی ساری جراتوں، ساری تنظیم کے ساتھ واہمہ کائنات، برسوں سے جلتے سگلتے الاؤ، بھولے پسرے لمحات، نعرہ وحشت اور نگاہ برہم کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے اور پھر اس موقع پر تو قتل نے بار بار انہیں جنگ کے لیے ابھارتے ہوئے ایک طرح سے ان کے جمود کے اندر ایک ہولناک اور بھیانک

لیے سمرقند سے کوچ کیا۔ تیمور کا ارادہ تھا کہ سب سے پہلے تو قتل کو کسی کھلے میدان جنگ میں زیر کیا جائے۔ اس کے بعد اس کے بڑے بڑے شہروں کو تباہ و برباد کر دے تاکہ آئندہ کسی منگول کو اس کے خلاف سراٹھانے کا موقع نہ ملے۔

امیر تیمور نے نور الدین کو اپنے ساتھ قلب لشکر میں رکھا۔ لشکر کے آگے آگے ناظر بھجوا دیے گئے تاکہ وہ دشمن پر نگاہ رکھیں اور اس کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ چند مسلح دستے ایسے بھی مقرر کیے گئے جن کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ لشکر کے آگے آگے رہ کر شکار کرتے رہیں تاکہ لشکریوں کو دافتر مقدار میں کھانے کے لیے گوشت ملے اور لشکر کے اندر خوراک کی کمی نہ ہو۔ دوسری طرف تو قتل کو بھی امیر تیمور کے اس حملے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے بھی اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور تیمور کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تو قتل شاید اس جنگ کو اپنے اور تیمور کے درمیان آخری اور فیصلہ کن جنگ بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ اپنے عساکر میں سے ایک خاص حصہ اس نے صرف تیمور کے لیے مختص کیا تھا اور اس خاص حصے کے ذمے صرف یہ کام تھا کہ وہ جنگ کے دوران صرف تیمور پر حملہ آور ہو اور دو کاموں میں سے ایک کام ضرور کرے۔ اول یہ کہ تیمور کو موٹ کے گھاٹ اُتار دے۔ دوم یہ کہ اس پر زور وار حملہ کر کے اسے اور اس کے محافظوں کو اس کے لشکر سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے تاکہ بعد میں اس پر زور وار حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس طرح تو قتل اپنے لیے تیمور کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا۔

پھر حال تیمور اپنے لشکر کے ساتھ جب شمال کے ان وسیع میدانوں میں داخل ہوا جس میں تو قتل پہلے ہی خیمہ زن ہو کر اس کا منتظر تھا تو تو قتل نے کسی توقف یا انتظار سے کام نہ لیا بلکہ تیمور کے دہانے پہنچتے ہی اس نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

تو قتل کے وہ خاص دستے جو صرف تیمور کے لیے مقرر کیے گئے تھے، وہ بڑی ہی بے جگری اور جاں نثاری کے ساتھ اس حصے پر حملہ آور ہوئے جہاں تیمور تھا۔

تو کباب و انتشار پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔

دوسری طرف تیمور کے ساتھ تاتاری تھے جو جنگ کا فیصلہ اپنے حق میں کرنے کے لیے لذت شوق، رقص برقی دباراں، آتش روئے فکاراں اور وہم و شعور پر چھا جانے والی بولناک سات کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ بہر طرغون ہی خون، دھواں ہی دھواں اور شعلے ہی شعلے دکھائی دینے لگے تھے۔ راکھ کے کھیت اور دھول کے ان کھلیاؤں کے اندر دونوں طرف کے مسلمان خدا اور رسول کی اطاعت کو پس پشت ڈال کر ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے۔ دونوں ہی گروہ روشنی کے بجائے ظلمات کا اتباع کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک دونوں عساکر ایک دوسرے کے خلاف خوفناک، بے باق اور سرکش ہو کر لڑتے رہے۔ ہر کوئی دوسرے کو بے بسی کی زنجیروں میں جکڑ دینے کی نگہ دو کر رہا تھا۔ آخر تیمور کا پلا بھاری ہوتا دکھائی دیا۔ اس لیے کہ تو قتمش کے لشکر کی اگلی صفوں کے لشکر کی جنگ سے منہ پھیرنے لگے تھے۔ پہلے یہ انتشار اگلی صفوں سے شروع ہوا تھا پھر پچھلی صفوں تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ تو قتمش اور اس کے لشکر نے مکمل طور پر اپنی شکست و ہزیمت قبول کر کے پسپائی و فرار اختیار کر لیا۔

تو قتمش اپنی جان بچانے کی خاطر شمال کے ٹھٹھے صحراؤں کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے لشکریوں میں سے کچھ بھاگ کر کہمیا اور اورنا چلے گئے۔ کچھ ہنگامی میں جا گھسے اور جنہوں نے فرار اختیار نہ کرنا چاہا۔ وہ تیمور کے لشکر میں شامل ہو گئے اور ان کی اس شمولیت سے تیمور کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

تو قتمش کو شکست دینے کے بعد تیمور سمرقند کی طرف واپس نہ گیا بلکہ اس نے تو قتمش کے بڑے بڑے شہروں کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسی فیصلے کے تحت دریائے دجلہ کے کنارے اس نے پیش قدمی کی اور سرائے نام کے شہر کے پاس آ نمودار ہوا۔ یہ شہر منگولوں کے بہترین شہروں میں سے تھا۔ اور اس کے مکانات زیادہ تر لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ تیمور کی فتح اور تو قتمش کی شکست کے باعث اہل شہر پہلے ہی تیمور سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور جب تیمور نے انہیں یہ حکم دیا کہ سب

لوگ شہر سے باہر نکل آئیں تو کسی نے بھی کوئی پس نہ پیش نہ کیا اور سب لوگ شہر سے باہر نکل آئے یہاں تیمور نے بدترین کام یہ کیا کہ اس نے سرائے شہر کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا اور شہر کے لوگوں کو باہر نکال کر برف میں دھکے کھانے اور مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

سرائے کو راکھ میں تبدیل کرنے اور وہاں کے مسلمان شہریوں کو برفستانوں کے اندر موت کو گلے لگانے پر مجبور کر کے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے کٹا کر آگے بڑھا اور مسلمان منگولوں کے دوسرے بڑے شہر استراخان کے پاس آنمودار ہوا اس شہر کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کی تفصیل برف کی اونچی دیوار تھی۔ اہل شہر اس برف کی دیوار پر پانی ڈالتے رہے تھے۔ وہ پانی بھی وہاں جم کر برف کی صعدت اختیار کر لیتا اور اس طرح پمیل نہ صہرت برقرار رہتی بلکہ پہلے سے بھی اونچی ہو جاتی تھی۔

تو قتمش کی شکست اور پھر سرائے شہر کے جلائے جانے سے یہاں کے مسلمان شہری بھی تیمور سے خوفزدہ تھے۔ انہوں نے اس بنا پر تیمور کی مزاحمت نہ کی کہ تیمور نے سرائے میں کسی کو قتل نہیں کیا بلکہ صہرت شہر کو آگ لگائی ہے۔ لہذا وہ بھی یہی امید لگائے ہوئے تھے۔ لہذا محصور ہو کر مقابلہ نہ کیا بلکہ شہر کے دروازے انہوں نے تیمور کے لیے کھول دیے۔ تیمور نے یہاں کمال سفائی اور درندگی کا ثبوت دیا۔ اس نے شہر کے اندر قتل عام کر دیا اور شہر کے مسلمان حاکم کو اس نے منجمد دریائے دجلہ میں دفن کر دیا۔ سرائے اور استراخان دونوں شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تیمور نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور اب وہ روس کی سر زمین میں داخل ہوا تھا۔

دریائے ڈان کے کنارے کنارے جو برفی رفتاری کے ساتھ روس کے اندر نفوذی حصول کی طرف بڑھا تو روس کے مرکزی شہر ماسکو میں ایک ہچل مچل گئی اور لوگوں کے اندر افراتفری اور خوف و دہشت کا عالم چھا گیا تھا پھر چانک تیمور کی یہ پیش قدمی رک گئی۔ اس نے دریائے ڈان کے کنارے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا۔



دریائے ڈان کے کنارے پڑاؤ کے دوران نور الدین ایک روز شکار کر کے لوٹا۔

دو اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور شکار کی ہوئی ایک جنگلی بکری اس نے اپنے آگے گھوڑے پر ڈال رکھی تھی۔ اپنے خیمے کے سامنے آکر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ پہلے گھوڑے کو ایک چھتر تلے باندھ کر شکار کی ہوئی بکری اور زین اُتار کر نیچے رکھی پھر اس نے گھوڑے کے آگے چارہ ڈالا اور بکری کو اپنے کندھے پر اٹھائے وہ اپنے خیمے میں جب داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے کے اندر جلتے آتش دان کے پاس سیف الدین گہری سوچوں میں گم مگم اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ نور الدین کے اندر داخل ہوتے ہی سیف الدین چونکا۔ نور الدین کو خیمے میں دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے مہر پور شفقت میں کہا۔

’اے نور الدین! میں تمہارا ہی منتظر تھا۔ اس جاڑے کی جان لیوا سردی میں تم کیا عمدہ شکار کر کے لائے ہو۔‘

نور الدین نے شکار کی ہوئی بکری ایک طرف رکھ دی اور آتش دان کے قریب سیف الدین کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ’اے عم! جس وقت میں خیمے میں داخل ہوا اس وقت آپ گہری فکر کی سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے اپنے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ اور شادمانی بکھیر لی تھی۔ اے میرے عم! کیا میں آپ کے اس تفکر، اندیشے و سوچوں کی وجہ نہ جان سکوں گا؟‘

سیف الدین پھر مسکرایا اور بات کو ٹال دینے کے انداز میں وہ بولا۔ ’اے نور الدین! میرے بیٹے! تم کیسی عمدہ اور فربہ جنگلی بکری شکار کر کے لائے ہو۔ آؤ پہلے اس کی کھال اُتار کر اسے کاٹ لیں ورنہ ٹھنڈی ہو جانے کی صورت میں تم جانو اس کی کھال اُتارنا مشکل ہو جائے گا۔‘

نور الدین غصہ اور اصرار پر اُتر آیا اور کہا۔ ’اے عم! آپ مجھے یوں ٹال اور بہلا نہیں سکتے۔ بکری کو ٹھنڈا ہونے دیں میں اس کی کھال اُتاروں گا۔ آپ پہلے مجھے اپنی فکرمندی اور تشویش کی وجہ بتائیں؟‘

سیف الدین نے جب دیکھا کہ اب نور الدین کو کسی بھی وجہ سے ٹالنا نہیں جاسکتا، تو وہ آگ پر اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا۔

’اے نور الدین! میرے بیٹے! تیمور کے رویے نے مجھے فکر مندی اور اندیشوں

میں ڈال کر رکھ دیا ہے، اے نور الدین! میں استراخان اور سائے شہر کی تباہی اور بربادی پر غمگین اور فکر مند تھا۔ اس لیے کہ وہ شہر منگولوں کے ہیں اور منگول مسلمان ہیں اس ناطے سے وہ دونوں شہر ایک ہلت کے رشتے کے تحت ہمارے اپنے ہی ہیں۔ ان شہروں کی تباہی پر جہاں میں پریشان تھا وہاں میں اس وقت خوش بھی ہوا جب تیمور نے دریائے وان کے کنارے کنارے روس کے مرکزی شہر ماسکو کا رخ کیا۔‘

اے نور الدین! میری خوشی کی وجہ یہ تھی کہ جہاں ہمارے ہاتھوں مسلمان تباہی اور کمزوری کا شکار ہوئے ہیں وہاں اب روس کے نصرانی بھی اس تباہی کا شکار ہوں گے۔

اس طرح اس علاقے میں طاقت کا توازن بگڑنے لگا۔ جہاں منگولوں کی عسکری قوت کچھل گئی وہاں روس کی عسکری حیثیت بھی تباہ ہو جائے گی۔ لہذا جس طرح منگول ماضی میں

روس سے خراج وصول کرتے رہے ہیں وہ مستقبل میں بھی روس سے خراج وصول کرنے کے قابل رہیں گے لیکن نور الدین! میری ساری اُمیدوں و آرزوؤں اور خواہشوں و تمناؤں پر پانی پھر گیا۔ کیوں کہ تیمور نے اپنی پیش قدمی روک دی ہے اور اب وہ ہمیں سے واپس ہائے گا۔ آگے بڑھنے کا فیصلہ اس نے ترک کر دیا۔ میں نے اسے بہت سمجھایا پر وہ نہیں مانا۔

اس موقع پر نور الدین نے احتجاجی انداز میں پوچھا۔ ’لیکن امیر تیمور نے ایسا کیوں کیا؟‘

سیف الدین دھک، درو، تکلیف اور رنجش ملی جلی آواز میں بولا۔ ’اے نور الدین! یوں ہے کہ جس وقت سرائے اور استراخان کو تباہ کرنے کے بعد تیمور روس کے علاقوں میں

داخل ہوا تو روسی عوام اور حکمرانوں کے اندر ایک ہلچل، جھگڑ، کھلبلی و افراتفری اور بے قراری کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ تیمور اگر اسی طرح آگے بڑھتا چلا جائے، تو

ماسکو تک اسے کوئی روک نہ سکے گا اور تیمور نے جو حالت استراخان اور سرائے کی کی ہے وہی ماسکو اور روس کے دیگر شہروں کی کرے گا۔ لہذا تیمور اور اس کے لشکر کی صورت میں ان کی طرف

پڑھتی ہوئی تباہی کی آگ اور بربادی کے طوفان سے بچنے کے لیے روس کے حکمرانوں نے وفاق نام کیسے۔ ایک مذہبی، دوسرا سیاسی۔

روسیوں نے مذہبی قدم بڑھایا کہ ان کے شہر ویشائی گورڈو میں مقدس مرثیہ کا ایک

بہت بڑا اور قدیم مجسمہ تھا۔ روسی حکمرانوں نے برفانی گاڑیاں بھیج کر اس مجسمے کو ماسکو میں منگوایا۔ یہ مجسمہ ہزاروں کے جلسوں کے ساتھ ماسکو شہر میں داخل کیا گیا۔ پھر سب لوگوں نے پکار پکار کر اس مقدس مریم کے مجسمے سے دعائیں انداز میں کہا۔

”اے مادرِ خداوند! رُوس کو بچالے“

مقدس مریمؑ کے مجسمے کو ویشائی گوروٹسے ماسکو منگوا کر اور اس کے سامنے اس انداز میں دعائیں گننے کے پس پردہ روسی حکمرانوں کے ذہن میں دوسو مند حیلے تھے۔ پہلا یہ کہ وہ اپنے عوام کی مذہبی رُوح کو اس طریقے سے بیدار کر کے تیمور کا خوف دُور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے سیاسی حربے کے ذریعے تیمور کی پیش قدمی روک کر وہ مقدس مریمؑ کے وقار میں اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں پر ثابت ہو کہ انہوں نے جو دعائیں مقدس مریمؑ کے سامنے مانگی تھیں وہ قبول ہوئیں اور مقدس مریمؑ نے تیمور کی پیش قدمی کو روک لیا اس طرح روسی حکمران ایک حربے سے دو کام لے رہے ہیں۔

یہ پہلا مذہبی کام کرنے کے بعد روسی حکمرانوں نے دوسرا سیاسی قدم بٹھایا کہ انہوں نے اسقفوں، پادریوں اور چند امراء پر مشتمل ایک وفد ہماری طرف روانہ کیا۔ یہ وفد لشکر میں داخل ہونے کے بعد پہلے اسقف یوحنا اور لشکر میں شامل دیگر پادریوں اور امراء سے ملا۔ پہلے ان کے ساتھ مل کر ساڑھے چار گھنٹے کا رُطے کیا۔ پھر یہ تیمور سے ملے اور اس سے التماس کی کہ وہ ماسکو کی طرف پیش قدمی ترک کر دے۔ بہر حال مختصر یہ کہ ہمارے لشکر میں

۱۵ پانچویں صدی کے وسط تک عیسائیوں میں اور خصوصاً رومن کیتھولک کلیسا میں شرک کے علاوہ اولیاد اور قبر پرستی زود بکڑ چکی تھی۔ بزرگوں کے آستانے پوجے جانے لگے تھے اور مسیح و مریمؑ اور حواریوں کے مجسمے کلیساؤں میں رکھے جانے لگے تھے۔ ۱۲۴۱ء میں اصحابِ کھٹ کے شہر فلس میں پوری عیسائی دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی ایک کونسل منعقد ہوئی جس میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور حضرت مریمؑ کے مادرِ خدا ہونے کا عقیدہ عیسائیوں کا سرکاری عقیدہ قرار دیا گیا تھا۔

شامل اسقف یوحنا، پادریوں اور روسی دندنے تیمور کی زنت سماجست کر کے تیمور کو پیش قدمی ترک کرنے پر آمادہ کر لیا۔

روسی وفد اپنی کامیابی کے بعد یہاں سے واپس چلا گیا اور اپنی اس سیاسی کامیابی کو روسی حکمران مذہبی کامیابی بھی قرار دے رہے ہیں کیوں کہ انہوں نے اپنے عوام میں یہ تشہیر کرنی شروع کر دی ہے کہ تیمور کے اٹھوں روس کی نجات کا یہ کرشمہ مقدس مریمؑ کی وجہ سے ہے۔

اے نور الدین! میں پچھلے کئی یوم سے تیمور کو اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ماسکو کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھے لیکن نہیں مانا۔ وہ بڑا ہٹ دھرم فتنی اور بد معاملہ انسان ہے۔ سنتا سب کی ہے مگر کرتا اپنی مرضی ہے اور اب اس نے ہٹا اور پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کل یہاں سے واپس جانے کے لیے کوچ کر جائے گا اور ایسا کر کے تیمور نے اُمتِ مسلمہ پر ظلم کیا ہے نور الدین! منگول مسلمان جو ماضی میں روسیوں سے فواج وصول کرتے رہے ہیں۔ اب کمزور ہو گئے اور میری بات یا رکھنا آنے والے دور میں یہ روسی بھیڑیے ان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھائیں گے۔ نہ صرف یہ مسلمانوں کو خراج دینا بند کر دیں گے۔ بلکہ مسلمانوں سے پہلے خراج وصول کریں گے اور پھر آہستہ آہستہ یہ برفانی بھیڑیے مسلمانوں کے وسیع علاقوں میں قبضہ کر کے ایک آدم نور عفریت کی سی صورت اختیار کر لیں گے۔ ہماری آنے والی نسلیں تیمور کے ظلم اور نا عاقبت اندیشی کو کبھی معاف نہ کریں گی۔ اس لیے کہ میرے اپنے خام خیال کے مطابق تیمور نے ماسکو کی طرف اپنی پیش قدمی روک کر ایک طرح سے عالم اسلام کی پیٹھ میں خنجر گھونپ کر رکھ دیا ہے۔

سیف الدین جب خاموش ہوا تو نور الدین نے تکلیف دہ احساس میں کہا۔

”اے عم! اس لحاظ سے تو امیر تیمور کے لشکر میں شامل اسقف، پادری اور نصرانی امراء مسلمانوں کے اندر تنفر اور بیزاری پھیلانے کا کام کر رہے ہیں۔“

سیف الدین نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ”میں تو نہیں کتنا وہ ایسا کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ اصل قصور وار تو خود تیمور ہے۔ وہ اگر نہ چاہے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

اور پھر عیسائیوں میں سب ہی تیمور کو غلط مشورہ دینے والے نہیں ہیں۔ بہت سے امراء ایسے ہیں جو دل سے ہمارے لیے مخلص ہیں اور ایسے لوگوں میں اسقف یوحنا بھی شامل ہے۔ وہ نصرانیوں کا سمرقند کے اندر سب سے بڑا پیشوا ضرور ہے لیکن مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں وہ تعصب اور نفرت کی آگ اور میل نہیں رکھتا۔

اور اس اسقف یوحنا کے علاوہ اور بہت نصرانی امراء اسقف یوحنا جیسے ہیں۔ اس بار نور الدین نے ایک جستجو اور محسوس میں پوچھا۔ ”اور اے عم! اس اسقف یوحنا کی بیوی ماتھس اور بیٹی انجیلینا سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

سیف الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے نور الدین! ماتھس ایک سادہ لوح اور بھولی بھالی عورت ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جن کا ظاہر باطن مختلف ہو۔ وہ ایک پُر خلوص عورت ہے۔ جو بات دل میں ہوتی ہے کہہ دیتی ہے۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ اسقف یوحنا اور اس کی بیوی ماتھس دونوں ہی ایک جیسے ہیں۔ رہی بات ان کی بیٹی انجیلینا کی تو وہ آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی ہے۔ وہ جس قدر حسین اور دلکش ہے ایسی ہی دل کی بھی اچھی اور صاف ستھری لڑکی ہے۔ ہاں مگر وہ اپنی ماتھس کی طرح سادہ لوح نہیں ہے۔ وہ دربار کی شان شوکت اور شاہی ندرق برق زندگی پسند کرتی ہے۔ اسی لیے اس نے اس روز بھرے دربار میں تمہیں غلام ابن غلام کہا اور تمہارے ساتھ شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

مجموعی طور پر انجیلینا ایک اچھی بلکہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ پردہ یہ ضرور چاہتی ہے کہ اس کی شادی کسی شاہی خاندان کے فرد سے یا کسی ایسے جوان سے ہو جو سلطنت میں خوب معروف اور کئی لحاظ سے شہرت یافتہ ہو۔

اے نور الدین! اب جب کہ انجیلینا کا ذکر چھڑا ہے تو یہ بھی سن رکھو کہ میرا کوئی بیٹا نہ تھا۔ خدا نے تمہاری صورت میں مجھے بیٹا عطا کر دیا ہے۔ اب اگر میری کوئی سب سے بڑی خواہش ہے تو وہ یہ کہ میں حسین انجیلینا کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ نور الدین نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! اس معاملے میں آپ سے

میں قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ میں ایک سادگی پسند انسان ہوں۔ جب کہ بقول آپ کے انجیلینا ذرق برق زندگی پسند کرتی ہے۔ اس لیے میری اس کی طبائع میں ہی بنیادی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بار مجھ سے شادی کرنے پر انکار کر چکی ہے اور میں زبردستی کی یا ایک طرف میلان رکھنے والی شادی کا بھی قائل نہیں ہوں۔“

سیف الدین نے نور الدین کی اس گفتگو پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین تم فکر نہ کرو یہ کارروائی یک طرفہ نہ ہوگی۔ بلکہ اس میں باہمی اتفاق، ہم خیالی اور متحدہ رائے شامل ہوگی۔“

نور الدین جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خاموش ہو گیا کیوں کہ ان کے خیمے میں اسقف یوحنا، اس کی بیوی ماتھس اور بیٹی انجیلینا داخل ہوئے تھے۔ سیف الدین نے بڑی خوش طبعی اور زندہ دلی سے ان کا استقبال و پیشوائی کی اور ان دونوں کو اپنے قریب آتش دان کے پاس بٹھایا۔ اس موقع پر اسقف یوحنا نے ایک جرعی تھیلا سیف الدین کی گود میں رکھا اور کہا۔

”اے امیر سیف الدین! آپ کے علم میں ہوگا کہ ماسکو سے نصرانیوں کا ایک وفد امیر تیمور کی خدمت میں اس اجتماع کے ساتھ حاضر ہوا تھا کہ ماسکو پر حملہ نہ کیا جائے۔ اے امیر سیف الدین! امیر تیمور کے پاس حاضری دینے سے قبل یہ وفد مجھ سے ملا تھا اور مجھ سے امیر تیمور کے پاس ان کی سفارش کرنے کو کہا تھا۔ میں ان کے ساتھ امیر تیمور کے پاس توجہ لایا تھا لیکن میں نے ان کی سفارش نہیں کی۔ اس لیے کہ آپ جانتے ہیں میں کبھی امیر تیمور کے فیصلوں میں حائل نہیں ہوتا۔

اے امیر! وہ روسی نصرانیوں کا وفد شہد اور اپنے وطن کی کچھ سوغات لے کر آیا تھا۔ وہ جو چیزیں لے کر آئے ان میں سے آپ کا اور نور الدین کا حصہ اس جرعی تھیلا میں ہے جو میں نے آپ کی گود میں رکھی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اسقف یوحنا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ ”اے امیر سیف الدین! میں اب چلتا ہوں۔ اس لیے کہ لشکر کے اندر جو خیمہ کلیسا کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کی کچھ دیر

ٹوٹ گئی ہیں۔ اس لیے میں کلیسا کے لیے نئی لمبوں کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی اسقف یوحنا، مالتھس اور اینجیلینا کے ساتھ جیمس سے باہر نکل گیا تھا۔

ان تینوں کے جلتے کے بعد سیف الدین نے فخریہ انداز میں کہا: اے نور الدین! تم نے دیکھا میں نے تمہارے سامنے یوحنا، مالتھس اور اینجیلینا کا تجزیہ درست نہ کیا تھا۔ تم نے دیکھا ان تینوں نے ہم دونوں سے کوئی بات چھپائی نہیں ہے۔ حالانکہ مجھے سارے احوال کا علم ہے لیکن انہوں نے خود ہی آکر روسی نصرانی وفد کی تفصیل بتا دی ہے اور جو چیزیں وہ دفد لایا تھا۔ ان میں سے ہمیں بھی حصہ دیا ہے۔

نور الدین نے اس بار بشارت بھری آواز میں کہا: اے عم! جو کچھ آپ نکلنے والوں سے متعلق کہا، اسے تو میں تسلیم کرتا ہوں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کی میں وضاحت چاہوں گا اور وہ یہ کہ اینجیلینا کے متعلق آپ نے کہا کہ وہ آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی ہے۔ کیا آپ اس سے متعلق کچھ تفصیل سے نہ کہیں گے۔“

سیف الدین نے غور سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ ہلکے ہلکے پرحس انداز میں مسکرایا پھر بولا: اے نور الدین! اینجیلینا کو میں نے آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی اس بنا پر کہا ہے کہ بنیادی اور پیدائشی طور پر تو وہ نصرانی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی بہترین تعلیم بھی حاصل کی ہے اور یہ تعلیم اس نے تیمور کے پیر و مرشد مولانا زین الدین سے حاصل کی ہے بلکہ میں نویدیاں تک کہہ سکتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کی نسبت اینجیلینا اسلام سے متعلق زیادہ علم و معلومات رکھتی ہے کیونکہ اس نے بڑے شوق سے اسلام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اسی بنا پر اسے میں نے آدھی مسلمان اور آدھی نصرانی کہا ہے۔

اے میرے بیٹے! اینجیلینا اسلام کی تعلیم سے پوری طرح آراستہ ہے۔ اس کی مثال میں تمہیں یوں دے سکتا ہوں کہ جب میری کے درخت کو چھل گلتا ہے تو پہلے ہر پہلے اور پھر سترخ ہو کر۔ آپ سے آپ شاخوں سے زمین پر گرنے لگتے ہیں۔ اینجیلینا کی حالت بھی اس وقت ایسی ہی ہے۔ اسے اگر تھوڑی سی رغبت اور دلائی گئی تو وہ اسلام کی گود میں آکر رہے گی۔ اس کی حالت بھی ان دنوں اس بیر کی سی ہے جو ٹرخی پکڑ چکا ہو۔“

نور الدین جواب میں کچھ کہنے والا تھا لیکن خاموش ہی رہا کیوں کہ ایک سپاہیانہ دونوں کا کھانا لے کر جیمس میں داخل ہوا تھا۔



تیمور نے دریائے دان کے کنارے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک قیام کیا۔ اسے بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے کچھ امیر روس کی طرف قدمی روک دینے پر ناخوش ہیں۔ لہذا اپنے ان امریکی خوشی اور اطمینان کی خاطر اس نے ایک دوسرا راستہ نکالا اور وہ یہ کہ دریائے دان کے کنارے سے اس نے کوچ کیا اور سمرقند کی بجائے اس نے یورپ کا رخ کیا۔ اس نے جگہ جگہ یورپی افواج کو شکست دی اور ونیس، جنیوا، قیطانویا اور شکتیش کی یورپی بندرگاہوں کو نذر آتش کر دیا۔ اور یہ بندرگاہیں اموال کے تبادلے اور علاموں کی تجارت کے لیے مشہور تھیں۔ یورپ کی ان بندرگاہوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان قفقاز کے راستے اپنے مرکزی شہر سمرقند کی طرف چلا گیا تھا۔

اس طرح تیمور نے تو قمش کی سلطنت کا دھڑک رہا تھا اور تو قمش نے یورپ جا کر تھووانیا کے ڈیوک وینولڈ کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ تیمور نے ایک طرح سے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طرف سے ایک تاتاری سردار قتل خان کو اور نوغابی قبیلے کے سردار اید کو حاکم مقرر کر دیا تھا۔

تو قمش کیونکہ منگول تھا لہذا اس کی سلطنت اور علاقے تیمور کے پاس چلے جانے کے باعث منگولوں کے پاس اب صحرائے گوبی اور منڈرا کے علاقوں کے سوا کچھ نہ رہا تھا۔

تو قمش بھی تھووانیا کے ڈیوک وینولڈ کے پاس جا کر بیکار اور نکمرا نہ بیٹھا تھا بلکہ اس نے وینولڈ کو اپنی روایتی شجاعت اور جیلہ جوتی سے شیشے میں اتار کر رکھا اور اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ ایک روز وینولڈ ان علاقوں پر حملہ آور ہوگا جو تیمور نے تو قمش سے چھین لیے تھے۔ وینولڈ نے اس کی حامی بھر لی تھی کیوں کہ اسے تو وسیع علاقوں پر قبضہ کرنے کا آپ سے آپ موقع فراہم ہو رہا تھا۔ لہذا اس نے اپنے طور پر بھرپور جنگی تیاریاں شروع



جنگوں سے فراغت حاصل ہونے کے بعد تیمور کو کچھ امن و سکون کے لیے وقت مل گیا تھا۔ اس دوران میں اس نے سمرقند اور اس کے نواح میں اُن گنت تعمیری اور فلاحی کاموں کی تکمیل کی۔ پُرانے پلوں کو گرا کر اس نے نئے پکی تعمیر کیے۔ پرانی اور قدیم کاہنوں کی مرمت کروائی اور کئی نئی سرائیں بھی اس نے تعمیر کرائیں۔ شاہراہوں پر اس نے ڈاک کے لیے چوکیاں تعمیر کرائیں۔ مسافروں کے سونے کے لیے شاہراہوں کے کنارے کٹارہ مکانات تعمیر کرائے۔



ایک روز جب کہ ہلکی ملکی برفباری ہو رہی تھی، نورالدین تیمور کے خاص کمرے میں داخل ہوا۔ اندر تیمور کے ساتھ سیف الدین کے علاوہ تیمور کا بیٹا شاہرخ اور پوتے محمد سلطان اور پیر محمد بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی نورالدین نے سلام کیا اور تیمور سے اس نے پوچھا۔ ”اے آقا! آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔“ تیمور نے آتش دان میں جلتی ہوئی آگ کے پاس ایک خالی نشست کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھو نورالدین! میں نے تمہیں ایک اہم کام کے سلسلے میں طلب کیا ہے۔“ جب نورالدین اس نشست پر بیٹھ گیا تو تیمور نے کہنا شروع کیا۔

”اے نورالدین! میرے عزیز! تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہم نے تو قتمش کو شکست دی اور اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا تو ہم منگولوں کی اس سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس پر اپنے دو سرداروں یعنی قتلخ خان اور ایکو کو حاکم مقرر کیا جب کہ تو قتمش ہم سے شکست کھانے کے بعد تھوڑا سا ڈیوک وٹولڈ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ یہ ڈیوک پولینڈ کے بادشاہ کا عم زاد اور ماسکو کے حکمران گرینڈ پرنس کا خسر ہے۔ تو قتمش نے جا کر اس کی افواج کو خوب جنگی تربیت دی ہے اور اس ڈیوک نے پولینڈ پر حملہ آور ہو کر ایک خدے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے جنوبی روس کے اندر بھی پیش قدمی کی اور سالنسک و کیف جیسے مشہور شہروں پر قبضہ کر کے اس نے ان شہروں کو اپنی



اس کے علاوہ اس نے ایسے ناظر مقرر کیے جو نہ صرف اس کی اپنی حکومت بلکہ باہر کے حالات سے بھی اسے باخبر رکھتے تھے۔ غیر آباد اور لاوارث زمینیں سرکاری ملکیت میں لے لیں۔ مالیہ اس وقت وصول کرنے کا حکم دیا جب فصل کٹ کر کاشت کار کے گھر پہنچ جائے۔ دوسرے ملکوں سے آنے والے اموال پر درآمدی محصول مقرر کیا۔ اب تیمور ایک وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا۔ ورہ خیر سے لے کر روس اور سیستان سے لے کر صحرائے گوبی تک اس کی حکومت تھی۔ تاہم ابھی تک عراق، شام اور فلسطین اس کی ملکیت میں شامل نہ تھے اور انہیں فتح کر کے وہ اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا اُزومند تھا اور اس کے لیے وہ کسی مناسب موقع اور بہانے کی تلاش میں تھا جسے نبیاً بنا کر وہ ان علاقوں پر حملہ آور ہو سکے

ہے۔ بد قسمتی سے ویٹولڈ اس نائلیا کو پسند کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ نائلیا سے شادی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو عمر میں نائلیا کی نسبت تین گنا سے بھی زیادہ سہے۔

ان حالات میں بد بخت ویٹولڈ نے نائلیا کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کا ارادہ کر لیا وہ چاہتا تھا کہ ایک بار وہ نائلیا کو بے آبرو کر دے اس کے بعد وہ نائلیا ایک طرح سے اس کے قبضے میں ہی رہے گی۔ اپنے اس مکر وہ کام کی تکمیل کے لیے ویٹولڈ نے اس وقت نائلیا کو اٹھوا لیا جب کہ وہ کلیسا میں عبادت کرنے کے بعد گھر لوٹ رہی تھی۔ ویٹولڈ اسے اٹھا کر اپنے شہر سے باہر اپنی ایک تعیش گاہ کی طرف لے گیا۔ وہاں وہ نائلیا کو بے آبرو کر دینا چاہتا تھا کہ نائلیا کے باپ یوگرین کو اس کی خبر ہو گئی لہذا اسے چار محافظوں کے ساتھ وہ اس تعیش گاہ پر حملہ آور ہوا اور اپنی بیٹی نائلیا کو ویٹولڈ کے ہاتھوں بے آبرو ہونے سے بچا لیا۔

اپنی بیٹی نائلیا کی عزت بچانے کے بعد یوگرین چند دنوں تک اپنی بیٹی کے ساتھ مدد و پویش رہا۔ اس کا ارادہ تھا کہ چند دن بعد تک جب یہ معاملہ کچھ دب جائے گا تو وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ لتھوانیا سے بھاگ جائے گا لیکن ویٹولڈ بڑا مکار و حرامی ثابت ہوا۔ اسے یہ تو خبر ہو گئی تھی کہ یوگرین اس پر حملہ آور ہو کر اپنی بیٹی کو چھڑا کر لے گیا ہے لیکن اسے یہ نہ پتہ چل سکا کہ یوگرین کے ساتھ حملہ آور ہونے والے اس کے چار محافظ کون تھے۔ اس پر ویٹولڈ نے فوراً انتقامی کارروائی کی اور اس نے یوگرین کی بیوی اور اس کے تین بیٹوں کو قتل کر دیا۔

یوگرین کو جب اپنے بیٹوں اور بیوی کے قتل کی اطلاع ملی تو روپوشی کی زندگی ترک کر کے وہ اپنی بیٹی نائلیا اور چار محافظوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے ہمارا رُخ کیا اور ہماری حدود میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنے ایک محافظ کو وہ ساری باتیں بتا کر جو میں نے ابھی تم سے کہی ہیں ہماری طرف روانہ کر دیا۔

جو محافظ یہاں آیا اس کے کہنے کے مطابق یوگرین اپنی بیٹی نائلیا کے ساتھ اس شاہراہ پر سفر کر رہا ہے جو دریائے آمون کے کنارے سے ہوتی ہوئی سمرقند کی

سلطنت میں شامل کر لیا۔

اب لتھوانیا کا یہ حکمران ڈیوک ویٹولڈ یورپ کا ایک مسلمہ طاقتور ترین بادشاہ تصور کیا جاتا ہے اور تو قتمش کے ایسا پر اس ڈیوک نے ہم سے ٹکرا کر ہم سے تو قتمش کے علاقے واپس لینے کا عزم کر لیا ہے اور اسے نورالدین! مجھے خبر ہوئی ہے کہ اس ڈیوک نے پولینڈ کے بادشاہ مورس کا عزم زاد ہے کے علاوہ کبلیشیا کے حکمران اور گرنیڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک ٹائٹس کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا ہے۔ اس گرنیڈ ماسٹر سے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک بے مثل جنگ جو ہے اور تیغ زنی میں آج تک کسی نے اسے نچا نہیں دکھایا اب ان ساری قوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر یہ ڈیوک سب سے پہلے قتل خان امداہ کو اپنا حدت بنانا چاہتا ہے اور تو قتمش کے یہ علاقے فتح کرنے کے بعد وہ ہمارا رخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اے نورالدین! تمہارے آنے سے تھوڑی ہی دیر قبل ہم نے ایک قاصد قتل خان کی طرف روانہ کیا ہے اور اسے ہدایت کی ہے کہ وہ ڈیوک آف ویٹولڈ سے تو قتمش کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ اس معاملے میں اگر وہ ٹال مٹول یا انکار کرتا ہے تو پھر اسی کو بنیاد بنا کر ہم ڈیوک کے خلاف لشکر کشی شروع کر دیں گے لیکن نورالدین یہ تو بعد کی بات ہے میں نے تمہیں جس کام کے لیے بلا لیا ہے اس کی ابتدا آج ہی کرنی ہے۔ اور اے نورالدین! یہ کام میں تم سے لینا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں صرف تم ہی اس کام کے لیے مناسب ترین ہو۔

تیمور جب خاموش ہوا تو نورالدین نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا۔
”اے آقا! یہ خبریں آپ کو کہاں سے ملیں اور مجھے ابھی کس مہم پر روانہ ہونا ہوگا؟“
تیمور مسکرایا اور بولا۔ ”سنو نورالدین! میں تمہیں تفصیل سے سناتا ہوں۔
لتھوانیا کے بادشاہ ڈیوک ویٹولڈ کا ایک جرنیل ہے جس کا نام یوگرین ہے۔ اس یوگرین کی ایک بیٹی ہے جس کا نام نائلیا ہے۔ سنا گیا ہے کہ پورے پولینڈ اور لتھوانیا میں نائلیا جیسی کوئی حسین و پرکشش لڑکی نہیں ہے۔ یہ لڑکی جیسا کہ سنا گیا ہے ابھی نو عمر

طرف آتی ہے۔ میں نے سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کر دیا ہے جو اس وقت محل سے باہر کھڑا ہے۔

اے نورالدین! میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی اور اسی وقت اس دستے کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور اپنی حفاظت میں یوگرین اور اس کی بیٹی کو یہاں سمرقند لے کر آؤ۔ میں یوگرین کے محافظ سے بھی تمہیں ملاتا لیکن وہ برف باری کا مارا اور تھکا ہوا تھا لہذا میں نے اُسے شہزادہ عیسیٰ کے ساتھ شاہی ہمان خانے کی طرف بھجوا دیا ہے تاکہ وہ کھاپی کو آرام کر سکے۔“

نورالدین نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں ابھی روانہ ہوتا ہوں اور تھمناہا کے جرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا کو بحفاظت سمرقند لے کر آتا ہوں۔“

نورالدین کی اس اطاعت گزاری کے جواب میں تیمور کچھ کہنا چاہتا تھا کہ تیمور کا ایک محافظ اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے کہا۔ ”اے آقا! ایران کی طرف سے ہمارا ایک ناظر آیا ہے اور وہ وہاں سے کوئی بڑی خبر لے کر آیا ہے۔ اے آقا! وہ ناظر فی الفور آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔“

اس متوقع خبر کے سننے سے عیسیٰ ہی تیمور کی حالت بدل سی گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پھرے پھرے گولے اُٹھنے لگے۔ رگ جان میں خون کھولنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر نئی تقدیریں تحریر کرنے کے عزم بکھر گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے اس محافظ سے کہا۔ ”ایران سے آنے والے اس ناظر کو فوراً اندر لے کر آؤ۔“

وہ محافظ باہر نکلا اور چند ہی ثانیوں بعد وہ اپنے ساتھ ایک جوان کو لے کر پھر اندر آیا۔ وہ آنے والا جوان ان ناظروں میں سے ایک تھا جو تیمور کی اپنی مملکت کے اندر اور باہر خبریں مہیا کرنے کے لیے مقرر رکھے تھے۔ اس ناظر کو دیکھتے ہی تیمور نے استفہامیہ کر کے کسی قدر فکر گیر آواز میں پوچھا۔ ”اے نوجوان ناظر! ایران کی طرف سے تم ہمارے لیے کیسی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس ناظر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر وہ کہہ رہا تھا۔ ”اے آقا! ایران میں

بارے: اہل بغادت ہو گئی ہے۔ آل مظفر کے شہزادے جنہیں آپ نے ایران پر حاکم مقرر کیا تھا زیر ہو گئے ہیں۔“

تیمور نے اس بار برہم طبیعت میں پوچھا۔ ”کس نے انہیں زیر کر لیا ہے؟“

ناظر پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے آقا! جس وقت آپ نے ایران فتح کیا تھا اس وقت ایران کے ایک شہزادے نے کہ نام جس کا منصور ہے آپ کی اطاعت نہ کی تھی اور فرار ہو کر روپوش ہو گیا۔ یہ منصور اندر ہی اندر ایک لشکر تیار کر کے قوت پکڑتا رہا یہاں تک کہ اپنے بھائی شجاع کے بیٹے اور اپنے بھتیجے زین العابدین کو کہ جسے آپ نے اپنی طرف سے ایران کا حاکم مقرر کیا تھا ایک جنگ میں شکست دے کر گرفتار کر لیا اس منصور نے زین العابدین کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے اندھا کر کے قلعہ سپید میں ڈال دیا اور خود منصور ایران کا حکمران بن کر آپ کے خلاف اپنی جنگی تیاریوں کو عیز کیے ہوئے ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کا خواہش مند ہے تاکہ ایران کی بادشاہت سے کوئی اسے ہٹا نہ سکے۔“

تیمور نے نرم لہجے میں اپنے اس ناظر سے کہا۔ ”اب تم جاؤ جا کر آرام کرو۔“

جب وہ ناظر اور پہریدار دونوں باہر نکل گئے تو تیمور نے سیف الدین شاہرجا نورالدین، محمد سلطان اور پیر محمد کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! پہلے میرا ارادہ تھا کہ دیولڈ کا مقابلہ کرنے کے لیے میں اپنے لشکر کے ساتھ شمالی سرزمینوں کی طرف قلعق خان اور ایدکو کی مدد کے لیے روانہ ہو جاؤں گا لیکن اب یہ ناظر جو خبریں لایا ہے ان کی وجہ سے حالات یکسر ہی تبدیل ہو گئے ہیں۔“

اے نورالدین! اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم اکیلے کو ایک لشکر کے ساتھ میں قلعق خان اور ایدکو کی مدد کے لیے شمالی سرزمینوں کی طرف روانہ کر دوں گا اور خود میں دیگر سالاروں کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ ہوں گا۔

اور اے نورالدین! مجھے اُمید ہے کہ تم قلعق خان اور ایدکو کے ساتھ مل کر دیولڈ کی سرکوبی کر لو گے۔ اور سنو نورالدین! گرینڈ ماسٹر آف ٹیوٹانک ٹائٹلس سارے

یورپ میں اپنی ذاتی شجاعت، دلیری اور طاقت و قوت کی بنا پر مشہور و معروف ہے۔ نورالدین! اگر تو اس جنگ میں اس گریڈ ماسٹر کا سر قلم کرے تو بخدا تمہارا یہ کام میری لامتناہی خوشی اور انتہائی خوشنودی کا باعث ہو گا اور اگر تم نے ایسا کر دیا تو پھر آئندہ یورپ کی طرف سے کوئی ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہونے سے متعلق سوچ تک نہ سکے گا۔

گہرے اطمینان میں نورالدین نے کہا۔ ”اے آقا! اگر وہیٹولڈ اور گریڈ ماسٹر ہم سے ٹکرائے تو میں ان کا انجام عین آپ کی خواہشوں کے مطابق کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ کیا اب آپ مجھے اپنی موجودہ مہم پر روانہ ہونے کی اجازت دیں گے۔“ تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

سیف الدین، نورالدین، شاہ رخ، شہزادہ محمد سلطان اور شہزادہ پیر محمد تیمور کے ساتھ آٹھ کمرے سے باہر نکلے۔ پھر تیمور کی راہنمائی میں وہ محل کے بیرونی حصے میں گئے جہاں میں پچیس سواروں کا ایک چاک و چوبند دستہ اپنے عمدہ جنگی لباس اور بہترین تھنیر سجالے متعدد وتیار کھڑا تھا اور اس سے ذرا فاصلے پر نورالدین کا وہ گھوڑا کھڑا تھا جو تیمور نے اسے انعام میں دیا تھا اور جس پر بیٹھ کر وہ تیمور سے ملنے شاہی محل میں آیا تھا۔ تیمور کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے نورالدین ایک دم بھاگ کر اپنے گھوڑے کی طرف گیا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر اسے زور سے کھینچتے ہوئے وہ دوبارہ بھاگ کر تیمور کے پیچھے جا کھڑا ہوا جس وقت تیمور، سیف الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے ساتھ اس دستے کے پاس جا کر کھڑا تھا۔

تیمور نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ نورالدین کو اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے دیکھ کر اس کی مستعدی اور برق رفتاری پر تیمور کے لبوں پر خوشگن مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ اپنی مسکراہٹ ضبط کرتا ہوا بولا۔ ”یہ وہ محافظ دستہ ہے جس کے ساتھ تم نے اپنی مہم پر روانہ ہونا ہے۔ گو اس وقت برف باری جاری ہے۔ سردی اپنے عروج پر ہے اور موسم خراب ہے پھر بھی میں چاہوں گا کہ تم ابھی اور اسی وقت اپنی اس مہم پر روانہ

ہو جاؤ۔“

نورالدین نے اپنے گھوڑے پر ڈالی ہوئی چوڑی چادر ہٹائی اور خرچین کے اندر سے اپنی زرہ نکالتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! آپ کی خواہش کے مطابق میں ابھی اور اسی وقت اس مہم پر روانہ ہوں گا۔“

پھر نورالدین نے اپنی زرہ پہنی۔ گھوڑے کے ہننے پر رکھا ہوا آئینہ خود اس نے اپنے سر پر جمایا اور سر پر پہلے سے بندھا ہوا اپنا عامہ اُتار کر اس نے خرچین میں ڈال لیا تھا۔ زمین سے بندھا تیروں بھارت کرش اپنی پٹیکھ پر باندھا۔ چوڑی چادر اس نے گھوڑے پر ڈال دی تاکہ گھوڑا کسی قدر برفاری اور سردی سے محفوظ رہے۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس دستے کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔



برف باری جاری تھی۔ ہر شے دودھ کی طرح سفید ہو کر رہ گئی تھی۔ مٹیالے بادل زمین کی طرف جھک گئے تھے۔ برف آلود پورے زمین کی طرف سرنگوں تھے وقت کے اندازِ خرام میں ایک ٹھہراؤ محسوس ہوا تھا۔ فضاؤں کی آنکھیں دھلے آئینے اور آوازیں فضاؤں کے اندر منجمد محسوس ہو رہی تھیں۔

دریائے آموں کے کنارے کنارے سے ہوتا ہوا نورالدین جب شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا کہ اس نے ایک دم اپنے گھوڑے کی باگ روک لی کیونکہ فضاؤں کے اندر مولناک نسوانی چیخ سنائی دی تھی۔ ایک بار اس نے پھر ویسی سی چیخ سنی اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آواز کی طرف دوڑا دیا تھا۔ وہ نسوانی چیخ سامنے کی طرف سے سنائی دی تھی لہذا اپنے دستے کے ساتھ نورالدین بڑی تیزی سے آگے بڑھتا تھا۔ تھوڑی دُور آگے جا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نورالدین کو ہتائی سلسلے کے اندر جب شاہراہ کا ایک موڑ کاٹا تو اپنے سامنے شاہراہ پر اس نے دیکھا کہ کچھ سوار ایک گہبی کو گھیرے ہوئے تھے۔ چند جوان گہبی کے گھوڑوں کو علیحدہ کر رہے تھے اور کچھ دوسرے گہبی سے اندر سے ایک مرد اور ایک نوخیز لڑکی کو کھینچ اور گھسیٹ

ان حملہ آوروں نے اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی تھی کہ اپنے پہلے ہی حملے میں نور الدین اور اس کے ساتھیوں کا کام تمام کر دیں لیکن انہیں تعجب و حیرت میں ڈالتے ہوئے نور الدین نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا بہترین دفاع کیا تھا اور جب اپنے دفاع سے نکل کر نور الدین جارحیت پر اترتا تو ان حملہ آوروں کو یوں لگا جیسے نور الدین انہوں کی اسیری، سلگتی نظروں کی آنچ، سونے سناروں کا طوفان، بنجر زمین کی جی لوہہ خون کے دریا اور ریگ زاروں کی عداوت کا روپ دکھا کر ان پر حملہ آور ہو گیا ہو۔

نور الدین نے حملوں میں نجات کے خواب، زندگی کی بشارت اور خون کی سرخی جیسی تازگی اور نشاط انگیزی تھی۔ نور الدین ان حملہ آوروں پر یوں حاوی اور محیط ہو گیا تھا جیسے صدیوں کا کوئی تنہا روشن ستارہ شہرِ حیدر اور کسی قریہ گناہ خیز میں گھس کر ہر شے کو اپنی روشنی تلے دبا کر رکھ گیا ہو۔ یوں نور الدین بڑی تیزی کے ساتھ انہیں کاٹتے ہوئے ان کا خاتمہ کرنے لگا تھا۔

گھمبھی کے اندر بیٹھے یوگرین اور اس کی بیٹی نالسیا یہ ٹکراؤ اور تصادم بڑے شوق اور انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر نالسیا نے یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے کسی قدر حوصلہ مند آواز میں کہا۔ اے میرے باپ! آپ نے ان نووارد حملہ آوروں کی طرف دیکھا۔ اور اے میرے باپ! ان نووارد اور ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہونے والوں کے سروار اور سرخیل کی طرف بھی دیکھا۔ قسم مریم کی! میں نے اپنی زندگی میں ایسا ہولناک اور ماہر تنق زن جوان نہیں دیکھا۔ آہا! ہم پر حملہ آور ہونے والے ان رہزنوں پر یہ کسی غیر فانی شاہکار محرومی کی پیاس، انگاروں کی بھٹی، روح کی آگ اور سچے شعلے کی طرح حملہ آور ہوا ہے۔

آپ دیکھیں تو میرے باپ! کس طرح وہ ہمارے دشمنوں کی بد شہرت کو کاٹ، کھردری زبانوں کو بند، سرخیں جموں کا اندام اور رُوح و جسموں کی دیواروں کو برباد کر رہا ہے۔ قسم مریم کی وہ ان راہزنوں پر رات کے غیلی شعلوں اور سُرخ ریت کے غیر آباد اور بے آب و گیاہ صحرا کی طرح چھاتا جا رہا ہے۔ اے میرے باپ! دیکھو تو اس آنے

نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ ان سب لوگوں نے اپنے اپنے خود کے نقاب گرما کر اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے اور جب ان لوگوں نے شاہراہ پر نور الدین اور اس کے ساتھیوں نے حالت میں آتے دیکھا تو ان کے ہاتھ ڈرک گئے اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لی تھیں۔ شاید وہ نور الدین اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تھے۔ نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ ان کے ساتھی گھمبھی سے ذرا ہٹ کر بھی کھڑے تھے اور انہوں نے بھی اپنی تلواریں سنبھال لی تھیں۔

نور الدین اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر گھمبھی کو گھیرنے والوں نے جب اس کو خیز لڑکی اور اس کے ساتھی مرد کو چھوڑ کر اپنی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لیں تو ان دونوں کو موقع مل گیا۔ پس وہ دونوں بھاگ کر پھر اپنی گھمبھی میں سوار ہو گئے تھے۔ نور الدین نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ گھمبھی تھوئیا کے جرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی نالسیا ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر نور الدین نے اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرما دیا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

نور الدین جب اپنے دستانے کے ساتھ قریب گیا تو وہ مسلح جوان جنہوں نے اس گھمبھی کو گھیر رکھا تھا انہوں نے آگے بڑھ کر نور الدین اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ زہر کے پیمانوں، موت کے نذرانوں، جھوٹ و کذب کے اندھیروں اور ظلم و جبر کی پیاس بن کر نور الدین اور اس کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور پھر ان کی تعداد بھی نور الدین کے ساتھیوں سے زیادہ تھی۔

نور الدین نے جو یہ منظر دیکھا تو ایک بار اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے دار پر چڑھ کر پکارنے والے کسی بے باک و بے خوف انسان کی طرح اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اپنے ساتھیوں کو اس نے حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔

والے نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے والوں میں سے اکثر کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ اب چند ایک اس کے سامنے ٹھہرے ہوئے ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی اب بھاگنے کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر تک نور الدین نے ان حملوں کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈھیر کر کے رکھ دیا تھا۔ صرف ایک ان میں سے بھاگ نکلا تھا۔ نور الدین نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکنے کا حکم دیا اور خود بھاگنے والے کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر آگے جا کر نور الدین نے اس بھاگنے والے کو جالیا اور پھر اس نے اس کے گھوڑے پر چھلانگ لگاتے ہوئے اسے نیچے گرا دیا۔ اسے اپنے نیچے دبوچ کر، دو آہنی گھونسے اسے دے مارے پھر اس کے سر سے اس نے خود اتار دیا اور اسے بالوں سے پکڑ کر اُپر اٹھاتے ہوئے نور الدین نے اپنی ہولناک اور غصیلی آواز میں پوچھا۔ ”سچ بتاؤ تم کون لوگ ہو اور کیوں تم لوگوں نے اس گھمبھی کے مسافروں پر حملہ کیا۔ سن رکھو اگر تم نے جھوٹ بولا تو میں تمہیں کھڑے کھڑے ذبح ہونے والے بکرے کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا۔“

وہ کچھ کہنے سے ہچکچا رہا تھا لیکن نور الدین نے جب اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ کر اس پر دباؤ ڈالا تو پھر وہ ہکلتے ہوئے فوراً بول پڑا۔

اے امیر نور الدین! ہم لوگ شہزادہ خلیل کے آدمی ہیں۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ یوگرین اور نائسیا اس شاہراہ سے سمرقند کی طرف آرہے ہیں اور یوگرین کا جو ایک محافظ سمرقند میں ایتیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس سے خلیل کو یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ نائسیا نہ صرف تنھو نیا بلکہ پولینڈ کی سب سے خوب صورت لڑکی ہے۔ شہزادہ خلیل ہر صورت میں اس نائسیا کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ہمیں اس لیے اس طرف روانہ کیا تھا کہ ہم اس گھمبھی کے محافظوں کو قتل کر کے یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا کو اس عمارت میں پہنچا دیں جو شمالی شکار گاہوں میں بنی ہوئی ہے۔ وہ نائسیا کو وہاں رکھ اسے اپنے ساتھ شادی کر لینے پر رضامند کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے گھمبھی کے محافظوں کو

تو قتل کر دیا لیکن افسوس اُد پر سے آپ آگئے اور ہم یوگرین اور نائسیا کو یہاں سے لے جانے سکے۔ کاش آپ کے آتے سے قبل ہم اپنے کام کی تکمیل کر چکے ہوتے۔

نور الدین نے بڑی ہمدردی اور نرمی میں کہا۔ ”اے میرے عزیز! اگر میں تمہیں معاف کر کے چھوڑ دیتا ہوں تو تم شہزادہ خلیل کو اس کی خبر کر کے سمرقند کے اندر ایک نئے اور بڑے موضوع کو جنم دو گے اور اس کا اثر غیر ملکی یوگرین اور نائسیا پر انتہائی قبیح ہو گا۔ لہذا میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا کہ تمہارے قتل کیسے جلنے میں نبی مسلم قوم کی بہتری اور عزت ہے۔“ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے لہرائی اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ نور الدین پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے گھمبھی کی طرف ایڑ لگا دی تھی۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے دیکھا اس کے ساتھی ابھی گھمبھی کے قریب نہ گئے تھے اور دُور ہی کھڑے تھے۔ تاہم اب یوگرین اور اس کی حبیبی بیٹی نائسیا گھمبھی سے باہر نکل کر کھڑے ہوئے تھے۔

یوگرین اور نائسیا کے قریب جا کر نور الدین اپنے گھوڑے سے اُترا۔ ان دونوں کے سامنے آیا۔ صرف ایک اچھلتی ہوئی نگاہ اس نے نائسیا پر ڈالی تھی اور اسی مختصر سی نگاہ کے بعد ہی اس نے اپنی نگاہیں پھیر کر اس انداز سے زمین کی طرف دیکھنا شروع کر دیا تھا جیسے اس پر اصدوری نگاہ ڈال کر ہی اس نے بہت بڑا جرم کیا ہو تاہم نائسیا بڑے غم و اندھاں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے وہ وہاں برف باری کے اندر سایوں کے سفر، ساحلوں کی چاندنی، رنگوں کے ساگر رات کی سرگوشی، اجنبی خوشبو، عکس سحر اور ہجر و وصال کے پرانے قصوں اور قدیم اسطیر جیسی حسین اور پُرکشش ہو رہی تھی۔ اس کی گہری جھیل اور چمکتی آنکھوں میں دھنک آشنا رنگوں اور حسین خوابوں کا ایک امتزاج تھا۔ اس کے ادھکے نرم و شفاف اور سُرخ چمکیے ہوئے شگفتگی و دل کشی اور جذب و کشش کا ایک طوفان کھڑا کیے ہوئے تھے۔

نور الدین کو یوں اپنے سائے نظریں جھکائے کھڑے نائسیا عجیب و غریب عقائد

اور نہ توئی میں غور سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ نور الدین کے لباس اور خود پر پڑی برف نے نالسیا کے دل میں ہمدردی اور دردمندی کے جذبول میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

اس موقع پر یوگرین بولا اور نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ آپ کے ساتھی دُور ہی کھڑے ہیں اور ہمارے نزدیک تک نہیں آئے۔ ورنہ میں اُن سے تفصیل سے آپ کے متعلق پوچھتا۔ اے اجنبی جوان! میں نہیں جانتا تو کون ہے اور کن سرزمینوں سے تیرا تعلق ہے۔ پر قسم مجھے مریم کے خداوند کی میں نے آج تک تم جیسا شجاع، حوصلہ مند اور ماہر تیغ زن نہیں دیکھا اور پھر میری بیٹی کے سامنے تیری جھکی ہوئی نگاہیں تیرے اعلیٰ اخلاق، تیری عمدہ سیرت اور تیرے کردار کی پاکیزگی و طہارت کی نشاندہی کرتی ہے۔ میں نے جو تمہارے متعلق اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان جوانوں کے سرکردہ اور سرخیل ہو۔ کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں اور کیا میں یہ بھی جان سکوں گا کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آپ نے ہماری مدد کر کے ہم پر اس قدر احسان کیا ہے؟

نور الدین نے اپنی نگاہیں پہلے کی طرح جھکائے رکھیں اور بولا۔ "اے محترم یوگرین! میرا نام نور الدین ہے۔ امیر تمیور نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا تھا کہ میں آپ لوگوں کو بغاوت سمرفند پہنچاؤں۔ میرے متعلق آپ کے لیے اس قدر ہی کافی ہے کہ میں ایک غلام ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ ان شر پسند حملہ آوروں کے ہاتھوں آپ کے محافظ مارے گئے۔ کاش میں پہلے یہاں پہنچ چکا ہوتا۔ آپ کو زحمت و اذیت ہوئی۔ اس پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ آپ اپنی گھبی پر سوار ہوں تاکہ ہم سمرفند کی طرف روانہ ہو سکیں۔"

نور الدین کے کہنے پر یوگرین اور نالسیا فوراً گھبی میں سوار ہو گئے۔ حملہ آوروں نے جو گھبی کے گھوڑے کھول دیئے تھے وہ نور الدین فوراً خود ہی گھبی میں جوت دیئے تھے۔

اور جب وہ پیچھے ہٹا تو یوگرین نے گھبی کے گھوڑوں کی باگیں سنبھالتے ہوئے پھر لپک پاتی سی آواز میں کہا۔ "میں آپ کی جنگی مہارت، آپ کی شخصیت اور آپ کی سیرت و اخلاق سے ایسا متاثر ہوا ہوں کہ آپ کا شکریہ یہ تک ادا نہیں کر سکا۔ بہر حال میں آپ کا احسان مند ہوں کہ آپ نے ہم دونوں باپ بیٹی کی جان بچائی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ گھبی میں ہم دونوں باپ بیٹی کے ساتھ بیٹھ کر سفر کریں آخر اب آپ ہمارے محسن ہیں۔ میرے لیے یہ امر باعثِ تکلیف ہو گا کہ میں اور میری بیٹی گھبی کے اندر ہوں اور آپ اس برف باری میں اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کریں۔ اب چونکہ نالسیا گھبی کے پچھلے حصے میں تھی اور یوگرین اکیلا گھبی کے گھوڑوں کو لکھنے والی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا لہذا نور الدین نے گھوڑوں کو گھبی میں جوت کرنے کے گھوڑے کی طرف جاتے ہوئے رک کر یوگرین کی طرف دیکھا اور ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اس نے کہا۔"

"اے محترم یوگرین! اس ہمدردی کا شکریہ۔ لیکن میں ایسے حالات کا خوگر اور ایسی برف باری کا عادی ہوں۔ آپ دونوں کی جان بچا کر میں نے کوئی احسان نہیں کیا بلکہ یہ میرے فرائض کی ادائیگی ہے۔" اس کے ساتھ ہی نور الدین نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور وہ سب بڑی تیزی کے ساتھ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پاس آگئے تھے اور پھر انہوں نے وہاں سے کوچ کر لیا تھا۔ کچھ اس طرح کہ سب سے آگے نور الدین اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے پیچھے اس کے ساتھی تھے اور آخر میں یوگرین اپنی گھبی کے گھوڑوں کو ہانک رہا تھا۔ جس وقت یہ سفر جاری ہوا تو گھبی میں بیٹھی حسین نالسیا نے اپنے باپ یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے تعجب و جستجو ملی آواز میں پوچھا۔

"اے میرے باپ! آپ نے نور الدین نام کے اس جوان کے رویے پر غور کیا۔ یہ اپنے آپ کو غلام بتاتا ہے لیکن اپنے اخلاق و کردار، سیرت و خصلت اور سلیقہ و تہذیب نفس میں یہ ہمارے ہاں کے معززین و شرفاء سے بھی کہیں زیادہ

بڑھ کر ہے۔ اے میرے باپ! آپ نے دیکھا جتنی دیر تک وہ میرے سامنے کھڑا رہا، اس کی گردن جھکی رہی۔ نظریں زمین میں گڑی رہیں اور میری طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اے میرے باپ! میں خواہش کر رہی تھی کہ کاش اس غلام نور الدین جیسا ہر ہر کوئی خوش خلق اور بلند سیرت ہو۔ اگر یہ نور الدین واقعی غلام ہے تو اس کی عزت نفس پر ہزاروں معززین قربان کیے جاسکتے ہیں۔

یوگرین نے کہا۔ ”اے میری بیٹی! میرا دل نہیں مانتا کہ یہ نور الدین غلام ہے اس نے ایسا میرے خیال میں اپنی عاجزی اور انکساری کی بنا پر کیا ہے۔ ورنہ میرا خیال ہے کہ یہ امیر تمبور کے بافقار اور عمدہ ترین جرنیلوں میں سے ہوگا۔“

نالیسا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہی۔ نہ جانے وہ کن خیالوں میں کھو گئی تھی۔ باہر برف باری اسی طرح جاری تھی اور ابھی سمرقند کی طرف جانے والی شاہراہ پر بھاگتی چلی جا رہی تھی۔



امیر تیمور کا پوتا شہزادہ خلیل سمرقند میں شاہی محل کے سامنے والے وسیع باغ میں حرم سرے اور شاہی ہمان خانے کے درمیانی حصے میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک دم وہ چونک پڑا کیوں کہ حسین کنیز شاری ملک جسے سیف الدین اپنے ساتھ ایران سے لایا تھا اور جسے حرم سرے کی کنیزوں میں داخل کر دیا گیا تھا وہ اس کی طرف آ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی خلیل کے چہرے پر بے پایاں خوشیاں بکھر گئی تھیں۔

شاری ملک قریب آئی اور اپنے حسین جسم کا ایک پرکشش انداز بناتے ہوئے اس نے غمزوں سے بھر پور آواز میں پوچھا ابھی ابھی ایک کنیز میری طرف گئی اور اس نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ نے مجھے بلایا ہے بلایا ہے کیا یہ درست ہے؟

شہزادہ خلیل نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”ہاں تمہیں بلانے کے لیے میں نے ہی اس کنیز کو تمہاری طرف بھیجا تھا۔“

اپنی مکر کو ایک زاہد شکن بل دیتے ہوئے شاری ملک نے پوچھا۔ ”تو پھر بتائیں کہ آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟“

خلیل چند قدم آگے بڑھ کر شاری ملک سے اور قریب ہوا پھر وہ بولا۔ ”اے شاری ملک! میں اپنا مدعا کہنے کے لیے کسی تمہید سے کام نہ لوں گا۔ جوابات میں تم سے لے کر اپنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور تم سے شادی کا خواہاں ہوں۔“

شہزادہ خلیل کی اس خواہش پر شاری ملک چونکی اور پوچھا۔ ”کیا یہ بات آپ اپنے
خواس میں کہہ رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو اسے شہزادہ خلیل! کو آپ کی اس پیشکش سے
انکار کرنا کفرانِ نعمت ہے لیکن کون ہماری اس شادی کو پسند کرے گا اور کون ہم دونوں
کی شادی کا اہتمام کرے گا۔“

خلیل نے چپاتی نکالتے ہوئے کہا۔ ”اے شاری ملک! اگر تو میری بیوی بننا پسند
کرے تو اس شادی کا اہتمام میں ابھی اور اسی وقت کر سکتا ہوں۔“
شاری ملک نے مسکراتے ہوئے اپنا فیصلہ دیا۔ ”میں آپ کے شادی کرنے
لیے ابھی اور اسی وقت تیار ہوں۔“

شہزادہ خلیل نے خوشی میں آگے بڑھ کر شاری ملک کے دونوں ہاتھ اپنے
ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ”اگر ایسا ہے شاری ملک! تو سنو شہر کے جنوبی حصے
میں مکھنوں نام کی سرائے ہے اس کا مالک جس کا نام سووون ہے وہ میرے جاں نثاروں
میں سے ہے۔ میں ابھی اس سرائے کی طرف جاتا ہوں۔ تم تھوڑا فاصلہ رکھ کر میرے پیچھے
پیچھے اسی سرائے کی طرف آؤ۔ وہاں میرے سب دوستوں کی موجودگی میں میری تمہاری
شادی ہو جائے گی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوگی۔“

اے شاری ملک! اس سرائے کے اندر انتہائی آرام دہ اور محفوظ تہ خانے بنے
ہوئے ہیں اور ان تہ خانوں کے اندر ہم میاں بیوی کی حیثیت سے بہترین وقت گزار
سکتے ہیں اور خطرے کے وقت ان تہ خانوں کے اندر تم پناہ بھی لے سکتی ہو۔ یوں تمہاری
ہر طرح کی مدد اور ہر قسم کے تعاون برآباد ہوگا۔“

شاری ملک نے اپنی بھرپور خوشیوں کو ضبط میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ
کا یہ فیصلہ منظور ہے۔“

اس پر خلیل نے شاری ملک کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور پھر وہ سمرقند کے جنوبی
حصے میں مکھنوں نام کی سرائے کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں آگے پیچھے اس سرائے میں
داخل ہوئے اور پھر وہاں شہزادہ خلیل کے دوستوں کی موجودگی میں ان دونوں کی

شادی ہو گئی تھی۔



مکھنوں نام کی سرائے میں شاری ملک کے ساتھ شادی کرنے کے بعد شہزادہ
خلیل نے اس کے ساتھ تھوڑی دیر قیام کیا پھر وہ شاری ملک کو حرم سرا میں چھوڑ
کے لیے آیا اور ابھی یہ دونوں سرائے سے لوٹ کر حرم سرا اور شاہی مہمان خانے کے
درمیانی حصے میں واقع باغ کے اندر باہم محو گفتگو ہی تھے کہ امیر تیمور سے ملنے کے لیے
نور الدین، یوگرین اور نائیا کے علاوہ اس مہم میں حصہ لینے والے اپنے ساتھیوں کے
ساتھ باغ میں داخل ہوا۔

نور الدین نے خلیل اور شاری ملک کو اکٹھے کھڑے اور چاہت و محبت کی
لفتگو کرتے دیکھ لیا تھا۔ جونہی شاری ملک کی نظر نور الدین پر پڑی، وہ سہم سی گئی
اور وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی حرم سرا کی طرف چلی گئی تھی۔

اس موقع پر شہزادہ خلیل تیزی سے نور الدین کی طرف آیا اور قریب آکر اس نے
نور الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے نور الدین! ایسا گناہ ہے تم کسی مہم سے لوٹ
رہے ہو اور یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟“

نور الدین نے گہری نگاہوں سے خلیل کی کیفیت کا جائزہ لیا اور کہا۔ ”یہ
میرے ساتھ لٹھو انیا کے جرنیل یوگرین اور ان کی بیٹی نائیا ہے۔“

نور الدین کے اس جواب پر خلیل کی حالت جنونی اور غصیلی ہو کر رہ گئی تھی۔
شاید اس انکشاف پر کہ یوگرین اور نائیا کو نور الدین نے اس کے پیچھے ہوئے ساتھیوں
سے بچا لیا ہے۔ خلیل ابھی تک اسی خفقاتی کیفیت میں ہی کھڑا تھا کہ نور الدین اپنا
لھوڑا اس کے قریب لایا اور پھر جھک کر اس نے راز داری کے ساتھ خلیل سے
برگوشی کی۔

”اے خلیل! میرے عزیز! میں اس شاری ملک کو بہتر طور پر جانتا ہوں اس
لاپرواہی میں تمہارے ساتھ راز و نیاز کرنا مناسب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غیر

”بقول لڑکی تمہیں بھٹکا کر اور گمراہ کر کے رکھ دے گی۔“

خیلین تو پہلے ہی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ اس پر نور الدین کی اس گفتگو نے اسے اپنے سے باہر کر دیا۔ لہذا نور الدین کو مخاطب کر کے وہ زور سے چلا گیا۔ ”اے نور الدین! مت بھولو کہ تم ایک غلام ہو اور اپنے آپ کو غلامی کی حدود میں رکھ کر میرے ساتھ گفتگو کرو۔“ اس کے ساتھ ہی خیلین وہاں سے چلا گیا۔ یوگرین اور نائیا خیلین کے اس رویے پر غمگین سے ہو گئے تھے۔ نور الدین کے لشکر کی بھی خیلین کے اس رویے کا برا محسوس کر رہے تھے۔ نور الدین کی بھی گردن جھک گئی تھی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے آگے بڑھا دیا تھا۔

نور الدین کے ساتھی باہر ہی کھڑے رہے جب کہ نور الدین، یوگرین اور نائیا کے ساتھ تیمور کے کمرہ خاص میں داخل ہوا۔ تیمور نے اپنی جگہ سے اٹھ کر نور الدین سے مصافحہ کیا اور اس وقت وہ اپنے کمرے میں اکیلا تھا اور جب نور الدین نے یوگرین اور نائیا سے اس کا تعارف کرایا تو تیمور نے یوگرین کے ساتھ پرجوش مصافحہ کرنے کے بعد نائیا کے سر پر انتہائی شفقت اور ہمدردی سے ہاتھ پھیرا۔ پھر تیمور نے ان تینوں کو اپنے قریب بٹھایا اور یوگرین کو مخاطب کر کے اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ ”اے یوگرین! انتھو نائیا میں ویٹولڈ کے ہاتھوں جو کچھ تم دونوں باپ بیٹی پر گزری اس کے لیے مجھے بڑا افسوس اور دکھ ہوا۔ کاش ویٹولڈ تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا۔ کاش کسی نے اس بڑی اور بدی پر ویٹولڈ کا محاسبہ کیا ہوتا۔“

دراؤگ کہ تیمور پھر یوگرین سے کہہ رہا تھا۔ ”اے یوگرین! تم فی الحال اپنی بیٹی نائیا کے ساتھ سمرقند کے شاہی مہمان خانے میں قیام کرو اور جب اس شہر سے مانوس ہو جاؤ گے تو پھر جہاں تم پسند کرو گے وہیں تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا۔“

یوگرین سے ہٹ کر تیمور نے نور الدین کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے نور الدین! میں سمجھتا ہوں، برف باری کی اس مہم نے تمہیں تھکا دیا ہوگا۔ لیکن اس کے

باوجود میں تم پر یہ انکشاف کروں کہ کل تمہیں ویٹولڈ کے مقابلے میں قتل خان اور ایکو کی مدد کے لیے شمالی مہم پر روانہ ہونا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ ویٹولڈ کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی تم وہاں پہنچ جاؤ۔ میں ایک قاصد کے علاوہ چند ناظر بھی شمال کی طرف روانہ کر دیئے ہیں جو نہ صرف قتل خان اور ایکو کو تمہاری آمد کی اطلاع کریں گے بلکہ وہ ویٹولڈ کے لشکر کی نقل و حرکت سے متعلق بھی تمہیں باخبر رکھیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب تم آرام کرو تاکہ کل تازہ دم ہو کر اپنی شمالی مہم پر روانہ ہو سکو۔

قبل اس کے کہ نور الدین وہاں سے اٹھ کر جاتا یوگرین نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! کیا ایسا ممکن نہیں کہ نور الدین کی کمانداری میں جو لشکر ویٹولڈ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگا۔ اس لشکر کے اندر میں بھی شامل ہوں۔ اس لیے کہ میں نور الدین کو لڑتے ہوئے دیکھ چکا ہوں کہ راستے میں کچھ رہزموں نے ہم پر حملہ کر دیا تھا پر نور الدین نے ان کی خوب سرکوبی کی۔ لہذا میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ ویٹولڈ کے مقابلے میں نور الدین ضرور کامیاب ہوگا۔ اسی بنا پر نور الدین کے لشکر میں شامل ہو کر میں نور الدین کے مقابلے میں ویٹولڈ کی بے بسی اور لاچارگی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میری بیٹی بھی میرے ساتھ ہی رہے گی۔ اس لیے کہ ابھی یہ یہاں اجنبی ہے اور میری عدم موجودگی میں یہ یہاں اجنبیت محسوس کرے گی لہذا میں اسے بھی اپنے ساتھ نور الدین کے لشکر میں رکھنا چاہتا ہوں۔“

یوگرین کے خاموش ہونے پر تیمور نے فکر گیر سے لہجے میں کہا۔ ”میری طرف سے تم دونوں باپ بیٹی کو نور الدین کے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ پر اس بات کا ذکر تم لوگوں نے آتے ہی کیوں نہ کیا کہ راستے میں تم لوگوں پر راہزن حملہ آور ہو گئے۔ وہ کون تھے اور کس علاقے سے ان کا تعلق تھا۔“

یوگرین نے بات کو ٹلنے کی خاطر کہا۔ ”یہ ایک معمولی اور ناقابل ذکر واقعہ ہے امیر! نور الدین نے چون کہ ان سب کا صفایا کر دیا تھا۔ لہذا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون لوگ تھے۔“ تیمور مطمئن سا ہو گیا۔ اس موقع پر نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور اجازت

کہ اسے اس کے اخلاق و کردار اور اس کی سیرت و تہذیب کے باعث بڑے بڑے
مہزادہ آزاد مردوں پر ترجیح دی جائے۔

یوگرین کی اس گفتگو پر تیمور کا چہرہ غصے میں تپ کر رہ گیا تھا پھر اس نے پھر
لہجے اور کھولتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اے یوگرین! پہلے یہ تو کہو کہ اس خلیل نے نورالدین کے ساتھ کیسا ذلت آمیز
سلوک کیا۔ اس موقع پر خلیل کا رنگ پیلا ہو چکا تھا اور اس کے بدن پر خوف و فکر مندی
کے باعث ایک کپکپی طاری تھی۔ یوگرین خلیل کی طرف دھیان دیکے بغیر بولا۔

”اے امیر تیمور! جس وقت نورالدین ہمیں لے کر اس احاطے میں داخل ہوا
تو خلیل نورالدین کے قریب آیا۔ نورالدین نے اس سے سرگوشی میں نہ جلنے کیا کہا کہ یہ
خلیل بپھر گیا اور انتہائی حقارت کے انداز میں اس نے نورالدین سے کہا۔ اے نورالدین
مت بھولو کہ تم ایک غلام ہو اور غلامی کی حدود میں رہ کر مجھ سے گفتگو کیا کرو۔“

امیر تیمور نے غور سے خلیل کی طرف دیکھا اور اس موقع پر اس کی آنکھوں میں
خلیل کے لیے نفرت کی آتش ریت اور تیز لپکتے شعلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر خلیل کو
مخاطب کر تیمور بُری طرح دھاڑا۔

”اے خلیل! تم پر ایک الزام عائد ہو رہا ہے جس شست پر تم بیٹھے ہو اسے
چھوڑ دو اور ایک ملزم کی حیثیت میں میرے سامنے آکر کھڑے ہو اور اس کی وضاحت کرو
کہ تم نے کیوں نورالدین کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔“

اس موقع پر خلیل کانپ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر تیمور کے سامنے آکھڑا ہوا۔
شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد بھی اس کی طرف ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے
خلیل کی گردن جھکی ہوئی تھی اور ہکلاتے ہوئے اس نے کہا۔ اے دادا محترم!

تیمور نے فوراً اسے ٹوک دیا۔ اس وقت تم ایک ملزم کی حیثیت سے کھڑے
ہو۔ تم میرے لیے صرف خلیل اور میں تمہارے لیے دادا نہیں صرف تیمور ہوں۔
خلیل شاری ملک کا ذکر وہاں نہ لانا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے بات کو ختم

طلب انداز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں اب جاتا ہوں۔“

تیمور نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ ”اے اب تم جاؤ، جا کر آرام کرو۔ کل
تم نے اپنی شمالی مہم پر بھی روانہ ہونا ہے۔“ نورالدین اٹھ کر باہر نکل گیا۔ آزادوں کے
تیمور نے اپنے ایک محافظ کو اندر بلایا اور جب وہ اندر آیا تو تیمور نے بلند گو نجدار آواز
میں اپنے اس محافظ کو مخاطب کر کے کہا۔ تم ابھی جاؤ اور اسقف یوحنا اس کی
بیوی اور اس کی بیٹی انجیلینا کو بلا کر لاؤ۔ وہ محافظ تھوڑا سا جھکنے کے بعد باہر نکل گیا تھا۔
اس محافظ کے جانے کے بعد یوگرین نے انتہائی رازداری کے ساتھ پوچھا۔

”اے امیر! کیا نورالدین غلام ہے؟ تیمور کے چہرے پر ناپسندیدگی کی لہریں پھیل چکیں
گئی تھیں۔ وہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کمرے میں تیمور کا بیٹا شاہ رخ اور
اس کے پوتے محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل داخل ہوئے اور تیمور کے سامنے ایک
طرف ہو کر بیٹھ گئے۔

تیمور نے پہلے ان تینوں سے یوگرین کا تعارف کرایا۔ پھر اس نے ایک سبب
کا اظہار کرتے ہوئے پھر پوچھا۔ اے یوگرین! یہ تم سے کس نے کہا کہ نورالدین ایک
غلام ہے۔“

یوگرین نے جواب میں کہا۔ ”اے امیر! ایک تو نورالدین نے خود اپنا تعارف
کراتے ہوئے مجھ سے اور میری بیٹی سے کہا۔ کہ وہ ایک غلام ہے۔ اے امیر! میں
نے شروع میں یہی سمجھا کہ نورالدین نے ایسا عاجزی میں اور اپنے نفس کی کسر کرتے ہوئے
کہا ہے۔“

پھر اے امیر! جب نورالدین! ہمارے ساتھ اس محل کے احاطے میں داخل
ہوا تو آپ کا یہ پوتا جس کا تعارف آپ نے خلیل کے نام سے کرایا ہے۔ اس نے
نورالدین کے ساتھ انتہائی ذلیلانہ اور اہانت آمیز سلوک کیا تب مجھے یقین ہو گیا۔ کہ
نورالدین واقعی ایک غلام ہے۔ پھر بھی اپنے اطمینان کی خاطر میں نے آپ سے اس کی
تصدیق چاہی۔ اے امیر! اگر یہ نورالدین واقعی غلام ہے تب بھی وہ اس قابل ہے

کرنے کی خاطر فوراً کہہ دیا۔ ”مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے اور آئندہ کے لیے میں آپ سے محتاط رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔“

تیمور نے کچھ سوچا پھر فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا۔ ”اگر تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہے تو سنو! نورالدین کل یہاں سے شمالی ہم کے لیے کوچ کرے گا اور جب میں اسے رخصت کروں تم میری موجودگی میں اس سے معافی مانگو۔“

خلیل نے فوراً گردن کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ضرور آپ کی موجودگی میں نورالدین سے معافی مانگ لوں گا۔“

تیمور کو کچھ اطمینان ہوا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے شاہرخ کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”شاہرخ! میرے بیٹے! تم ابھی اور اسی وقت اٹھ کر شہر اور مستقر میں منادی کے ذریعے اعلان کرو کہ آئندہ نورالدین کو شیخ نورالدین کہہ کر پکارا جائے گا اور خلیل! تم بھی سن لو، کہ نورالدین مجھے اپنے بیٹے شاہرخ جیسا عزیز و قریب ہے اور پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی بھی جنگی مارست میں اس جیسا نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی بھی تیغ زنی میں آق بوغا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جب کہ نورالدین نے تیغ زنی میں آق بوغا کو لمحوں کے اندر کچھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اب تم سب جاسکتے ہو۔ شاہرخ، محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل فوراً وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔“

ان کے جانے کے بعد تیمور نے یوگرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے یوگرین! اب تو تمہیں یقین ہوا کہ نورالدین کی حیثیت یہاں ایک غلام کی سی نہیں ہے بلکہ وہ مجھے میرے فرزند جیسا عزیز ہے۔“

یوگرین نے پوچھا۔ ”کیا نورالدین کسی دور میں غلام رہا ہے جو اسے غلام سمجھا جاتا ہے اور اب آپ نے اسے شیخ نورالدین پکارتے جانے کا اعلان کیا ہے۔“

تیمور کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ”سنو یوگرین! میں تمہیں نورالدین کے اصل حالات سناتا ہوں۔ میرا امیر الامراء سیف الدین کچھ عرصہ قبل ایران کی طرف گیا۔ وہاں اس نے نورالدین کو دیکھا۔ یہ نورالدین اس وقت وہاں ایک ایرانی کا غلام تھا جب کہ اس کا باپ

بھی اس ایرانی کے پاس غلام ہوا کرتا تھا۔ وہاں سیف الدین نے نورالدین کا ایک تیغ زنی کا مقابلہ دیکھا اور اسے نورالدین بے حد پسند آیا۔ اس بنا پر سیف الدین نے نورالدین کو اس ایرانی تاجر سے خرید لیا اور اسے اس وقت میرے سامنے پیش کیا جب میں اپنا دربار لگا رہا تھا۔

سیف الدین کا شاید یہ خیال تھا کہ میں نورالدین کو ایک غلام کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لوں گا اور سیف الدین کی چونکہ کوئی اولاد نہیں ہے لہذا وہ یہ بھی خواہش رکھتا تھا کہ نورالدین کو وہ اپنا بیٹا بنا کر اپنے پاس رکھے لیکن میں نورالدین کو غلام کی حیثیت میں رکھنے کے بجائے اس کا اپنا کوئی مقام متعین کرنا چاہتا تھا۔ سیف الدین نے چونکہ میرے سامنے نورالدین کی طاقت و قوت اور اس کی تیغ زنی کی بے حد تعریف کی تھی۔ لہذا میں نے بھرے دربار میں اس کا انتظام کیا اور اپنے ایک سالار آق بوغا سے اس کا مقابلہ کرا دیا۔ میں یہ بھی یہاں بتا دوں کہ آق بوغا میرے لشکر میں سب سے طاقتور اور ماہر تیغ زن خیال کیا جاتا تھا لیکن بھرے دربار میں نورالدین نے لمحوں کے اندر آق بوغا کو اپنے سامنے زیر کر کے رکھ دیا تھا۔

اس کے علاوہ اے یوگرین! جب میں منگولوں کے حکمران توغتمش کے خلاف شمالی مہموں میں مصروف تھا تو ایک نازک موقع پر اس نورالدین نے ہماری سپاہی کو شاندار فتح میں تبدیل کیا بلکہ اس نے میری جان بھی بچائی۔ اسی بنا پر میں نورالدین کو اپنے بیٹے کی طرح چاہتا ہوں۔“

یوگرین نے پھر پوچھا۔ ”اگر نورالدین کو آپ نے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے آپ کو کس نفسی میں مبتلا کر کے رکھتا ہے اور کیوں وہ چپ چاپ خاموش اور بچھا بچھا سا رہتا ہے۔ یوگرین کی طرف تیمور نے غور سے دیکھا اور کہا۔

”اے یوگرین! نورالدین کے اداس اور خاموش رہنے کی بھی ایک وجہ ہے۔ منوجب سیف الدین اسے ایران سے خرید کر یہاں لایا اور بھرے دربار میں اس کے آق بوغا کو ہرا دیا تو میں اس کی اس کی کارکردگی سے بے حد خوش ہوا۔ پس میں نے نورالدین کے سلسلے میں ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ سمرقند کے اسقف یوحنا کی ایک بیٹی ہے اس کا نام ایجنلینا ہے اور وہ ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی ہے۔ اسقف یوحنا نے نورالدین کی آمد سے چند

ماہ قبل مجھے یہ بھی کہا تھا کہ میں اس کی بیٹی کے لیے کسی مناسب لڑکے کا انتخاب کروں۔ تاکہ ایجنیلینا سے اس کی منگنی کر دی جائے کیوں کہ ایجنیلینا ابھی کم عمر تھی۔ پس جب نورالدین نے مقابلہ جیتا تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ نورالدین اور ایجنیلینا کی منگنی کر دی جائے اور چند سال بعد دونوں کی شادی کر کے رخصتی کر دی جائے گی۔

اس سلسلے میں جب میں نے اسقف یوحنا سے بات کی تو وہ بخوشی اس پر رضا ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ بھرے دربار میں جہاں نورالدین نے یہ مقابلہ جیتا تھا وہاں ایجنیلینا کی صورت میں اسے بہترین انعام سے نوازا جائے۔ ایجنیلینا بھی اس وقت دربار کے زنانہ حصے میں موجود تھی۔ لہذا میں اور اس کا باپ یوحنا اس طرف گئے جہاں ایجنیلینا اپنی ماں مالتھس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں یہاں یہ بھی بتانا چلوں کہ ایجنیلینا کی ماں مالتھس بھی اس پر خوش اور رضامند تھی کہ ایجنیلینا کو نورالدین سے بیاہ دیا جائے لیکن جب ایجنیلینا اس سے متعلق مشورہ لیا گیا تو اے یوگرین! جانتے ہو میرے اس مشورے کے جواب میں ایجنیلینا نے نورالدین سے متعلق کیا کہا؟

اس موقع پر نائلیا ایک جستجو کی سی حالت میں تیبور کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ یوگرین نے انتہائی بے تابی کی حالت میں پوچھ لیا۔ اے امیر! ایجنیلینا نے نورالدین سے متعلق آپ کو کیا جواب دیا؟

تیبور نے ایک آہ بھرنے کے انداز میں کہا۔ اے یوگرین! ایجنیلینا نے کہا۔ کیا میرے لیے آپ کے پاس ایک غلام ہی رہ گیا تھا اور پھر سارے دربار کو سناتے ہوئے ایجنیلینا نے بلند آواز میں کہا۔ میں ہرگز ایک غلام ابن غلام کو اپنی زندگی کا ساتھی نہ بناؤں گی۔ اور ایجنیلینا کا جواب وہاں کھڑے نورالدین نے بھی سن لیا تھا۔ کاش ایجنیلینا نورالدین سے متعلق ایسا سخت اور ناگوار جواب نہ دیتی۔ اگر وہ نورالدین کے ساتھ شادی پر رضامند ہو جاتی تو اس کی یہ رضامندی میری خوشی اور میری روحانی تسکین کا باعث ہوتی۔ اس لیے کہ نورالدین کو تو میں اپنے بیٹے شاہ رخ جیسا سمجھتا ہوں۔ بس ایجنیلینا کے اس جواب نے ہی نورالدین کو ایک کسر نفسی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے اور اکثر وہ

کھویا کھویا اور اُداس ہی رہتا ہے۔ میں نے دو ایک بار اس سے کسی اور لڑکی کے ساتھ شادی کی بات کی لیکن وہ رضامند ہی نہیں ہوتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس کا دل ہی ٹھٹھ گیا ہو۔

یوگرین نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ یہ ایجنیلینا نام کی لڑکی انتہائی ظالم و احمق لڑکی ہے جس نے نورالدین جیسے جوان کو ٹھکرا دیا ہے۔ درنہ قسم مریم کی نولہ دین تو ان جوانوں میں سرفہرست ہے جن کی خوب صورت و حسین لڑکیاں خواہش کرتی ہیں۔ کاش نورالدین کے بارے میں اس ایجنیلینا کو کوئی سمجھاتا۔

جواب میں تیبور مسکرایا اور کہا۔ یہ ایجنیلینا اپنے ماں باپ کے ساتھ تھوڑی دیر تک یہاں آنے والی ہے۔ اسے اس کے ماں باپ نے بھی بہت سمجھایا لیکن وہ نورالدین کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نورالدین جس قدر سادگی پسند اور پُر خلوص جوان ہے اسی قدر ایجنیلینا ظاہری شان و شوکت اور زرِ برق ماحول کی دلدلہ ہے اور اب تو میرے خیال میں اگر کبھی کوئی ایسا موقع آئے کہ ایجنیلینا خود اس سے شادی کی خواہش مند ہو تب بھی نورالدین اس پر آمادہ نہ ہو اور اے یوگرین! اس کے علاوہ میں ایجنیلینا کی منگنی۔

تیبور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیونکہ ایجنیلینا، اس کا باپ یوحنا اور ماں مالتھس اس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ تیبور نے پہلے ان تینوں کا یوگرین اور اس کی بیٹی نائلیا سے تعارف کرایا۔ پھر یوحنا اور مالتھس تو تیبور اور یوگرین کے قریب بیٹھ گئے۔ جبکہ ایجنیلینا نائلیا کے قریب جا بیٹھی اور سرگوشی اور رازداری میں اس کے ساتھ کسی موضوع پر گفتگو کرنے لگی تھی۔

پھر اسقف یوحنا نے کہا۔ اے امیر! آپ نے ہمیں طلب کیا ہے۔ تیبور مسکرایا اور بولا۔ ہاں، تم تینوں کو میں نے ایک اہم کام کو انجام دینے کے لیے بلایا ہے اور اس کے لیے میں کوئی تمہیدی جملے نہ کہوں گا اور کام یہ ہے کہ میری بہو خانناہ اپنے بیٹے خلیل کے لیے ایجنیلینا کی خواہش مند ہے اور چاہتی ہے کہ اگر

و اب سے مطمئن کر سکوں۔

اینجیلینا نے دھیمی اور مردہ سی آواز میں کہا۔ ”اے میری ماں! میں اس پیش کش کو قبول کرتی ہوں۔“ نالسیا کے چہرے پر اس جواب سے حیرت اور ماتحتی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

نالسیا کے چہرے پر شاید اس وجہ سے حیرت کے آثار نمودار ہوئے تھے کہ اینجیلینا نور الدین جیسے بلند کردار کو چھوڑ کر خلیل جیسے داغدار سیرت کے شہزادے کو اپنا رہی تھی ہر حال ماتحتی سے بعد کے پاس آئی اور اپنی مسکراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! میری بیٹی اینجیلینا شہزادہ خلیل کو قبول کرتی ہے اور یہ یقیناً ہمارے لیے خوش بخئی کا باعث ہے۔“

تیمور نے بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ فیصلہ میرے لیے بھی باعث مسرت ہے۔ اینجیلینا کی وجہ سے مجھے اُمید ہے کہ خلیل اپنے باپ کے برخلاف راستی کی راہ اپنائے گا۔ یہاں اس وقت خلیل کی ماں اور میری بہو خانزادہ بھی ضرور ہوتی، لیکن وہ غلیل ہے۔ اس لیے یہاں نہیں آسکی۔“ اس کے ساتھ ہی تیمور نے ایک قیمتی ہیرا جڑی ہوئی بھاری سنہری انگوٹھی ماتحتی کو تھما دی اور کہا۔ ”اے ماتحتی! میری طرف سے منگنی کی یہ انگوٹھی اینجیلینا کو پہنا دی جائے۔“

ماتحتی نے انگوٹھی لے کر اینجیلینا کو پہنا دی تھی۔ پھر تیمور نے اپنے ایک محافظ کو بلایا اور جب وہ محافظ اندر آیا تو تیمور نے یوگرین اور نالسیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

”یہ دونوں ہمارے معزز اور عزیز ترین مہمان ہیں۔ انہیں شاہی مہمان خانہ کی طرف لے جاؤ۔ عمارت کا وہ حصہ جو باغ کی طرف ہے اور قدرے پرسکون ہے وہ ان کے لیے مختص کر دو اور وہاں ان کے لیے ضرورت کی ہر چیز کا انتظام کر دو۔“ اس کے ساتھ تیمور نے یوگرین سے بھی کہا۔ ”اے یوگرین! اب تم دونوں باپ بیٹی کھانا کھا کر آرام کرو کہ کل تمہیں نور الدین کے ساتھ شمالی مہم پر روانہ ہونا ہوگا۔“

”تم دونوں پسند کرو اور اینجیلینا کی بھی مرضی ہو تو خلیل اور اینجیلینا کی منگنی کر دی جائے اور پھر کچھ ہی عرصے بعد شادی اور رخصتی ہو جائے گی تاکہ اس دوران خلیل اور اینجیلینا ایک دوسرے کو سمجھنے کے علاوہ ایک دوسرے سے مانوس بھی ہو سکیں۔ اب تم دونوں میاں بیوی کہو کیا کہتے ہو۔“

یوحنا اور ماتحتی نے ایک دوسرے کے ساتھ رازداری کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مشورہ کیا۔ پھر یوحنا بولا۔ ”اے آقا! میں اور ماتحتی تو اس رشتے کو بخوشی قبول کرتے ہیں تاہم اینجیلینا کی مرضی بھی اس سلسلے میں جاننا ضروری ہے۔“

تیمور پھر بولا۔ ”اے ماتحتی! تم اینجیلینا کی ماں ہو۔ اینجیلینا بھی اس وقت یہیں ہے لہذا غلطی میں اس سے مشورہ کرو۔ پھر مجھے اس کے فیصلے سے آگاہ کرو۔ اس گفتگو پر اینجیلینا نے نالسیا کے پیچھے ایک طرح سے اپنے آپ کو چھپا لیا اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور چہرہ آنچل میں ڈھکا ہوا تھا۔ ماتحتی اٹھ کر اینجیلینا کے پاس آئی اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”اینجیلینا! اینجیلینا! میری بیٹی! تو نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی منگنی کی امیر تیمور کی طرف سے پیش کش کو سن لیا ہوگا۔ میں اور تیرا باپ تیرے لیے شہزادہ خلیل کو پسند کر چکے ہیں۔ اب تو تیرا اس پیش کش پر کیا جواب ہے۔“

اس موقع پر اینجیلینا کی گردن اور زیادہ جھک گئی تھی۔ ماتحتی اس کے پاس بیٹھ گئی اور مدہم آواز میں رازداری کے ساتھ اس کے کان میں کہا۔ ”اے اینجیلینا! میں تیری زبان سے کچھ سننے کی خواہش رکھتی ہوں۔ دیکھ میری بیٹی! بالکل پتھر نہ ہو جا اپنی زبان کو حرکت میں لا۔ ادرسن! ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔ تو پہلے نور الدین کے لیے بھی انکار کر چکی۔ وہ اس وقت غلام ضرور تھا لیکن اب تو دیکھتی ہے کہ وہ امیر کے نہ صرف برائیوں میں سے ایک ہے بلکہ امیر کا منظورِ نظر بھی ہے۔“

اے اینجیلینا! میں سمجھتی ہوں تو نور الدین کے معاملے میں پہلے ہی ایک بہت بڑی غلطی اور حماقت کر چکی ہے۔ اب اس پیش کش پر تو کھل کر مجھ سے کہہ تاکہ میں امیر کو تیرے

پھر پُر زور مصافحہ کیا اور نور الدین کو اس کے لشکر کے ساتھ رخصت کر دیا تھا اس کے بعد سیف الدین نے نور الدین کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔

تیمور اور دیگر راکین سلطنت کے واپس جانے کے بعد یوگرین اور اس کی بیٹی نالسیا دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے نور الدین کے قریب آئے۔ نالسیا اس وقت مردانہ جنگی لباس میں تھی اور انتہائی وجیہہ و حسین اور جاذب و پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

جب وہ دونوں نور الدین کی طرف آئے تو نور الدین کی نگاہ نالسیا پر بھی پڑی۔ قریب آکر دونوں باپ بیٹی نے نور الدین سے سلام کہا۔ نور الدین نے خوش طبعی میں سلام کا جواب دیا اور یوگرین سے کہا۔ ”آپ اپنی بیٹی کو سمرقند میں ہی پھوڑ آئے ہونے۔ اس تکلیف دہ مہم میں یہ ہمارے ساتھ ویسے ہی اذیت اور کرب میں مبتلا رہے گی۔“

اس موقع پر نالسیا نور الدین کے قریب آئی اور اپنی مسکراتی، گنگنائی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! آپ میری فکر نہ کریں۔ میں ان حالات کی عادی ہوں لشکر میں شامل ہونے کی نسبت سمرقند کے اجنبی ماحول میں انتظار کی کیفیت میں دن گزارنا میرے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوتا۔“

نالسیا کی اس بات کا نور الدین نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس نے اس کی رفتار بڑھا دی تھی



یوگرین اور نالسیا دونوں اُٹھ کر اس محافظ کے ساتھ باہر نکل گئے تھے اس کے بعد پوچھا اور مالتھس بھی تیمور سے اجازت لینے کے بعد انجیلینا کے ساتھ وہاں سے چلے گئے تھے۔

دوسرے روز نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے کوچ کر رہا تھا۔ اس حالت میں کہ وہ اپنے لشکر کے آگے آگے اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ خود تیمور اور سیف الدین کے علاوہ دوسرے راکین سلطنت اسے رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ تھے۔ اس موقع پر جب تیمور اپنے گھوڑے پر سوار نور الدین کو رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ تھا شہزادہ خلیل ایک طرف سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور نور الدین کے قریب آکر اس نے بڑی عاجزی میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اے نور الدین! میں اپنے کل کے روئے پر انتہائی طوع پر نادم ہوں جو میں نے تمہیں غلام کہہ کر پکارا۔ میں اپنے اس روئے کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔“
نور الدین نے فراخ دلی کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے خلیل! میں تو تمہیں پہلے ہی معاف کر چکا ہوں۔“ دونوں کی اس گفتگو پر تیمور بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خلیل وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑا سا اور آگے جا کر تیمور نے اپنے گھوڑے کو روکا اور نور الدین سے مصافحہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! یہاں سے میں تمہیں اللہ حافظ کہتا ہوں۔ میری اور پوری قوم کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب لوٹو پھر تیمور اپنا منہ نور الدین کے کان کے قریب لے گیا اور رازداری میں اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! میں نے انجیلینا اور خلیل کی منگنی کر دی ہے۔ میری نگاہ میں معزز گھرانوں کی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب تم باعافیت اپنی مہم سے لوٹو تو تمہاری بھی تمہاری پسند کے مطابق شادی کر دی جائے۔“

اپنے سر کو جھکاتے ہوئے نور الدین نے کمال سنجیدگی میں کہا۔ ”اے امیر! اس کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔“ تیمور کا چہرہ کچھ فکر گیر ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے ایک بار

قتلقت نے بے تابی اور بے چینی میں کہا۔ ”اُسے فوراً اندر لے کر آؤ۔“

تھوڑی ہی دیر بعد وہ محافظ و بیٹولڈ کے ایک قاصد کو اندر لے کر آیا۔ اسے دیکھتے ہی قتلقت نے بھاری اور گونجدار آواز میں پوچھا۔ ”تم و بیٹولڈ کی طرف سے ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟“

اس قاصد نے بانس کے ایک نخل کے اندر سے و بیٹولڈ کا کاغذ پر لکھا ہوا پیغام نکالا اور قتلقت کو تھما دیا۔ قتلقت نے پڑھا، لکھا تھا:

”خدا نے مجھے ساری دنیا کا بادشاہ بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ تم لوگوں کے خلاف میں صلیبی جنگ کا اعلان کر چکا ہوں اور اس اعلان کے جواب میں مجھے ایسی عسکری تقویت ملی ہے جس کا تم لوگ اندازہ نہیں کر سکتے ہو۔“

میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اپنے سکوں پر لتھوانیا کا مٹھہ لگاؤ میں تمہیں یہ بھی اطلاع کر دوں کہ اب میرے ساتھ تمہاری طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کی کیفیت ایسے ہی ہے جیسے فضاؤں کے اندر اڑتا ہوا بے کنار ٹڈی دل۔ جس طرح کوئی اس ٹڈی دل کو شام نہیں کر سکتا اسی طرح تم لوگ میرے لشکر کی عددی حالت کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے ہو۔“

میں ایک بے روک آندھی، اٹل طوفان اور بہالے جانے والے سیلاب کی صورت میں تمہاری طرف بڑھ رہا ہوں۔ اے قتلقت خان! اب یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ میرا بیٹا اور میرا ماتحت بن کر رہو یا پھر میرا غلام بننا قبول کر لو۔ جو بھی صورت تم اختیار کرو، میں اسی کے لیے تیار ہوں اور اے قتلقت خان! تم اگر اپنے سارے حمایتیوں کو اپنے ساتھ ملا لو تب بھی میرے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکو گے اور میری غلامی سے بچ نہ سکو گے۔ اگر تمہارا جواب مثبت ہو تو تمہاری بہتری اور اگر یہ جواب



تیمور کی سلطنت کے شمالی حصوں کے حاکم قتلقت اور ایکو سرائے شہر میں جمع ہوئے اور و بیٹولڈ کے خلاف دونوں اپنی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ دوسری طرف و بیٹولڈ بھی حرکت میں آچکا تھا۔ اس نے لتھوانیاں کے ایک مضبوط اور جبار لشکر کے علاوہ پولینڈ کے لشکر کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا کیوں کہ پولینڈ کا حاکم اس کا بھائی تھا۔ ایسا کرنے کے بعد و بیٹولڈ نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اور اس اعلان کا اُسے یہ فائدہ ہوا کہ یورپ کے مختلف ممالک کے تقریباً پانچ سو فواب، سردار اور جرنیل بھی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ اس صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لیے و بیٹولڈ کے ساتھ آ ملے تھے۔

اس دوران تیمور کے حکم کے مطابق قتلقت نے و بیٹولڈ سے تو قتلقت کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ و بیٹولڈ نے اس خط کا جواب یوں دیا کہ اپنے اس اُن گنت اور طوفانی لشکر کے ساتھ اس نے سیلاب کے تندریلے کی طرح ایک کو اور قتلقت خان کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کر دی تھی۔

قتلقت اور ایکو ایک روز سرائے شہر میں اکٹھے بیٹھے و بیٹولڈ کی اس پیش قدمی کے خلاف تبادلہ خیال کر رہے تھے کہ قتلقت کا ایک محافظ اندر آیا اور اپنے سر کو خم کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے آقا! و بیٹولڈ کا ایک قاصد آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے۔“

نفی میں ہوا تو اے قتل خان! میں زمین کے آخری کناروں تک تمہارا تعاقب کروں گا۔

اے قتل خان! میں دریائے ڈینیپر کو عبور کرنے کے بعد پچاس میل تمہاری زمین کی طرف بڑھنے کے بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے ہوں۔ یہیں پر میں اپنے قاصد کی واپسی کا انتظار کروں گا اور اے قتل خان! یہیں میں تمہاری قیمت اور مقتدر کے لگاڑنے اور سغارنے کا فیصلہ بھی کروں گا۔

ویٹولڈ کا خط پڑھنے کے بعد قتل خان نے وہ خط اپنے قریب بیٹھے تیمور کے دوسرے سالار کو دکھادیا تھا۔ ایدکونے وہ خط پڑھا۔ پھر اس نے ویٹولڈ کے قاصد کو مخاطب کر کے کہا: "اے قاصد! تم دو ایک روز یہاں رکو۔ ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ویٹولڈ کے نام تمہیں اپنا جواب دے دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ایدکونے وہاں کھڑے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ قاصد کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کی رہائش اور کھانے کا انتظام کریں۔ "ایک محافظ آگے بڑھا اور ویٹولڈ کے قاصد کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس قاصد کے جلنے کے بعد قتل خان نے احتجاج کرنے کے انداز میں ایدکونے سے کہا۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔ آپ نے اس قاصد کو صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہوتا کہ ہم عنقریب اپنے عسکر کے ساتھ حرکت میں آ رہے ہیں اور ویٹولڈ کے ساتھ وہیں معاملہ طے کریں گے جہاں اس نے پڑاؤ کیا ہوا ہے۔"

ایدکونے مسکراتے ہوئے کہا: "تم ابھی جوان ہو اس لیے تم سے ایسے ہی جذباتی فیصلے کی امید کی جاسکتی ہے اور اسی بنا پر ویٹولڈ نے تمہیں اپنا بیٹا بنانے کی پیشکش کی ہے۔ جب کہ میں عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں میں ویٹولڈ کو اپنا بیٹا کہہ سکتا ہوں۔ سو قتل خان! میں نے درست فیصلہ کیا ہے۔ اس لیے مجھے امیر تیمور کے جرنیل نورالدین اور اس کے لشکر کا انتظار رہے اور سنا گیا ہے کہ نورالدین ایک بلا کا زیرک جرنیل اور

عاقبتور جوان ہے۔ اس نورالدین کی آمد تک ہمیں ویٹولڈ کے ساتھ اپنے مسائل کو الجھا کر رکھنا چاہیے اور جب نورالدین یہاں پہنچ گیا تو پھر اسی روز ویٹولڈ کے خلاف ہم کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اے قتل خان! میں نے سن رکھا ہے امیر تیمور کا یہ نورالدین نام کا جرنیل۔

ایدکونے کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ ایک محافظ ترین سے اندر آیا اور قتل خان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: "اے آقا! باہر ہمارا ایک خبر آیا ہے اور وہ یہ بتلاتا ہے کہ امیر تیمور کا جرنیل نورالدین اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچا ہے اور شہر کے جنوبی حصے میں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ قبل اس کے قتل خان کچھ کہتا۔ ایدکونے فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "اے قتل خان! میرے عزیز! مجھے جس کا انتظار تھا وہ پہنچ گیا ہے۔ بخدا یہ

نورالدین بڑا نیک سخت جرنیل ہے۔ ادھر میں نے اس کا ذکر کیا اور ادھر خبر نے یہ اطلاع آن کی کہ نورالدین اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے جنوب میں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ اے قتل خان! میرے عزیز! اٹھو اور نورالدین کا استقبال کریں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ویٹولڈ سے نمٹنے کے لیے ہماری بہترین راہنمائی کرے گا۔ اے قتل خان! یہ بھی سن رکھو میں سمجھتا ہوں قدرت پوری طرح ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ اس لیے کہ جواب کے لیے میں نے ویٹولڈ کے سفیر سے دو ایک روز کا وعدہ کیا ہے اور نورالدین کے آنے پر ہم قاصد کو مناسب جواب دینے کے قابل ہو گئے ہیں۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے تھے قتل خان اور ایدکونے جب شہر کے جنوب میں آئے تو انہوں نے دیکھا وہاں واقعی نورالدین

کا لشکر خیمہ زن ہو رہا تھا۔ قتل خان اور ایدکونے ایسی جگہ آکھڑے ہوئے جہاں چند جوان ایک خیمہ نصب کر رہے تھے۔ ایدکونے انہیں مخاطب کر کے کہا: "اے عظیم قوم کے فرزندو! میں ایدکونے اور میرے ساتھ یہ قتل خان ہے۔ کیا تم ہماری راہنمائی کرو گے تمہارے امیر نورالدین کہاں ہیں۔"

ان میں سے جو جوان بیٹھے ہوئے تھے وہ ایدکونے اور قتل خان کا نام سن کر احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: "آئیے میں آپ کو امیر نورالدین کے پاس لے کر چلتا

ہوں۔ ایدکو اور قتلک دونوں غاموشی سے اس جوان کے ساتھ ہو لیے تھے۔

نصب ہوتے نیموں کے اندر تھوڑا سا آگے جا کر ایک جگہ وہ جوان رک گیا۔ ان کے سامنے قریب ہی نورالدین چند جوانوں کے ساتھ مل کر اپنا خیمہ نصب کر رہا تھا اور اس کے دائیں طرف یوگرین بھی کچھ جوانوں کو اپنا خیمہ نصب کرنے میں مدد دے رہا تھا جبکہ نورالدین اور یوگرین کے درمیان جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے وہاں ناب یا کھڑی نورالدین کو عام جوانوں کے ساتھ کام کرتے دیکھ رہی تھی۔

اس جوان نے ایدکو اور قتلک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے صاحبو! وہ سامنے دراز قد جوان جو اس وقت خیمے کی طناب کو کھینچنے کے ساتھ باندھ رہے ہیں وہی نورالدین ہیں۔ ان کے دائیں طرف جو جوانوں کو خیمہ نصب کرنے میں مدد دے رہا ہے وہ ویٹولڈ کا جرنیل یوگرین ہے۔ اس یوگرین کی ایک بیٹی ہے جسے ویٹولڈ نے بے آبرو کرنے کی کوشش کی تھی جس کی بنا پر یوگرین نے ہمارے ہاں پناہ لے لی ہے۔“

یہ یوگرین ہمارے لشکر میں اس لیے شامل ہوا ہے کہ اس جنگ میں وہ اپنی آنکھوں سے ویٹولڈ کی بے بسی اور لاجارگی کا نظارہ کرے۔ اور ان دونوں کے درمیان مراد جنگی لباس میں یوگرین کی وہی نالیسا نام کی بیٹی کھڑی ہے جس کی وجہ سے یوگرین کو ویٹولڈ کے خلاف بغاوت کر کے ہمارے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ اگر آپ دونوں صاحب کہیں تو میں آگے جا کر امیر کو آپ کے آنے کی اطلاع کروں۔“

ایدکو نے ایک عقیدت اور اداوندی میں کہا۔ ایسا امیر جو اپنے شکریوں کے ساتھ ہر کام کرتے ہوئے عار محسوس نہ کرتا ہو۔ اسے ہم کیوں زحمت دیں کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر ہمارا استقبال کرے۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم خود آگے بڑھ کر ایسے امیر کو عقیدت بھرا سلام کہیں۔

اس کے ساتھ ہی ایدکو نے اپنے راہنمائی کرنے والے جوان کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے عزیز! تیرا شکریہ کہ تو نے یہاں تک ہماری راہنمائی کی اور اس کے علاوہ تو نے امیر نورالدین کے علاوہ ویٹولڈ کے جرنیل یوگرین اور اس کی بیٹی کی بھی نشاندہی

کی۔ اب تم جاؤ۔ ہم دونوں اب خود ہی امیر نورالدین سے مل لیتے ہیں۔“ وہ جوان دل پر لوٹ گیا۔ ایدکو اور قتلک آگے بڑھے اور اس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں پر نورالدین کام میں مصروف تھا۔

نورالدین نے بھی انہیں اپنی طرف آتے ہوئے غور سے دیکھا تھا۔ نورالدین کے پاس کھڑے ہونے ہوئے ایدکو اور قتلک نے پہلے باری باری سلام کہا۔ ”ساتھ ہی ایدکو نے بلند آواز میں کہا۔ ”اے امیر نورالدین! میں ایدکو ہوں اور میرے ساتھ یہ قتلک ہے۔ ہم دونوں آپ کو اس شہر میں آمد پر خوش آمد کہتے ہیں۔“

نورالدین اٹھ کھڑا ہوا اور ان دونوں کو گلے لگا کر وہ بڑی گرم جوشی سے ملا۔ اتنی دیر تک یوگرین بھی ان کے نزدیک آ گیا تھا۔ ان دونوں کے باری باری اس سے بھی مصافحہ کیا پھر ایدکو نے یوگرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”امیر نورالدین کے لشکر کا ایک جوان ہماری راہنمائی کرتا ہوا یہاں تک لایا ہے اور وہ ہمیں آپ اور آپ کی بیٹی سے متعلق بھی اطلاعات فراہم کر چکا ہے۔ ہم آپ دونوں باپ بیٹی کو بھی اس شہر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

پھر ایدکو اور قتلک دونوں نورالدین کی طرف مڑے اور اس بار قتلک نے نورالدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے امیر نورالدین! آپ انتہائی مناسب وقت پر اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچے ہیں۔“

نورالدین نے تیز مگر فکر گیر نگاہوں سے قتلک کی طرف دیکھا اور تجسس بھرے لہجے میں اس نے پوچھا۔ ”کیا ان دونوں یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے؟“

قتلک نے کہا۔ ”ہاں، ایسا ہی سمجھ لیں۔ ویٹولڈ کا ایک قاصد اس کا خط ہماری طرف لے کر آیا ہے۔ ہم نے ابھی اس خط کا جواب نہیں کیوں کہ یہ قاصد آج ہی تھوڑی دیر قبل آیا ہے اور ہم نے اسے دو ایک روز کرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ ہی قتلک نے نورالدین کو ویٹولڈ کا خط نکال کر پڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ ویٹولڈ کے اس خط کو پڑھ لیں اور پھر ہماری راہنمائی کریں کہ ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیئے اور مجھے امید ہے کہ آپ

کی راہنمائی میں ہم کوئی بہتر اور سودمند قدم ہی اٹھائیں گے۔“ نور الدین نے خط لے لیا۔ پھر وہ ویٹولڈ کا خط پڑھ رہا تھا۔

ویٹولڈ کا خط پڑھنے کے بعد نور الدین نے وہ خط قلق کو واپس تھما دیا اور کہا: ”ویٹولڈ نے ہمارے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور اس کے لیے ہم بلیک کہتے ہیں۔ اپنے لشکر کی قوت و تعداد کے بھروسے پر جس نوع کا خط اس نے ہمیں لکھا ہے یہ اس کی اپنی سوچ اور سمجھ کا باعث ہے لیکن اپنی سمجھ اور بوجھ کے مطابق جب ہم اس کے خلاف حرکت میں آئیں گے تو وہ اپنی ہر چوکڑی بھول کر اس بات کا اقرار کرے گا کہ روس اور پولینڈ سے جنگ کرنا آسان ہے لیکن ہم تاتاری مسلمانوں سے اس کے لیے باعثِ ذلت و رسوائی ہے۔“

اے اید کو اور قلق! میرے عزیزو! ابھی اور اسی وقت ویٹولڈ کے قاصد واپس کر دو۔ اسے کوئی تحریری جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے اسے زبانی کہہ دو کہ ویٹولڈ پر جا کر انکشاف کرے کہ جس میدان میں اس نے پڑاؤ کیا ہوا ہے ہم اپنی خون برساتی تلواروں اور زہریلے نیزوں کے ساتھ وہیں آکر اس کا ہولناک استقبال کریں گے۔“

جب نور الدین خاموش ہوا تو قلق پھر بولا۔ ”اے امیر! میں اب جاتا ہوں اور آپ کے لشکر کے لیے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم آپ کے پاس بیٹھ کر یہاں سے کوچ اور ویٹولڈ کے خلاف جنگ کرنے کا لائحہ عمل طے کریں گے۔“

نور الدین نے اپنے لشکر کے جنوبی حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ ذرا ادھر دیکھو میرے لشکر کے لیے کھانا تیار ہوا ہے۔ اس کے لیے تم لوگوں کو خدمت کی ضرورت نہیں۔ اید کو اور قلق نے جب جنوبی حصے کی طرف دیکھا تو واقعی وہاں بہت سے لشکر کی کھانا تیار کرنے میں مصروف تھے۔“

نور الدین پھر بولا۔ ”جہاں تک یہاں سے کوچ کرنے کا سوال ہے اور ویٹولڈ کے ساتھ جنگ کرنے کا لائحہ عمل طے کرنا ہے تو اس سے متعلق بھی ہمیں آپس میں رائے

صلاح و مشورے اور بحث کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ ہم کل صبح ہی صبح یہاں سے ان سرزمینوں کی طرف کوچ کریں گے جہاں ویٹولڈ نے پڑاؤ کیا ہوا ہے اور اگر آپ دونوں اجازت دیں تو میں اپنے لشکر کو قلب کے طور پر استعمال کروں گا۔ تاکہ ویٹولڈ کے لشکر کا زیادہ دباؤ میرے لشکر پر پڑے اور آپ دونوں کے لشکر جنگ میں مہینہ اور مہینہ کا کردار ادا کریں۔“

ایڈ کو نے بڑی انکساری سے کہا۔ ”اے امیر! اس کے لیے آپ ہماری اجازت کیوں طلب کرتے ہیں۔ بخدا یہ جنگ آپ کے نقطہ نظر کے مطابق لڑی جائے گی اور آپ ہی اس جنگ میں ہمارے متحدہ لشکروں کے سالار اعلیٰ ہوں گے۔“

اس بار نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا اے میرے عزیزو! اگر یہ بات ہے تو پھر سنو۔ کل فجر کی نماز کے بعد یہاں سے کوچ ہوگا۔ آپ دونوں اپنے لشکروں کے ساتھ شہر کے اسی جنوبی حصے کی طرف آجائیں پھر ایک متحدہ لشکر کی صورت میں ہم ویٹولڈ کی طرف کوچ کریں گے۔ اے میرے عزیزو! میں آپ دونوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ہر مٹے نقش کو چمکائیں گے۔ مژدہ مایوسی میں ڈوبے خاک بسر گستانوں اور بے رونق میدانوں کی شگفتگی و دل کشی کو بیدار کریں گے۔“

اے میرے عزیزو! جب ہم ویٹولڈ پر مہم ریت کے غیر آباد و بے آب گیاہ صحرا اور راتوں کے غیبی شعلوں کی طرح حملہ آور ہوں گے تو وہ اپنے تعمیر کے گھلانوں میں غار ہی غار، کھلیاؤں میں قحط ہی قحط اور اپنے نشیمن میں جلیوں کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔

اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے میرے رفیقانِ کابا! ویٹولڈ نے پیشک ہمارے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر کے اپنی عسکری حیثیت میں خوب اضافہ کر لیا ہے۔ اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم اپنے دین کو مخلص کر کے اپنے رب کا نام لے کر اس میدان میں آئیں تو ہمارا رب ہماری مدد کرے گا اور ہم ویٹولڈ اور اس کے اُن گنت لشکریوں کو تباہی و بربادی کے دوراہے، ہدکاری و فسق اور نیکی و اطاعت کے فرق، حسنِ اخلاق اور بد اخلاق کے امتیاز اور خدا پرستی اور

دہریت کی تفریق پر لاکھڑا کریں گے۔“

اس دوران نور الدین اور یوگرین دونوں کے خیمے نصب ہو گئے تھے۔ لہذا نور الدین نے یوگرین کو مخاطب کر کے کہا: ”میرے محترم! آپ اپنے خیمے میں جا کر آرام کریں۔ میں ذرا اپنے ان دونوں رفیقوں کے ساتھ طویل گفتگو کروں گا۔“

یوگرین وہاں سے ہٹا اور اپنی بیٹی نالسا کو لے کر وہ اپنے خیمے میں چلا گیا تھا اس لئے جانے کے بعد نور الدین نے ایک وقت قتل سے کہا: ”اے میرے خیمے میں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرتے ہیں۔ آپ دونوں شام کا کھانا بھی یہیں میرے ساتھ ہی کھائیں گے۔“ پھر نور الدین ان دونوں کو لے کر اپنے خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

○

دوسرے روز نور الدین، ایک اور قتل نے اپنے متحد لشکر کے ساتھ ویٹولڈ کی طرف کوچ کیا۔ برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا نور الدین اپنے اس متحد لشکر کے ساتھ دریائے ڈینیپر سے پچاس میل پہلے اس جگہ آ پہنچا جہاں کوستانوں سے گھری ہوئی ایک وسیع و عریض دادی کے اندر ویٹولڈ اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا اور ویٹولڈ کے لشکر کے عین سامنے نور الدین نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا تھا۔

نور الدین کو وہاں خیمہ زن ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور وہ ایک اور قتل کے ساتھ اپنے خیمے سے باہر محو گفتگو تھا کہ اس کا ایک سا ہی ایک ایسے جوان کو اپنے ساتھ لایا جواپنی شکل و ثناء بہت اور لباس و حلیے سے صلیبی جنگجو لگتا تھا۔ قریب آ کر نور الدین نے اس لشکر نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا: ”اے امیر! دشمن کے سپہ سالار ویٹولڈ کی طرف سے یہ صلیبی جوان آپ کے لیے کوئی پیغام لایا ہے۔“

نور الدین نے براہ راست اس قاصد کو مخاطب کر کے پوچھا: ”تم اپنے سالار ویٹولڈ کی طرف سے ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے ہو؟“

قاصد چند قدم آگے بڑھ کر نور الدین سے قریب ہوا اور بولا: ”ہمارے سالار ویٹولڈ نے مجھے اس خاطر اس طرف روانہ کیا ہے کہ میں آپ لوگوں سے جانوں کہ کیا جنگ

کی ابتدا سے پہلے آپ لوگ باہمی گفتگو پر آمادہ ہیں۔ اس طرح ہو سکتا ہے امن کی کوئی راہ نکل آئے اور سرور پر منڈلائی ہوئی یہ ہولناک جنگ ٹل جائے۔“

نور الدین نے بلا توقف کہا: ”ویٹولڈ اگر خلوص نیت سے ایسا چاہتا ہے تو ہم گفت و شنید کے لیے بھی تیار ہیں۔“

اس قاصد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اگر ایسا ہے تو پھر دونوں لشکروں کے درمیان کھلے میدان میں ایک خیمہ نصب کیا جائے گا۔ اس خیمے میں آپ اپنے ساتھ اپنے پانچ سالار لے آئیں اور پانچ ہی ہمارے سالار ویٹولڈ بھی اپنے ساتھ مشیر لے کر آئیں گے شاید اس باہمی گفتگو کے بہتر نتائج ہی نمودار ہو جائیں۔“

نور الدین نے کہا: ”تو پھر تم جاؤ جب میدان کے وسط میں یہ خیمہ نصب ہو گیا، تو میں اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ یہاں پہنچ جاؤں گا۔“ وہ قاصد چلا گیا اور اس کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد دونوں عساکر کے درمیان حصے میں ایک بڑا خیمہ نصب ہوا شروع ہو گیا تھا۔ جب یہ خیمہ نسب ہو چکا تو ویٹولڈ اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ وہاں آیا۔ جب کہ نور الدین بھی اپنے پانچ مشیروں کے ساتھ اس خیمے میں داخل ہوا تھا۔

اس خیمے کے اندر پہلے دونوں اطراف کا تعارف کرایا گیا۔ نور الدین کے ساتھ قتل اور ایک کو کے علاوہ تین اور سالار بھی تھے۔ جب کہ ویٹولڈ کے ساتھ گریڈ ماسٹراف ٹیٹاناک نامس کے علاوہ کر اوکا حاکم، اسالک اور گلشیا کے جرنیلوں کے علاوہ تھوڈانیا کا ایک پادری بھی۔ جو اس صلیبی جنگ میں لوگوں کے مذہبی جذبات کو بھر پور کرنے کا کام کرتا تھا۔

گفتگو کا آغاز ویٹولڈ نے کرتے ہوئے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا: ”شمالی سرزمینوں کے یہ وسیع خطے جن پر ان دونوں قابض ہو یہ تم لوگوں نے زبردستی ہتھیالیے ہیں اور ان سرزمینوں کا حاکم تو تمش میرے پاس پناہ لے چکا ہے۔ لہذا تم لوگوں سے میرا اولین مطالبہ یہ ہے کہ تم لوگ ان علاقوں کو خالی کر دو تاکہ میں دوبارہ تو تمش کو ان علاقوں کا حاکم بنا دوں اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو انجام تم لوگوں کے سامنے اسی رزم گاہ میں ہوگا۔“

نور الدین نے غور سے ویٹولڈ کی طرف دیکھا اور کہا: ”اے ویٹولڈ ان علاقوں کا

ان دونوں مسلمانوں کا باہمی مسئلہ ہے اس لیے کہ تو قتمش مسلمان ہے۔ اگر وہ جھاک کر تمہارے پاس آنے کی حماقت نہ چکا جتے تو کیا ہم اس حماقت کے جواب میں تمہیں اپنا ثالث و حاکم مان لیں۔ مگر نہ نہیں اے ویٹولڈ! سن رکھو! ہم خوب جانتے ہیں کہ تو قتمش کی آڑ میں تم ان علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو لیکن ہم میں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے اور اے ویٹولڈ! آگاہ رہو کہ ہم اس سے بھی باخبر ہیں کہ تم ہمیشہ مسلمانوں کو باہم لڑا کر فوائد حاصل کرنے والے لوگ ہو۔ لیکن یہاں اس میدان میں تمہیں فوائد کم اور نقصانات زیادہ دیکھنے کو ملیں گے۔ اے ویٹولڈ! یہی یہ بات اپنے پلے باندھ کر کھنا کہ ہم جہاں اپنوں کے لیے نئے عہد کی بشارت، مدتِ اظہار اور آندھیوں میں جلنے والے چراغ ہیں وہاں ہم اپنے اور اپنے دین کے دشمنوں کے لیے سوکھے خشک خار، غروبِ شام، زوالِ شرب اور ظلم و جبر کی پیاس بھی ہیں۔

اے ویٹولڈ! ہم جس رزم گاہ میں داخل ہوتے ہیں اسے اپنے دشمنوں کے لیے تیونٹوں سے گھرے ہوئے ویرانے جیسا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ اے ویٹولڈ! آدمی بے ثبات ہے اور یہ زندگی اک رات کی مانند ہے۔ جلنے کب گزر جائے۔ لہذا یہ جنگ اگر لڑ سکتی ہے تو ال دو۔ پر ہم سے ایسی کوئی توقع نہ رکھنا کہ ہم تمہارے سامنے دب جائیں گے یا ان سرزمینوں کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ اگر ہمارے ساتھ امن کے ساتھ رہو گے تو تمہارے لیے ہم ستاروں کا سلام اور بہاروں کا پیغام بن کر رہیں گے۔ ورنہ دوسری صورت میں تمہیں اپنے لیے سینے کے دہکتے داغ، موت کا مذاقہ، زبر کا پیمانہ اور معوج و گرواب و تلاطم جیسا پاؤ گے۔

اے ویٹولڈ! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت جب کہ جنگ شروع نہیں ہوئی تم اپنے لیے نفع کی ٹیم پر یوں کے حسین خواب دیکھ رہے ہو گے لیکن جب ہم رقص کرتے نہ ابروں کی طرح حملہ آور ہوں گے تو تم چاہو گے کہ تمہاری روتوں کو تمہارے جسم کے سرد خانوں سے نجات مل جائے۔

نور الدین کی اس گفتگو پر ٹیوٹانک کے ناٹوں کا گرینڈ ماسٹر بھرپور اٹھا۔ اپنا ہاتھ وہ اپنی تلوار کے دستانے پر لے گیا اور آگ برساتی آنکھوں سے اس نے نور الدین کی طرف

دیکھتے ہوئے کھوتے اور بال کھلتے لہجے میں کہا۔ ”تم اپنی حدود سے باہر ہو کر ہمارے ساتھ گفتگو کر رہے ہو۔ ہم تمہارے مقابلے پر وہ لوگ ہیں جو تم لوگوں کے خون کے قطرے قطرے میں طوفان بے قرار پھر کر رکھ دیں گے اور سن رکھو کہ میں ٹیوٹانک کا گرینڈ ماسٹر ہوں۔ اور گرینڈ ماسٹر اُسے بنایا جاتا ہے جو تلوار کے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔ سو ایک گرینڈ ماسٹر کی حیثیت سے میں تم لوگوں کو قبل از وقت تنبیہ کرتا ہوں کہ اس رزم گاہ میں ہم تمہاری جاہ پسندی کو بھٹکے ہوئے کارواؤں جیسا کر دیں اور تمہارے سارے ارادوں کو کچلے انسانوں کے لیے بے رحم خوابوں جیسا بنا دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ویٹولڈ نے امن و صلح کی جو شرائط پیش کی ہیں، انہیں تسلیم کر لو ورنہ ہمارے ساتھ جنگ کے بعد تمہاری حالت اس بے بس و لاچار انسان کی سی ہوگی جس کی کوئی آرزو کوئی خواہش نہ رہی ہو۔“

گرینڈ ماسٹر کی اس لاف زنی پر نور الدین کا چہرہ مٹرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے گرینڈ ماسٹر سے کہا۔ ”گرینڈ ماسٹر ہونا ہماری نگاہوں میں کوئی خاص عزت و توقیر کا مقام نہیں ہے۔ گرینڈ ماسٹر کا جو تم نے یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ تیغ زنی میں اپنی مثال نہیں رکھتا تو یہ ایک حماقت خیال ہے۔ ورنہ تم جانتے ہو ماضی کی صلیبی جنگوں میں گنہگار مسلمان مجاہد نہ صرف ناٹوں بلکہ ان کے گرینڈ ماسٹروں کو بھی اپنے پاؤں تلے روندتے رہے ہیں۔“

گرینڈ ماسٹر بھرپور اٹھا۔ ”یہ جھوٹ اور بہتان ہے۔ اگر تمہارے ایسے ہی خیالات ہیں تو اس جنگ سے قبل میں تمہیں انفرادی مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔“

نور الدین نے جھٹ کہا۔ ”اور میں اس انفرادی مقابلے کی دعوت کو قبول کرتا ہوں اگر تم یہ دعوت نہ دیتے تو تھوڑی دیر تک میں خود تمہیں یہ چیلنج دینے والا تھا۔ بہر حال اے گرینڈ ماسٹر اس جنگ کی ابتداء سے پہلے میں تمہیں انفرادی مقابلے کا موقع ضرور دوں گا اور سن رکھو اس مقابلے کے بعد تم اپنے آپ کو گرینڈ ماسٹر کہلوانا بھول جاؤ گے۔ ویٹولڈ نے اس بار نور الدین سے پوچھا۔ ”تو کیا تمہاری اس گفتگو سے ہم یہ

سمجھ لیں کہ تم ہمارے ساتھ امن و صلح کی گفتگو کرنے پر آمادہ نہیں ہو؛
نور الدین نے اپنی جگہ پر پہنچا دیا اور بولا، ہم ایسی صلح کو کیوں قبول کریں جس
میں تم ہم پر شرائط تھوپو۔ اگر تم سے یہ کہوں کہ تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ
تھو انیا کا علاقہ ہمارے حوالے کر دو تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟
ویٹولڈ نے کہا، ”ہرگز نہیں۔“

نور الدین گہری طنز میں بولا، ”تو پھر ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔
ویٹولڈ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، ”تو پھر اب قضیہ جنگ سے ہی طے ہوگا۔
میں سمجھتا ہوں تم ایسے لوگ ہو جنہیں مار کر سیدھا کرنا پڑے گا۔“
ویٹولڈ اس خیمے سے نکلنے ہی والا تھا کہ اس بار اید کو نے اسے مخاطب کیا۔
”اے ویٹولڈ! تمہیں یاد ہوگا کہ تم نے گزشتہ دنوں ایک خط قتل کی طرف روانہ کیا تھا
اور اس خط میں تم نے قتل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ تمہارا بیٹا یا غلام بن کر رہے اور اپنے
سکول پر لہو نہ لگائے۔ تو اے ویٹولڈ! تم عمر میں قتل سے بڑے ہوا اس لیے تم
نے اسے بیٹا بننے کا مشورہ دیا ہے لیکن میں تو تم سے عمر میں بڑا ہوں لہذا تمہارے اس
خط کے جواب میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ تم میرے بیٹے بن کر رہو اور تمہارا بیٹا
سکول پر میرا چہرہ کندہ کراؤ۔“

ویٹولڈ نے کوئی جواب نہ دیا اور غصے میں بھرا ہوا وہ اس خیمے سے اپنے ساتھیوں
کے ساتھ چلا گیا تھا۔

○

صلح کی یہ کوشش ناکام ہو گئی اور ویٹولڈ کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلے
جانے کے تھوڑی دیر بعد وہ خیمہ بھی اکھیر لیا گیا تھا جو صلح کی گفت و شنید کے لیے
نصب کیا گیا تھا اور پھر چند ہی ساعتوں بعد گریڈ ماسٹر پوری طرح صلح ہونے کے
بعد اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان آیا اور نور الدین کا نام لے
کر اس نے انفرادی مقابلے کے لیے پکارا۔ دوسری طرف نور الدین نے باہر آنے میں

کوئی تاخیر نہ کی تھی بلکہ جس وقت گریڈ ماسٹر نے اسے پکارا اسی وقت وہ اپنے گھوڑے کو
بھگاتا ہوا اس میدان میں نمودار ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں نے اب اپنی اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ نور الدین کے
میدان میں اترنے کے بعد اب ایک اور قتل اپنے متحدہ لشکر کے سامنے کھڑے تھے یوگین
اور نائیا بھی دونوں باپ بیٹی اس موقع پر لشکر کے ایک طرف پڑاؤ کے خمیوں کے پاس کھڑے
نائیا نے فکر مندی میں کہا، ”اے میرے باپ! یہ اس نور الدین نے گریڈ ماسٹر سے خود
مقابلے کی ٹھان کر کیا حماقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا دل کہتا ہے کہ یہ زیادہ دیر تک گریڈ
ماسٹر کے سامنے ٹھہرنے سکے گا۔ اسے چاہیے تھا کہ گریڈ ماسٹر کے مقابلے میں کسی اور کو بھیجا
تاکہ اگر وہ مارا جاتا تو اس کے لشکر پر بڑا اثر نہ پڑتا۔ اب اگر اس انفرادی مقابلے میں گریڈ ماسٹر
نے نور الدین کا کام تمام کر دیا تو اس کے لشکر پر اس کے بُرے اثرات ہوں گے اور گریڈ
ماسٹر کے ہاتھوں نور الدین کے مارے جانے پر ویٹولڈ کی کامیابی اور فتح مندی یقینی ہو جائیگی۔
یوگین جو لگاتار میدان میں اترنے والے نور الدین کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اپنا
رُخ اس نے اپنی بیٹی نائیا کی طرف کیا اور جواب طلب لہجے میں اس نے کہا، ”اے
میری بیٹی! اگر اس مقابلے میں نور الدین غالب رہا تو پھر؟“

نائیا نے فیصلہ کن انداز میں کہا، ”ایسا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ گریڈ
ماسٹر نائٹوں کے جس گروہ سے تعلق رکھتا ہے ان کا کام ہی انسانی جانوں سے کھیلنا ہے۔
یوگین پھر بولا، ”اے نائیا! میری بیٹی! تم یہ حقیقت بھی تو اپنے ذہن
میں رکھو کہ ماضی کی صلیبی جنگوں میں بڑے بڑے نائٹوں کو مسلمانوں کے عام اور گنہگار
سے مجاہدوں نے اپنے سامنے زیر دست اور تہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔“

نائیا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہی کیونکہ نور الدین اپنے گھوڑے کو
بھگاتا ہوا گریڈ ماسٹر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا اور نائیا اپنے باپ کی گفتگو کا جواب
دینے کے بجائے ان کی طرف غور و انہماک سے دیکھنے لگی تھی۔

جب نور الدین اپنے گھوڑے کو ہانکتا بھگاتا گریڈ ماسٹر کے قریب گیا، تو

گرینڈ ماسٹر اپنے گھوڑے سے نیچے کود گیا اور نور الدین کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ ”اے نور الدین! صبح اس گفت و شنید کے دوران اس ٹیمے میں ویٹولڈ سے بات چیت کرنا سہل اور آسان تھا لیکن یہاں اس میدان میں میرے ساتھ مقابلہ تمہارے لیے دشوار اور تکلیف دہ ثابت ہو گا کہ اس مقابلے میں تمہیں میں دھاگوں کے پتھے اور ریشم کے تانے بانے کی طرح اُلجھا کر رکھ دوں گا۔ اے نور الدین تیرے جسم کو تھیں جان کر راہ کے بے مصرف پتھر کی طرح ہٹا دوں گا۔ اس مقابلے میں تجھ پر میں ہواؤں کی سسکیاں، اندھیرے میں چھپے دوسرے موت جیسا سرد سکوت، ٹھٹھری بساند، تباہی کا سمندر اور تاریک پرچھائیاں طاری کر دوں گا۔

نور الدین بھی اپنے گھوڑے سے کود گیا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھالتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے گرینڈ ماسٹر! اپنی زندگی میں تیرے جیسے گوچر گرد گئے میں نے کافی دیکھے ہیں۔ اے رعوت پسند، شکی اور مردہ دل انسان! آج کا دن یقیناً تیرے لیے درد و فراق کا دن اور زندگی لہو لہو ہو جانے کا سماں ہو گا۔ تیری تسلی و عصبی لطایف اور تصورات میں اضطراب و دوہشت مٹ جانے کا دن ہو گا۔ تو صرف اس وقت اپنی ذات کا تجزیہ کر سکے گا۔ جب تیری تیز شعلوں جیسی سُرخ زبان ریت کے گرداب میں دفن کر دوں گا۔ تیری رُوح کو خون کے دائروں میں ڈبو دوں گا اور تیری سانپوں میں شکست و ریخت کی آگ بھروں گا۔“

گرینڈ ماسٹر نے نور الدین کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر اس نے نور الدین پر حملہ کر دیا تھا۔

نور الدین نے بڑی آسانی کے ساتھ گرینڈ ماسٹر کا وار اپنی ڈھال پر روک لیا تھا۔ پھر کچھ دیر تک نور الدین اس گرینڈ ماسٹر کو حملہ آور ہونے کے مواقع فراہم کرتا رہا اور اس کے وار وہ انتہائی مہارت کے ساتھ روکتا رہا۔ دونوں لشکر اس مقابلے کو بڑی خاموشی اور جستجو کے سے عالم میں دیکھ رہے تھے۔

گرینڈ ماسٹر اپنی جگہ پریشان ہو رہا تھا کہ نور الدین جاہلیت پر اسے بغیر کیسے

آسانی کے ساتھ اس کے حملوں پر اپنا دفاع کر رہا تھا۔ نور الدین کے یوں حملے روکنے کے انداز میں ہی گرینڈ ماسٹر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ نور الدین کوئی عام تنغ زن نہیں ہے۔ پھر بھی اپنی بدحواسی چھپانے اور اپنی دھندلی خواہشوں کی تکمیل کے لیے وہ اندھا دھند نور الدین پر وار کیے جا رہا تھا۔

پھر اچانک نور الدین نے اپنا رنگ بدلا۔ وہ کالی آنکھیں، نئے روگ، ویران مات مرسنگی کے طوفان، سنسان دو پہر، ہر سو پھیلتی ویرانی اور مہربانوں کے نئے سلسلوں کی طرح حملہ آور ہوا۔ نور الدین کے حملوں سے گرینڈ ماسٹر کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے نفرتوں کے دریائے پُرخون یا برہنہ لاشوں کے انباروں میں لاکھڑا کر رکھا ہو۔ اس کی رُوح میں جلتی حسرتوں کے انگارے اور رگوں میں نا اُمیدی و بے یقینی کی سوئیاں جھنسنے لگی تھیں۔ نور الدین اپنے تیز حملوں میں گرینڈ ماسٹر کو بُری طرح اپنے آگے آگے اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور کر رہا تھا۔

اچانک نور الدین نے زوردار تکبیر بلند کی اور پھر اس میدان سے باہر دونوں لشکروں کے جوانوں نے دیکھا کہ نور الدین کی تلوار گرینڈ ماسٹر کے شانے پر گری تھی اور گرینڈ ماسٹر لڑکھڑاکر زمین پر گر گیا تھا۔ نور الدین نے آگے بڑھ کر زمین پر گرے گرینڈ ماسٹر کی چھاتی پر اپنا پاؤں رکھا اور کہا۔

”اے گرینڈ ماسٹر! یہ ہے تمہاری کل شجاعت اور تیغ زنی کی مہارت جو کافی دیر سے تمہارے اندر احمقانہ کھولن پیدا کیے ہوئے تھی۔ اے گرینڈ ماسٹر میں ضرور تجھے چھوڑ دیتا اور تیری جان بخشی کر دیتا ہوں میرے آقا میوہ نے مجھ پر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں تمہاری گردن کاٹ دوں، لہذا میں تیری گردن کاٹا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے گرائی اور گرینڈ ماسٹر کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

گرینڈ ماسٹر کے نور الدین کے ہاتھوں مارے جانے پر ویٹولڈ کے لشکر میں ایک وحشت آمیز سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ جب نور الدین اپنے گھوڑے پر سوار

ہو کر واپس جا رہا تھا۔ اس موقع پر خیموں کے پاس کھڑی نائیاں نے اپنے باپ یوگرین کو مخاطب کر کے کہا۔ اے میرے باپ اس نور الدین نے تو گرینڈ ماسٹر کو بڑی آسانی کے ساتھ تیغ کر کے رکھ دیا ہے۔

یوگرین مسکرایا اور بولا۔ اے میری بیٹی! تو نے نور الدین کی صلاحیتوں کا گرینڈ ماسٹر کے مقابلے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ جب کہ مجھے اُمید تھی کہ نور الدین گرینڈ ماسٹر کو زیر کر لے گا۔ دیکھو بیٹی! نور الدین اپنے لشکر کی طرف آ رہا ہے آؤ اسے اس فتح پر مبارکبادیں دیں۔

نور الدین اس جگہ آ رہا تھا جہاں قلعہ اور اید کو کھڑے ہوئے تھے۔ اید کو اذیت پہلے نور الدین کو گلے لگا کر ملے پھر اس فتح پر مبارکباد دی۔ اتنی دیر تک یوگرین بھی قریب آیا اور نور الدین سے گلے ملتے ہوئے اس نے مبارکباد دی۔ پھر حسین نائیاں نور الدین کے سامنے آئی اور اپنی رس، مٹھاس اور شہد گھولتی آوازیں اس نے کہا۔ اے امیر! گرینڈ ماسٹر جیسے تیغ زن کو زیر کرنے پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔

نور الدین نے نائیاں کو کوئی جواب نہ دیا اور انتہائی سنجیدہ انداز میں اس کی گردن جھک گئی تھی۔ نائیاں کو قطعاً نور الدین سے ایسے رویے کی اُمید نہ تھی۔ نور الدین کے جواب نہ دینے نے اسے مایوس کر دیا تھا اور وہ نا اُمید سی ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ دشمن چونکہ اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ لہذا یوگرین اور نائیاں لشکر کے پیچھے پڑاؤ کی طرف چلے گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دشمن کے لشکر میں طبل جنگ بجنے لگے تھے اور پھر ویٹولڈ کا لشکر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ اس موقع پر اید کو اذیت نے رانداری کے ساتھ ان سے سرگوشی کرتے ہوئے انہیں کچھ سمجھایا۔ پھر وہ اپنے لشکر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

ویٹولڈ کا لشکر ایک خاص دھن میں طبل جنگ بجاتا ہوا جب کافی آگے بڑھ آیا تو نور الدین نے اس موقع پر اپنی تلوار فضا میں بلند کی۔ بس اس تلوار کا فضا میں بلند ہونا تھا کہ نور الدین، اید کو اذیت کے لشکر کی طرف سے صلیبی لشکر پر ایسی تیز اور

ہوناک تیروں کی بارش کی گئی اور اس طوفانی تیر اندازی سے ویٹولڈ کے لشکر کی اگلی صفیں اُدھر ٹکڑ کر رہ گئی تھیں۔

ویٹولڈ اور اس کے جرنیل تیر اندازی کے باعث جو شکری مارے گئے تھے، ان کی جگہ اور لاکھ اگلی صفیں دوبارہ منظم کرنے کا ارادہ کر رہی رہے تھے کہ نور الدین نے اپنے متحدہ لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ اب سامنے کی طرف سے نور الدین بائیں طرف سے اید کو اذیت کی جانب سے قلعہ اور ہوا تھا۔ سامنے کی طرف سے نور الدین نے ایسے زور کا حملہ کیا جیسے کسی نادیدہ سمادی ہلکا یا تیرگی کے کسی محرم راز نے حملہ آور ہو کر ایک طوفان برپا کر دیا ہو۔

نور الدین کے اس حملے سے صلیبیوں کی حالت بھولتے نام، ٹوٹتے رشتوں بھاگتی شام، ڈوبتے چاند اور ٹوٹی لہروں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ نور الدین کے اس حملے نے ویٹولڈ کی نگاہوں میں ٹوٹتے آئینے اور خواہشوں کے آئینے توڑ کر رکھ دیئے تھے۔

بائیں طرف سے اید کو نے بڑی بے باکی کے ساتھ حملہ آور ہو کر صلیبیوں پر ڈاؤنی سرگوشیاں، رسوائیوں کے انچل محرومیں سے اُسٹری صورتیں پھیلا کر رکھ دی تھیں۔ وہ سنان دوپہر کے آوارہ جھونکوں کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہو کر دشمن کے اندر گھسنے لگا تھا۔ قلعہ کا حملہ بھی قابل دید تھا۔ وہ تکبیریں بلند کرتا ہوا اس انداز میں حملہ آور ہوا تھا جیسے سوکھے پتوں سے کھینتی اور شور مچاتی ہوئی طوفانی ہوائیں کسی کو روح کی چیخوں اور دل کی جلن میں مبتلا کر کے رکھ گئی ہوں۔

ویٹولڈ نے اپنے لشکر کو سنبھالا لیکن اتنی دیر تک نور الدین، اید کو اذیت نے اس کے لشکر کے ایک بڑے حصے کی حالت بے سہارا اُمیدوں، طعنہ دل کی کھولن، خواہشوں کی راکھ، اشکِ ندامت، چپ سگتے اُفتق اور ظلمتِ غم جیسی کر کے رکھ دی تھی۔

اب جس جس طرف سے بھی نور الدین، اید کو اذیت حملہ آور ہو رہے تھے،

ویٹولڈ کے لشکر کی صفوں کی کیفیت اس بوسیدہ تفصیل جیسی ہوتی چلی گئی تھی جسے جگہ جگہ توڑ کر اس میں شگاف کر دیے گئے ہوں۔ پھر مسلمان صلیبیوں پر عکس سحر، فوج کشاں ہواؤں، شب بھرا اور آندھیوں کے نالہ و فریاد کی طرح چھاتے چلے گئے تھے۔

یورپ والوں کا تین اطراف سے قتل عام شروع ہو گیا تھا اور ان کی حالت ایسے ہی ہو گئی تھی جیسے بلوط کے جنگل میں اچانک آگ لگ گئی ہو یا سنان فصناؤں کے گہرے سکوت کے اندر گندھک پھٹ پڑی ہو۔ ویٹولڈ اور اس کا لشکر زیادہ دیر تک نورالدین، ایدک اور قتل کے حملوں کا دباؤ برداشت نہ کر سکے۔

پہلے ویٹولڈ کے لشکر میں نظمی کے آثار نمودار ہوئے، پھر اگلی صغیریں درہم برہم ہو کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگیں۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے ویٹولڈ نے خود اپنے لشکر کو بھاگ کر جان بچانے کا حکم دے دیا تھا۔ اب بھاگنے میں ویٹولڈ اور اس کے جرنیل سب سے آگے آگے تھے اور ان کے لشکر کی ان کے پیچھے تھے۔

نورالدین، ایدک اور قتل نے ویٹولڈ کا تعاقب کیا اور یہ تعاقب ویٹولڈ کے علاقوں کے پولینڈ کی سرحدوں تک جاری رہا۔ اس طویل تعاقب کے دوران اسمالنسک اور گیلڈیا کے بڑے بڑے جرنیل اور فوج مارے گئے۔ ویٹولڈ کا دو تہائی لشکر تینخ کر دیا گیا اور پولینڈ تک اس کی مملکت کو روند کر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد نورالدین ایدک اور قتل لوٹے اور دشمن جو مال و متاع چھوڑ بھاگا تھا وہ سمیٹنے لگے تھے فلسطین سے باہر اہل یورپ کو صلیبی جنگوں کی یہ بدترین شکست تھی۔



ایران میں چونکہ منصور نام کے ایک ایرانی شہزادے نے تیمور کے خلاف طاعت کر دی تھی اور ایران پر تیمور نے اپنی طرف سے جن شہزادوں کو حاکم مقرر کیا تھا۔ منصور نے انہیں زیر کر لیا تھا اور اس منصور نے اصفہان اور شیراز، دونوں شہروں کو اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنا لیا تھا۔ لہذا تیمور ایک جرات شکر کے ساتھ منصور کی سرکوبی کرنے کے لیے سمرقند سے روانہ ہوا اور اس روانگی کے وقت اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرا حصہ اپنے بیٹے شاہرخ کی لمانداری میں دیا۔ جب کہ تیسرا حصہ امیر تیمور کے پوتے محمد سلطان کے پاس اور چوتھے حصے کا سالار امیر تیمور کا دوسرا پوتا اور محمد سلطان کا بھائی پیر محمد تھا۔

یوں اس لشکر نے ایرانی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے سمرقند سے کوچ کیا۔ ایرانی ہر حصہ کے قریب اس لشکر پر جو پہلی افتاد پڑی وہ یہ بھی کہ راستے میں ایک بہت بڑے گروہ نے بھڑکے بھڑیل کی طرح تیمور کے لشکر پر حملہ کر دیا اور یہ حملہ آور سبب شیش کے نشے میں بڑی طرح دھست تھے لیکن جواب میں تیمور بھی ان پر ایسی خونخواری اور بے باکی سے حملہ آور ہوا کہ اس سارے گروہ کو اس نے تینخ کر دیا اور ان لوگوں کے کوہستانی نشین کو بھی اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا خیشین کے اس گروہ کا صفایا کرنے کے بعد تیمور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔



دوسری طرف منصور کو جب تیمور کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ کوئی زیادہ فکر مند نہ ہوا اس لیے کہ وہ تیمور سے ایسی ہی توقع رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنی جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا اور تیمور سے مقابلہ کرنے کے لیے اس نے ایک ہزار لشکر تیار کر لیا ہوا تھا۔ پس تیمور کا مقابلہ کرنے کے لیے منصور نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ منصور نے اپنے پاس رکھا اور ایک گھات میں بیٹھ گیا تاکہ کسی مناسب موقع پر وہاں سے نکل کر وہ تیمور پر حملہ آور ہو سکے جب کہ اپنا دوسرا آدھا لشکر اپنے ایک نائب کی کمانداری میں دے کر اس نے قلعہ سفید کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ تیمور کی راہ روکے۔

یہ سفید نام کا قلعہ ایران کے قدیم پہلوان رستم کا تھا اور ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ یہ قلعہ ایک بلند کوہستانی چوٹی پر واقع تھا اور اس کے اندر داخل ہونے کا بھی صرف ایک ہی راستہ تھا۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسے وسیع میدان پر بنا ہوا تھا۔ جس کی لمبائی اور چوڑائی تین تین میل تھی اور یہاں دریا اور چشموں کے علاوہ مزرعوں زمین تھی۔ اور پرندوں کی بہتات تھی۔

ایران کا سابق حکمران زین الدین جسے منصور نے معزول کر کے اندھا کر دیا تھا وہ بھی اسی قلعے کے اندر محبوس تھا۔ یہ قلعہ چونکہ پہاڑ کی بندی پر تھا جس کے اطراف میں خطرناک قسم کی ڈھلانیں تھیں۔ لہذا یہ قلعہ ہر طرح کے خطرات اور غدشات سے محفوظ خیال کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ ان خطرناک ڈھلانوں ہی کے باعث اس قلعے پر مخینقوں کے ذریعے پتھر بھی نہ پھینکے جاسکتے تھے اور نہ ہی اس کو بہت فی سلسلے کے اندر مگر نہیں کھود کر آگے بڑھنا ممکن تھا۔ اسی لیے کسی بادشاہ نے آج تک اس قلعے کا محاصرہ تک کرنے کا خیال نہ کیا تھا اور پھر اس قلعے کی طرف جانے والے راستے اس قدر تنگ اور دشوار گزار تھے کہ ان راستوں کے ذریعے قلعہ شکن آلات اوپر نہ لے جائے جاسکتے تھے اور اوپر جانے والے یہ راستے ایسے تنگ تھے کہ صرف تین آدمی باسانی تین ہزار کے لشکر کو اوپر چڑھنے سے روک سکتے تھے۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر اس قلعے کو ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا اور

ان ہی بنیادوں پر منصور نے اپنے آدھے لشکر کو تیمور کی راہ روکنے کے لیے اس قلعے میں متعین کر دیا تھا۔ منصور نے اپنی طرف سے تیمور کی راہ روکنے کے لیے یہ بہترین قدم اٹھایا تھا۔ دفاع کے ان قدرتی وسائل کے علاوہ ایرانیوں نے اس قلعے کے اوپر سڑک پر مضبوط اور سنگین برج بھی تعمیر کر رکھے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں زرعی پیداوار، مویشی اور پرندے اس قدر زیادہ تھے کہ ان ہی سے قلعے میں رہنے والوں کی ضروریات پوری ہوتی رہتی تھیں اور فاقوں کی بنا پر انہیں اطاعت کر لینے پر مجبور نہ کیا جاسکتا تھا اور اس سفید نام کے قلعے سے متعلق یہ گمان کیا جاتا تھا کہ اس قلعے کے اندر رہنے والوں کو صرف موت ہی زیر کر سکتی ہے۔

گو یہ قلعہ بظاہر ناقابلِ تسخیر لگتا تھا لیکن تیمور نے بھی شاید اسے فتح کر لینے کا مہم ارادہ کر لیا تھا۔ اس لیے کہ جس روز اپنے لشکر کے ساتھ تیمور اس قلعے کے پاس پہنچا۔ اس روز ہی اس نے اس پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ تیمور نے اپنا پڑاؤ اس قلعے کے عین سامنے ایک پہاڑی کے اوپر بنایا اور نیچے تلہٹی میں اس نے اپنے عساکر کو پھیلا دیا تھا۔

تیمور نے جب اس قلعے پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تو اس کا لشکر چوٹیوں کی طرح قلعہ سفید کی طرف چڑھنے لگا تھا۔ لیکن اس جگہ جا کر اس کے عساکر رک گئے جہاں سے اوپر جانے کے لیے عمودی چٹانوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ یہاں سے تیمور نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر قلعے کی طرف بڑھیں اور قلعے کے اطراف کے حفاظتی برجوں پر حملہ کر دیں۔

جس وقت تیمور کے لشکریوں نے اس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے اتر کر اوپر چڑھنا شروع ہوئے تو قلعے کے اوپر سے بھی اس کا ردِ عمل ظاہر ہوا اور وہ اس طرح قلعے کی طرف سے تیز اور طوفانی انداز میں تیر اندازی کی گئی تھی جس کے باعث اوپر چڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ بہر حال تھوڑے تھوڑے وقفے سے تیمور کے تاناری سپاہی اپنے غروں کے شور میں اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے لیکن اوپر سے برستے تیر اور وزنی لوکیلے

پتھر ان کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔

شام تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن کچھ بھی نہ بن سکا اور لشکر کو ناکام و نامراد نیچے وادی میں اترنا پڑا اور جس وقت اوپر سے تیر اندازی اور سنگ باری کے باعث مرنے والوں کی لاشیں اتاری گئیں تو لشکریوں کے چہروں پر تو تفکر و تردد کے آثار تھے لیکن تیمور کے چہرے پر انتقام کے لاؤ بھڑک اٹھے تھے۔

اپنے مرنے والے سپاہیوں کی لاشوں کو دفن کرنے کے بعد جب تیمور فارغ ہوا تو ایک سوار تیزی سے اپنا کھوٹا دوڑاتا ہوا اس کی طرف آیا۔ تیمور نے اسے پہچان لیا۔ اس لیے کہ وہ سوار ان ناظروں میں سے ایک تھا جنہیں اس نے نور الدین کے حالات سے متعلق باخبر رکھنے پر مامور کیا ہوا تھا۔ وہ ناظر جب قریب آیا تو اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی تیمور نے اس کے پُرسرت چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پُر امید لہجے میں پوچھا۔ کیا نور الدین کی طرف سے تم میرے لیے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟

اس ناظر نے اور زیادہ قریب آکر کہا۔ اے آقا! میں آپ کے لیے ایک خوش کن خبر لے کر آیا ہوں۔ اے آقا! امیر نور الدین نے پہلے ایک انفرادی مقابلے میں یورپ کے گریڈ ماسٹر کی گردن کاٹ کر رکھ دی اور پھر کھلے اور وسیع میدانوں کے انداز میں ایک بھیاں لڑا اور ہوتا جنگ کے بعد ویٹولڈ کو بدترین شکست دی اور نہ صرف شکست دی بلکہ پولینڈ کی سرحدوں تک اس نے ویٹولڈ اور اس کے لشکر کا ایسے غضب ناک انداز میں تعاقب کیا جس طرح بھوکے بھیڑیے گوتھروں کے غول کا تعاقب کرتے ہیں۔ پولینڈ تک ویٹولڈ کا پیچھا کرنے کے بعد امیر نور الدین پٹھے اصاب وہ آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں اور جس رفتار سے وہ سفر کر رہے ہیں۔ اگر اسی رفتار سے انہوں نے اس طرف اپنا سفر جاری رکھا تو مجھے امید ہے کہ دو ایک روز تک وہ یہاں آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

تیمور نے بے پناہ خوشی کے اظہار میں کہا۔ اے نور الدین! تو نے گریڈ ماسٹر کو انفرادی مقابلے میں نہ صرف زیر کیا بلکہ اس کی گردن کاٹ دی۔ اے نور الدین! بخدا تو اس قابل ہے کہ تجھے ایک نیک ٹوا اور اکلوتے بیٹے کی طرح چاہا جائے۔ اے نور الدین!

تو یقیناً ایک ایسا برنیل ہے جس پر ہر مصیبت اور ہر ضرورت کے وقت میں بھروسہ کر سکتا ہوں۔ نور الدین سے متعلق اس قدر کہنے کے بعد تیمور مسکراتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔ دوسرے روز تیمور نے پھر اپنے لشکر کو اس قلعہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اب اس نے ایک اور طریقہ اپنایا۔ اس نے اپنے لشکریوں کو چھینیاں مٹیا کر دیں اور نیچے وادی میں اس نے اپنے سارے تقارے جمع کر دیے تھے اور جب حملہ شروع ہوا تو انفجاروں پر چوہیں پڑنے لگیں تاکہ سپاہیوں کے اندر ایک جوش اور جذبہ پیدا ہوتا رہے اور اسی جذبے اور جوش میں لشکری چھینیلوں سے چٹانوں پر ضربیں لگا کر اور راستہ بناتے ہوئے چڑھنے لگے تھے۔ گزشتہ دن کی طرح آج بھی ایرانی کو ہمتان کے اوپر سے تیسرے تیسروں کی بارش کر رہے تھے لیکن تیمور کے سپاہی اپنے سروں پر ڈھالیں رکھ کر اپنے اپنے کام میں مصروف رہے اور قلعے کے ایک بُرج کو هدف بنائے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔ اچانک کو ہمتانوں کے اوپر ایک آواز بلند ہوئی۔ امیر فتح مند ہوا اور اس کے سامنے ایرانی زیر ہو گئے۔

تیمور اور اس کے سارے لشکریوں نے دیکھا۔ یہ اعلان مشہور سالار آق بوغا کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تقریباً دوسو فٹ کی بلندی پر چٹانوں کے اوپر ایک کوہستانی چوٹی پر اس راستے کے قریب تھا جو قلعے کے اوپر جاتا تھا۔ تیمور آق بوغا کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا اور اپنے بیٹے شاہ رخ کو اس سمت سے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔

اب آق بوغا اس ایرانی بُرج پر زبردستی لگا تھا جو اس سے قریب ہی تھا۔ اس دوران شاہ رخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور ایرانی فوج کی طرف پیش قدمی شروع کر دی گئی۔ پھر تاری اس راستے سے بادلوں کے اندر گھس جانے والی شفق بھیلیتی روٹھیوں اور دبیز سپاہیوں میں صبح کی کرن کی طرح بڑھتے چلے گئے تھے۔ تاتاریوں کو اب وہ راستہ ہاتھ آ گیا تھا جس کے ذریعے وہ کوہستان کے اوپر جاسکتے تھے۔

ایرانی بھی جان گئے تھے کہ تاتاری اوپر آنے والے راستے پر قابض ہو گئے ہیں۔ انداز انہوں نے سنگ باری اور تیر اندازی میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی تھی۔ لیکن

تاتاریوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور ڈھالیں سرور پر رکھے دو آگے بڑھتے رہے۔ پھر لمحہ بہ لمحہ ایرانی بیعتی آداس شام، صعوتوں کے سلسلے، سلگتی پیش، شدت فراق، بے اساس امیدوں اور دائمی تھکن کا شکار ہوتے دکھائی دینے لگے تھے۔ جب کہ دوسری طرف تاتاری اپنے حوصلے بلند رکھے ہوئے تھے اور وہ سرکشی پر چھائیوں، تباہی کے تانہ بوسول، غم کی یلغار، برق کے طوفان، گونگے سا گروں کی طرح بڑھتے چلے آ رہے تھے، اس سے ان کی آنکھیں فتح کی امیدوں کے باعث بوجھل تھیں اور ان کی سفاک تلواروں کی دھار راستے میں آنے والی ہر شے کو ریگ صحرا کی طرح اڑاتی چلی جا رہی تھی۔

دوسری طرف منصور بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس قلعے کے قریب ذرا فاصلے پر پڑاؤ کر کے گھات میں بیٹھ گیا تھا۔ اُسے امید تھی کہ تیمور اس قلعے کو فتح نہ کر سکے گا اور جب وہ اپنے تاتاری لشکر کے ساتھ یہاں سے ناکام و نامراد لوٹے گا تو وہ اس کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے گا تاکہ تیمور کو پھر کبھی ان سرزمینوں کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہو لیکن قدرت شاید کچھ اور ہی فیصلے کر چکی تھی۔ آخر کار شاہ رخ کے زوردار حملوں نے ایرانیوں کو سامنے والا برج خالی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب تاتاریوں کے لیے کوہستان کے اوپر چڑھنا آسان ہو گیا تھا۔ پہلا بُرج فتح کرنے کے بعد شاہ رخ نے اس بُرج کے اوپر اپنا علم گاڑ دیا تھا۔ نیچے وادی میں تیمور کی ہدایت پر ابھی تک نقاروں کی جنگی جنون طاری کرنے والی دھنیں سنائی دے رہی تھیں۔

ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کا ایک بُرج ان کے ہاتھ سے جانا رہا ہے اور یہ کہ تھوڑی دیر تک تاتاری لشکر یلغار کرتا ہوا اوپر پہنچ جائے گا تو انہوں نے قلعے کو خالی کر دیا اور کوہستان کی دوسری سمت سے نیچے اتر کر وہ منصور کے لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح جب شاہ رخ طوفانی انداز میں اپنے لشکر کے ساتھ پہاڑ کے اوپر قلعہ سفید میں آیا تو قلعہ خالی پڑا تھا اور ایرانی وہاں سے بھاگ چکے تھے۔ یوں قلعہ سفید تاتاریوں کے

۱۔ اس جنگ میں آن گزشت ایرانی مارے گئے اور اس قلعے کا کماندار (باقی صفحہ ۱۱۵ پر)

ہاتھوں فتح ہو گیا اور ایرانیوں کو ناقابلِ تلافی انفرادی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس جنگ میں فتح مندی کے بعد جب قلعہ سفید پر مکمل طور پر قبضہ ہو گیا اور تیمور کا لشکر نیچے وادی میں جمع ہوا تو تیمور نے آق بونا کو طلب کیا۔ کیوں کہ یہ فتح اس کی جرأت مندی کے باعث ہوئی تھی۔ جب آق بونا کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو تیمور اس بہادر سے گلے لگا کر ملا اور اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اے آق بونا! چونکہ یہ فتح تیری جرأت اور شجاعت کے باعث ہے۔ لہذا میں تجھے ایسے انعامات سے نوازوں گا جو تیری جوانمردی کے شایانِ شان ہوں۔“

پس تیمور نے آق بونا کو چاندی کے کسے۔ ریشمی کپڑے، زرقبت کے تھان نیمے، حسین و جمیل کنیزیں، گھوڑے، نیچر اور اونٹ اتنی تعداد میں دیے، کہ آق بونا بوکھلا سا گیا تھا۔ اور جب یہ سارے انعامات وصول کرنے کے بعد وہ تیمور کے پاس سے ہٹا اور لوگ اسے ان انعامات پر مبارک باد دینے لگے تو آق بونا نے جواب میں کمال سادگی کے ساتھ کہا۔

”خدا شاہد ہے، کل تک میرے پاس صرف ایک گھوڑا ہی تھا اور آج مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرے پاس اس قدر سامان ہو گیا ہے۔“

ان انعامات کے علاوہ تیمور نے آق بونا کو ترقی دے کر اپنے پوتے محمد سلطان کے لشکر میں لشکر کے عقبی حصوں کا کماندار بنادیا تھا۔ اس طرح تیمور نے ایک لشکر کو اس کی جرأت مندی کا خوب صلہ دیا۔ اور آق بونا اپنی موت تک اس منصب پر قائم رہا۔ قلعہ سفید پر قبضہ کرنے کے بعد جب تیمور کو یہ اطلاع ملی کہ قلعے کا محافظ لشکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۴) بھی جنگ میں کام آیا اور اس کی لاش کپڑوں کی ایک گھٹری کی صورت میں تاتاریوں کے ہاتھ لگی۔

۲۔ اس جنگ کے بعد آق بونا نے کبھی تیمور کی طرف پیٹھ نہ کی اور مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرے پاؤں تیمور کے محل کی طرف ہوں (باقی صفحہ ۱۱۵ پر)

دوسری طرف سے اتر کر منصور کے لشکر سے جا ملا ہے اور یہ کہ منصور اس متحدہ لشکر کے ساتھ شیراز کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ وہاں جا کر اپنے لشکر کی قوت و تعداد میں اضافہ کرے اور کسی مناسب مقام پر تیمور کا مقابلہ کرے۔ تیمور اس منصور کو یوں آسانی سے بھاگ کر شیراز کی طرف چلے جانے کا موقع نہ دینا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے منصور کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

تیمور نے اپنے دونوں پوتوں محمد سلطان اور پیر محمد کو لشکر کے میزبان اور میرہ حصوں کے ساتھ وہیں چھوڑا اور اپنے بیٹے شاہ رخ کو لے کر اس نے باقی لشکر کے ساتھ منصور کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ منصور کو بھی اطلاع مل گئی تھی کہ تیمور اپنے بیٹے کے ساتھ اس کے تعاقب میں لگ گیا ہے۔

اس تعاقب کے دوران منصور اپنے لشکر کے ساتھ ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرا جس کے کچھ بزرگ اور بوڑھے بستی سے باہر کھڑے تھے۔ منصور کے ذہن میں نہ جانے کیا سمائی کہ اس نے اپنے لشکر کو وہاں روک دیا اور ان بوڑھوں کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔ "کیا تم لوگ مجھے بتا سکو گے کہ شیراز کے باشندے تیمور اور منصور کی اس جنگ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

منصور نے ان سے یہ سوال اس بنا پر کیا تھا کہ وہ بستی شیراز کی ایک ضرافاتی بستی تھی۔ لہذا وہ لوگ شیراز شہر کی ساری خبریں رکھتے تھے۔ ان بوڑھوں میں سے ایک نے منصور کو مخاطب کر کے جواب میں کہا۔

"شیراز اور اس کے گرد و نواح کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ منصور اور اس کے لشکر کی جو بھاری بھاری تلواریں اٹھائے پھرتے ہیں اور جن کے پاس وزنی تیر ہیں وہ اپنے بیوی بچوں کو پیچھے چھوڑ کر اس طرح بھاگے ہیں جس طرح بکریاں بھیڑیوں کو دیکھ کر بھاگ

اُٹھتی ہیں۔"

منصور کے لیے یہ طعنہ ناقابل برداشت ہو گیا۔ لہذا لوگوں کے اندر اپنی شجاعت بحال کرنے کے لیے اس نے تیمور کے ساتھ ٹکرا جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ منصور جانا تھا، کہ تیمور اس کے تعاقب میں چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو وہیں سے واپس موڑا اور جنگ کے لیے ایک مناسب جگہ پر وہ تیمور اور اس کے لشکر کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

تیمور جب اس جگہ پہنچا جہاں منصور اپنے لشکر کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھا تھا تو اچانک اپنی اس کمین گاہ سے نکل کر منصور نے اس پر حملہ کر دیا تھا اور یہ حملہ ایسا تھا کہ منصور نے تیمور کے لشکر کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور ایک بار اس نے تیمور کے لشکر کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ گو اس حملے کے وقت تیمور اپنے لشکر کے عقبی حصے میں تھا لہذا اس نے بھی اس حملے کی سختی کو بُری طرح محسوس کیا تھا۔ تیمور اس حملے کی وجہ سے اپنی جگہ پریشان اور پرآگندہ سا کھڑا تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کے دائیں پہلو سے ایک اور لشکر نمودار ہوا۔ اس لشکر کا سردار اس کے آگے آگے تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرا رکھا تھا لہذا تیمور اسے پہچان نہ سکا تھا۔

اس نئے آنے والے لشکر کے سردار نے منصور کے لشکر پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جہاں تھوڑی دیر قبل تک منصور کا لشکر غالب آتا دکھائی دے رہا تھا وہاں اب نئے لشکر کے حملہ آور ہونے کے باعث منصور کے لشکر کی اپنی جانیں بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ منصور نے جب دیکھا کہ اس نئے حملہ آور کی وجہ سے اس کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئی ہیں تو اس نے ایک نئی اور انوکھی تدبیر اپنائی۔ اپنے لشکر کے عمدہ ترین سپاہیوں پر مشتمل اس نے فی الفور ایک نیا لشکر ترتیب دیا اور اس لشکر کے ساتھ ایک مختصر ترین چکر کاٹتا ہوا وہ تاتاری لشکر کی پشت پر

(نہجہ حاشیہ صفحہ ۱۱۵) اپنی زندگی میں موتے وقت بھی وہ تیمور کے محل کی طرف اپنے پاؤں رکھنے لگا

تھا۔ تاکہ تیمور کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

لے تیار بخوں میں اس طعنہ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

نمودار ہوا تھا۔

منصور کا ارادہ یہ تھا کہ تیمور پر ایک زوردار حملہ کر کے وہ تیمور کو قتل کر دے اور اس کے قتل ہو جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ اس کی فتح یقینی ہے بلکہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاتاریوں کی ترک تاز اور بلغار سے نجات مل جائے گی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے منصور اپنے اس نئے لشکر کے ساتھ طوفانی انداز میں مار دھاڑ کرتا ہوا تاتاری لشکر کی پشت پر اس جگہ آ پہنچا۔ جہاں پر تیمور اپنے محافظ دستوں کے ساتھ تیمور اس وقت اپنے محافظ دستوں کے درمیان نئے حملہ آور ہونے والے لشکر کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا۔ اسے منصور کے اس طرف آنے کی توقع تک نہ تھی اور نہ ہی وہ اس طرف متوجہ تھا جس سمت سے منصور حملہ آور ہوا تھا۔

منصور نے آن کی آن میں تیمور کے ارد گرد پھیلی سپاہ اور اس کے محافظ دستوں کو اپنے لشکر کے ساتھ الجھا کر کھ دیا اور خود وہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ ایک طرح سے سر پر کفن باندھ کر تیمور کے سر پر جانمو دار ہوا۔ اب تیمور کے اطراف میں تاتاری اور ایرانی ہوناک انداز میں برسر پیکار ہو چکے تھے۔ منصور جب اچانک تیمور کے محافظوں کو تہ تیغ کرتا ہوا عین تیمور کے سامنے آ نمودار ہوا تو تیمور بوکھلا کر رہ گیا۔ تیمور اپنا ہاتھ فوراً پیچھے لے گیا تاکہ اپنے اس نیزہ بردار سے نیزہ لے جو ہر وقت تیمور کے ساتھ رہتا تھا لیکن تیمور کو مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ ایرانی اس نے نیزہ بردار کا پہلے ہی خاتمہ کر چکے تھے۔ لہذا اس کا نیزہ بردار اپنی جگہ پر نہ تھا۔ اس موقع پر تیمور بُری طرح مایوسی اور غدشات کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔

نیزہ بردار کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد تیمور فوراً اپنی تلوار بے نیام کر کے منصور کے مقابلے میں مستعد ہو جانا چاہتا تھا۔ پر اس کے تلوار نکلنے سے قبل ہی منصور نے اپنی تلوار کا وار کر دیا تھا۔ تیمور کی گرفت میں ڈھال بھی نہ تھی لہذا منصور کے اس وار سے بچنے کے لیے اس نے اپنا سر آگے کر دیا اور منصور کے وار کو اس نے اپنے آہنی خود پر لیا۔ منصور کی تلوار تیمور کے فولادی خود سے ٹکرائی اور پھر پھسل کر

تیمور کی زہر پر جانگی اور چونکہ تیمور کی زہر مضبوط کڑیوں کی بنی ہوئی تھی لہذا تیمور کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔

ایک دفعہ وار کرنے کے بعد منصور نے دوسری بار تیمور پر وار کیا۔ شاید وہ ہر صورت میں تیمور کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ پر دوسری بار بھی تیمور نے اس کی تلوار کو اپنے خود پر روک دیا تھا۔

منصور تیسری بار تیمور پر وار کرنا چاہتا تھا کہ تیمور کے ایک محافظ نے اپنی لعل تیمور کے سامنے کر دی اسے بچا لیا۔ اتنی دیر تک ایک اور محافظ بھی حرکت ہی آیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو تیمور اور منصور کے درمیان حائل کر دیا تھا۔ اب تیمور کو کچھ ہوش آیا اور اس نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا اس کے ارد گرد پہلے اس کے محافظ دستوں اور دیگر سپاہیوں پر ایرانی تقریباً تقریباً غالب آ چکے تھے۔ اس موقع پر منصور نے بھی اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا اور جب اس نے دیکھا کہ ایرانی بچے لکھ تاتاریوں کا صفا یا کرنے میں مصروف ہیں تو اس نے وحشیانہ انداز میں زور سے ایک لو مارا تاکہ اس کے لشکر میں اس کی طرف متوجہ ہوں۔ انہیں احساس ہو کہ منصور زندہ ہدان کے ساتھ ہے اور اس احساس کے تحت وہ اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

تیمور کو اب اپنی جان کے لالے پر گئے۔ اس کے چاروں طرف ایرانی پھیلے ہوئے تھے اور اب اسے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت دکھائی نہ دے رہی تھی۔ اس موقع پر تیمور اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب ڈال کر بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حالات نے اچانک پلٹا کھایا اور تیمور وہاں سنوں کی طرح جم کر رہ گیا تھا۔ تیمور نے دیکھا ہلک کے دوران منصور پر جو نیا لشکر حملہ آور ہوا تھا اس لشکر کا سردار اپنے چند دستوں کے ساتھ طوفانی انداز میں ایرانیوں کا صفا یا کرتا ہوا تیمور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تیمور اب بھی بے پہچان نہ سکا تھا اس لیے کہ وہ اپنے چہرے پر خود کا نقاب گرائے ہوئے تھا۔ تیمور نے اپنے چہرے پر گرگرایا ہوا خود کا آہنی نقاب ہٹا دیا اور اب وہ نئے لشکر کے اس سردار کی

طرف بڑے انہماک اور توجہ سے دیکھنے لگا تھا۔
 تیمور نے دیکھا وہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ قفس کرتے پیاسے صحرا لہروں
 کی نوحہ گری، ذہنوں کے الجھاؤ، دلوں کی خستگی اور غرض حیات کی دیکھ بن کر بڑھتا چلا
 آ رہا تھا۔ وہ ایرانیوں پر طلسم و ہم اور زنگ کے غلاف کی طرح چھٹا جا رہا تھا۔ اس کے
 خوفناک حملوں سے ایسا لگتا تھا جیسے اس کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ پھلاؤں کے
 اور پھلپلیوں کے ممکن سے ہو۔ وہ اپنے سامنے ایرانیوں کی حالت آبی پرندوں کے
 ٹوٹے پتوں، ترستی ریت، دائمی تھکن جیسی بناتا چلا آ رہا تھا۔

تیمور بڑے انہماک سے اس سردار کی طرف دیکھے جا رہا تھا جو منصور کے لشکریوں
 کی نیت کی نرابی، ارادوں کی ناپاکی اور مقاصد کی خباثت کو روندتا ہوا ایرانیوں کے دلوں
 کا نوحہ، ہونٹوں کی آہ، آنکھوں کا آنسو اور غم کی سسکی بن کر رہ گیا تھا۔
 وہ سردار لمحوں کے اندر پھر پھر کٹھتے بگولوں اور اڈتے طوفانوں کی طرح حملہ
 آور ہوتا اور اپنے سامنے منصور کے لشکریوں کو مدقوق، مغلوج، معذور، محکوم، مجبور
 اور لاچار کرتا ہوا تیمور کے قریب پہنچ گیا۔ اس موقع پر منصور نے اپنے ارد گرد دڑتے
 لشکریوں کو جمع کیا اور آگے بڑھ کر اس نے اس سردار پر حملہ کر دیا تھا لیکن تیمور کی
 حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ تھی۔ جب وہ سردار کسی صحرا نژاد اور نعرہ مٹان کی طرح،
 روشنی کا ایک مینار اور گردشِ شام و سحر بن کر منصور پر چھا گیا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں
 اس نے منصور کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی اور پھر وہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ جس
 طرف سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا اور تیمور کے لشکر میں گھس کر وہ منصور کے نیچے
 پچھے لشکریوں کا صفایا کرنے لگا تھا۔

تیمور ابھی تک اس دور لڑتے اس سردار کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر تیمور
 کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے اور اس نے اس سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
 ”اے اجنبی سردار! میں نہیں جانتا تو کون ہے اور تیرا تعلق کن سرزمینوں سے ہے۔
 اے وفا شعار رفیق! اے جاں نثار اجنبی! مجھے معلوم نہیں تو کون ہے اور تیرا کیا حسبِ نسب

ہے پر ان سب باتوں سے بے پرواہ و لائق ہو کر اے اجنبی! میں تجھے اپنا بیٹا کہہ کر پکارتا
 ہوں۔ اس موقع پر تیمور کی آنکھوں سے آنسو بڑی طرح بہہ نکلے تھے۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ
 فصنا میں بند کر کے بہتے آنسوؤں کے ساتھ بلند آواز میں کہا۔
 ”اے اجنبی! تو نے موج و گرداب، شام کے جھپٹوں، وقت کے سانچوں،
 اور علمات کی بساطوں کی طرح دشمن پر چھا کر اس کی حالت لاشوں کی بستی جیسی کر دی ہے
 اجنبی! قسم مجھے اپنے خداوند کی آج سے تو میرا بیٹا ہے۔ اے اجنبی! میں تجھے اپنے لشکر
 کے قلب کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ اے اجنبی! نہیں نہیں! اے میرے بیٹے!

تو نے دشمن کی حالت خون کی ٹھہری دھار، اشکوں کی خشک ندی، درد کے
 جنگل، ہو کے دیار، خوابوں کے دیرانوں، کشتِ بے رنگ اور سنسناں زندان جیسی
 کر کے رکھ دی ہے۔ تو نے عزم کوزہ گراں کی طرح دشمن کے شرق و غرب اور شمال
 و جنوب کو بہت وبال کر کے نخل میں غرق کر دیا ہے۔ کاش! میری اپنی اولاد میں سے
 بھی کوئی تیرے جیسا ہوتا۔

تیمور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیوں کہ ایک طرف سے اس کا بیٹا شاہ رخ اپنا
 گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ قریب آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور وہاں پڑا ہوا منصور
 کا کٹا سر اس نے اٹھا کر اپنے باپ کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ جنگ اب ایک طرح
 سے ختم ہو چکی تھی کہ منصور کے لشکر کی اکثریت جنگ میں کام آچکی تھی اور جو کچھ باقی
 بچے وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔

تیمور نے چند ثانیوں تک اپنے پاؤں کے پاس پڑے ہوئے منصور کے سر
 کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے فرزند!
 انوس میں تیری طرف دھیان نہ دے سکا کہ تو کب آیا طرف آیا۔ میں دراصل اس اجنبی
 سردار کو دیکھ رہا تھا۔ جس نے منصور کو قتل کیا اور لمحوں کے اندر میدانِ جنگ پر چھا کر اس
 نے دشمن کی حالت دیکھتے دوزخ، شہر بے ضمیر، دکھی سوجھوں کے نوے اور قبرستان
 کی دیرانوں جیسی کر کے رکھ دی ہے۔

اے شاہرخ! میرے بیٹے! تو نے دیکھا اس اجنبی سردار نے اس جنگ کے اندر کیا سماں باندھا۔ اس نے نہ صرف منصور کو قتل کر کے میری جان بچائی بلکہ اپنے بے کل لہروں جیسے حملوں سے اس نے ایرانیوں کی حالت سلگتی جان، مڑھ گماں، تابوت کی تنہائیوں اور درد کی تاریک فصیلوں جیسی کر کے رکھ دی۔

اے اجنبی! تیری عظمت تیری شجاعت کو سلام، اے اجنبی! تیری جاں نثاری تیری سرفروشی کو سلام، تو عزم سے بھرپور امنگوں کی طرح حملہ آور ہوا اور شام کے تاریکی باطل اور خواب و سُراب کی طرح دشمن پر چھا گیا۔ کاش میرے ساتھ میرا کوئی تعلق ہوتا۔ کاش! میں یہ جان سکتا کہ تیرے جیسے ہزیمتوں کی گنتی کو کامرائیوں کی گنتی میں بدل دینے والے جوان کہاں اور کن سرزمینوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

شاہرخ نے اس بار حیرت و استفہام میں پوچھا۔ اے پدرِ محترم! آپ کس اجنبی کی بات کر رہے ہیں؟

تموور نے کہا۔ وہی اجنبی جو عین جنگ کے عروج میں یہاں وارد ہوا اور منصور کو قتل کرنے کے بعد اس نے نہ صرف میری جان بچا کر مجھے حیاتِ نودی بلکہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ مدتوں کے رکے ہوئے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو کر ایرانیوں کے لیے اس رزم گاہ میں مڑھ لحوں کی لُوحوں اور احساس کے ویران کھنڈرات کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔ اس نے اس وقت میری جان بچائی۔ جب میرے چاروں طرف ابلیس ی ابلیس ناچ رہے تھے۔ تو نے دیکھا شاہرخ! اس اجنبی نے کیسے دشمن کے سامنے رہی اور شہر ہی شہر پھیل کر اس کے خلاف جرم و سزا کے دائرے تنگ سے لے کر کر کے رکھ دیے تھے۔

اے شاہرخ! جنگ کے اندر اس اجنبی کی کارگزاری جب اپنے عروج اور انتہا پر بھی تو میں نے اپنے خداوند کی قسم کھا کر اس سے متعلق دو فیصلے کیے تھے۔ ایک یہ کہ اسے اپنا بیٹا بناؤں گا۔ دوم یہ کہ میں اسے اپنے قلب کا سالار بنا دوں گا۔

تموور جب خاموش ہوا تو شاہرخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اے پدرِ محترم!

وہ جس نے آپ کی جان بچائی، وہ جو دشمن پر لہو کی تازہ حرارت، رُوح کی وحشت اور سلسلہ کرب و فراق کی طرح حملہ آور ہوا تھا دشمن پر اس نے نچمڑے تھکوں، سیاہیوں کے عذاب اور اسیرِ وحشت صحرا کی سی کیفیت طاری کر دی تھی وہ کوئی اجنبی نہیں ہے۔ اے میرے باپ! وہ تو نور الدین ہے، اپنا نور الدین۔

تموور چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے تعجب و حیرت نیز سے انداز میں کہا۔ اے شاہرخ! میرے بیٹے! حیرت ہے کہ میں نور الدین کو نہیں پہچان سکا۔ پر اس میں میرا بھی کوئی دُش نہیں ہے۔ اس کے حملہ آور ہونے کا انداز ہی ایسا وحشیانہ اور بے باکانہ تھا کہ میں اسے پہچان نہیں پایا۔

اے شاہرخ! میں نے نور الدین کے حملوں میں ایک انوکھی سنجیدگی، تہذیب، راست بازی، شرافت اور حروف کی صداقتیں دیکھی ہیں۔ وہ ایسے جا رحانہ مزاج کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ رہا تھا جیسے کوئی بھوکا شاہین طائروں کی ٹولیوں میں گھس پڑا ہو۔ اے شاہرخ! مجھے یہ جان کر اور زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ دشمن کے صبر و جبر کو توڑ کر اسے وسوسوں کے پر تو شان میں ڈالنے والا یہ اپنا نور الدین ہے۔ اے شاہرخ! میرے بیٹے! گواہ رہنا کہ میں نور الدین کو اس کی اس کارگزاری کے باعث اپنا بیٹا اور اپنے لشکر کے قلب کا سالار بنا چکا ہوں۔

شاہرخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! آپ ایک عمدہ قدر و جوہر شناس ہیں۔ بخدا آپ نے نور الدین کو وہ کچھ دیا ہے جس کے وہ قابل ہے۔ میں ہمیشہ اس جیسے بھائی اور اس جیسے سالار پر محراب اور اس کی قدر کرتا رہوں گا۔

شاہرخ کے خاموش ہونے پر تموور پھر بولا اور پوچھا۔ اے میرے بیٹے! تو نے کیسے پہچان لیا کہ وہ اپنا نور الدین ہے جب کہ وہ اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب گرا لے ہوئے تھا اور میں تو اندازہ تک نہیں کر سکا کہ وہ نور الدین ہے۔

تیمور کی اس گفتگو پر اور زیادہ کھل کر مسکراتے ہوئے شاہ رخ نے کہا: "اے میرے باپ! پہچان تو میں بھی اُسے نہ پایا تھا۔ میں تو اسے مل کر آ رہا ہوں۔ بخدا اس جنگ میں اس نے وہ کام سرانجام دیا ہے جو ہم میں سے کوئی بھی ادا نہ کر سکتا تھا۔ جس وقت اس جنگ کے دوران میں نور الدین سے ملا ہوں اس وقت آق بونا بھی وہاں تھا اور نور الدین کی اس کارگزاری پر وہ بھی کھل کر داد دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ میری قلعہ سفید پر جس کارگزاری کے باعث آقا تیمور نے انعام و اکرام سے مجھے نوازا تھا۔ نور الدین کے اس سرفروشانہ معرکے کے سامنے میں اپنی اس مستعدی کو حقیقہ و کم تر خیال کرتا ہوں۔"

اس موقع پر تیمور جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ خاموش ہو رہا اس لیے کہ نور الدین اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ان دونوں کی طرف آ رہا تھا اور اس وقت وہ اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹائے ہوئے تھا۔ ذرا فاصلے پر آ کر نور الدین اپنے گھوڑے سے ایک پُر جوش چھلانگ لگاتا ہوا اتر گیا تھا۔

شاہ رخ فوراً بھاگ کر آگے بڑھا اور نور الدین کے کان میں کچھ سرگوشی کرنے لگا۔ شاہ رخ نے اسے ان فیصلوں سے آگاہ کر دیا تھا جو تیمور نے اس سے متعلق کیے تھے۔ شاہ رخ سے فارغ ہونے کے بعد نور الدین جب تیمور کی طرف بڑھا تو اس موقع پر تیمور خود بھی مسکراتے ہوئے والہانہ انداز میں آگے بڑھا اور نور الدین کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"اے نور الدین! میرے بیٹے! بخدا اس جنگ میں اپنی کارگزاری کے باعث تم نے مجھے خربہ لیا ہے۔ تو نے ثابت کر دیا ہے کہ تم میرے ان جرنیلوں میں سرفہرست ہوجن پر میں بد سے بدترین حالات میں بھی اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

نور الدین نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا: "شاہ رخ! مجھے ان فیصلوں سے متعلق آگاہ کر چکا ہے جو آپ نے میرے متعلق کیے ہیں۔ اے آقا! میں آپ کا

منون ہوں کہ آپ نے مجھے اس قدر اہمیت دی ہے۔



نور الدین کی اس گفتگو کے جواب میں تیمور کچھ کہنے والا تھا کہ اس کا ایک محافظ اس کے قریب آیا اور کہا: "اے آقا! بغداد کے مفتی اعظم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے گفتگو کر چکا ہوں۔ انہیں بغداد کے سلطان احمد جلایر نے قیمتی تحائف کے ساتھ آپ سے ملنے کے لیے بھیجا ہے اور یہ ملاقات اس بنا پر ہے کہ آپ آنے والے دور میں بغداد کے سلطان احمد جلایر سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھیں۔"

وہ محافظ تفصیل کہہ چکا تو تیمور نے کہا: "بغداد کے مفتی اعظم کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔" وہ محافظ واپس چلا گیا اور جب وہ بغداد کے مفتی اعظم کو اپنے ساتھ لے کر واپس آیا تو تیمور نے آگے بڑھ کر بڑے احترام اور عزت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ پھر کہا: "اے میرے بزرگ! آپ ایک میدان جنگ میں مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ جہاں اس پتھری زمین کے سوا بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کاش آپ میرے پاس سمرقند میں آئے ہوتے تو میں آپ کے شایان شان انتظامات کرتا۔"

جواب میں مفتی اعظم نے کہا: "میں جو کچھ کہنے آیا ہوں وہ کھڑا ہو کر ہی کہہ لوں گا۔ میں یہ گزارش کر دوں کہ مجھے بغداد کے سلطان احمد جلایر نے خیر سگالی جذبات کے تحت آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔"

ابھی یہاں تک ہی گفتگو ہوئی تھی کہ امیر الامراء سیف الدین اور چند دوسرے جرنیل اور امراء بھی وہاں آ جمع ہوئے تھے۔ ان کی آمد کی وجہ سے مفتی اعظم کو اپنی گفتگو سوک دینا پڑی۔ سیف الدین پہلے نور الدین کو گلے لگا کر ملا۔ پھر دوسرے سالاروں اور امراء نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کیا۔ اس نے بعد تیمور نے مفتی اعظم سے سب کا تعارف کرایا اور ان کی آمد کی وجہ بتائی۔ مفتی اعظم اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہے تھے۔

"اے سمرقند کے عظیم بادشاہ! مجھے بغداد کے سلطان احمد جلایر نے اس مقصد

کے تحت آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ میں آپ سے اہتمام کروں کہ سمرقند اور بغداد کے تعلقات دو بھائیوں جیسے رہنے چاہئیں۔ جہاں ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے ایران کو مکمل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ہے وہاں ہم آپ سے یہ اُمید بھی رکھتے ہیں کہ آپ بغداد سے کوئی تعرض نہیں کریں گے اور عالم اسلام کے لیے ماضی کی طرح بغداد کی مرکزی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا احترام کریں گے۔ میں آپ کے لیے اہل بغداد کی طرف سے سمرقند کے لیے پُر غلوص رہنے کی یقین دہانی لے کر آیا ہوں اور اہل بغداد سمرقند والوں سے بھی ایسے ہی جذبات کے خواہاں ہیں۔

تیمور نے کچھ سوچا پھر بولا۔ ”جہاں تک بغداد کی اسلام کے لیے مرکزی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کے لیے میں کہوں گا کہ یہ شہر اب ان دنوں کی طرح اسلامی دنیا کا مرکز نہیں رہا۔ جب ہارون الرشید اپنے وزرائے برآمدہ کے ساتھ وہاں اپنی رنگین اور الف بیلوی محافل گرم کیا کرتا تھا۔ گو اس شہر میں تاجروں اور زائرین کا اب بھی ہجوم رہتا ہے۔ مگر حقیقت میں بغداد شہر اب دریائے دجلہ کے کنارے ایک لاش کی طرح اکڑا پڑا ہے۔ سو میں کہوں گا کہ اب اس شہر کی کوئی مرکزی حیثیت نہیں ہے جو میں اس کا احترام کروں۔ میں بحیثیت مفتی اعظم آپ کی عزت افزائی کرتا ہوں لیکن بغداد جب بھی کبھی میرے راستے میں آیا۔ میں اس کا اور اس کے سلطان کا کوئی احترام نہ کروں گا۔“

مفتی اعظم بغداد کو تیمور نے ایسا جواب اس لیے دیا تھا کہ تیمور جدیدیت روجوں اور جدیدیت اعمال کی طرح پھیل کر اپنے آپ کو جنگیز خاں سے بھی بلندی پر دیکھنا چاہتا تھا

۱۔ اب دور کے بغداد سے متعلق علامہ ابن جریر لکھتے ہیں۔ ”اب بغداد میں پُرانے وقتوں کے مٹے ہوئے آثار اور آیام رفتہ کے افسانے ہی رہ گئے ہیں اور جس طرح کسی حسین عورت کو گزری ہوئی جوانی کی یادیں ستایا کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ شہر بھی اپنے بڑھاپے میں بھی کبھی آنکھوں سے دریائے دجلہ کو تکتا رہتا ہے جو کبھی آئینے کی (باقی صفحہ ۱۲۷ پر)

اپنی سلطنت کی وسعت کی خاطر وہ اپنے اس خبط اور جبر و ظلم کی پیاس کو ہوس کے صحرا کی طرح چھیلادینا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے مفتی اعظم بغداد کو کسی قسم کی یقین دہانی نہ کرائی تھی۔ دراصل تیمور چاہتا تھا کہ بغداد پر اس کا قبضہ ہو۔ وہاں کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور وہاں اس کا سکہ جاری ہو۔

تیمور جب اپنی بات کہہ چکا اور خاموش ہوا تو مفتی اعظم بغداد نے اسے وہ تحائف پیش کیے جو وہ بغداد کے سلطان احمد جلایر کی طرف سے جذبہ خیر سگالی کے تحت اپنے ساتھ لائے تھے۔

کچھ دیر تک تیمور ان تحائف کو غور سے دیکھتا رہا اور مفتی اعظم کی طرف سے اس نے ان تحائف کو قبول کیا۔ تیمور جب تحائف قبول کر چکا تو بغداد کے مفتی اعظم نے پھر ”اے امیر تیمور! میں پھر آپ کی طرف سے بغداد کے سلطان کو کیا جواب دوں۔“ تیمور نے کچھ سوچا پھر وہ اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ زمین کے ساتھ ٹٹکتی ہوئی خرچینوں میں سے ایک خالی کر کے اس نے اتاری۔ دوبارہ وہ اپنی جگہ پر آیا۔ زمین پر پڑا ہوا منصور کا کٹا ہوا سر اس نے اٹھا کر اس خرچین میں ڈالا جو اپنے گھوڑے کی خرچین سے اُتار کر لایا تھا۔ پھر وہ خرچین جس کے اندر منصور کا سر تھا تیمور نے بغداد کے مفتی اعظم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میری طرف سے منصور کا یہ ٹٹا ہوا سر بغداد کے سلطان احمد جلایر کو پیش کر دیں، وہ خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گا۔“

تیمور کی اس حرکت پر وہاں کھڑے سیف الدین، نور الدین، شاہ رخ اور دیگر امراء کو مایوسی ہوئی۔ بغداد کے مفتی اعظم کے چہرے پر بھی دیریناں بکھر گئی تھیں۔ تاہم انہوں نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اور تیمور کی وی ہوئی خرچین لے کر وہ وہاں سے ہٹ گئے تھے۔



اشارہ کر کے کہا۔ اے نور الدین! گزشتہ جنگ میں تمہاری سے مثل کارگزاری پر میں نے تمہیں صرف اپنا بیٹا بنانے کے علاوہ تمہیں قلب کا سالار مقرر کر کے تمہارے شجاعت اور سرفروشی کا حق ادا نہ کر دیا تھا۔ بلکہ ان حسین و جمیل دس کنیزوں سمیت یہ سارا سامان اب تمہاری ملکیت ہے۔ اسے قبول کرو کہ تمہاری یہ قبولیت میری خوشی اور میری دلجمعی کا سامان ہوگی۔ پھر تیمور آگے بڑھ کر نور الدین کا سارا سامان دکھانے لگا۔ تیمور کے ساتھ نور الدین جب سارے سامان، کنیزوں، گھوڑوں اور خچروں کو اچھی طرح دیکھ کر اور ان کا جائزہ لے چکا تب اس نے تیمور کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”اے امیر! کیا میں اس سارے سامان کا مالک ہوں اور اس پر مجھے مکمل اختیار ہے؟“

تیمور نے کسی قدر تعجب سے نور الدین کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”لاریب! ہمارا سامان تمہارا ہے نور الدین! اور تم اس کے بلا شکر ت غیر مالک ہو۔“ نور الدین نے آگے بڑھ کر سنہری سکوں کی چند تھیلیاں اٹھا کر اپنے گھوڑے کی خرچین میں ڈال لیں پھر تیمور سے اس نے کہا۔

”اے امیر! یہ جس قدر سامان ہے اسے آپ میری طرف سے شاہی نذرانے میں ڈال دیں۔ میں ایک سادہ اور مختصر ضروریات پر مبنی زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں۔ میں نے اس میں سے اپنے لیے اور کچھ ضرورت مند و وابستگان کے لیے سنہری سکوں کی تھیلیاں لے لی ہیں۔ اب باقی سامان سے میرا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔“

ہلکی ہلکی اور کسی قدر گری مسکراہٹ میں تیمور نے ان دس حسین و جمیل کنیزوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”اور ان کنیزوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟“

نور الدین نے ان حسین کنیزوں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”اے امیر! یہ کنیزیں میری طرف سے آزاد ہیں۔ میرا ان سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ یہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جہاں اور جس جگہ چاہیں آزادانہ زندگی بسر کر سکتی ہیں۔“ وہاں کھڑا ہو کر تیمور نے کچھ دیر سوچتا رہا۔ شاید نور الدین کے اس رویے اور اعلیٰ اخلاقی معیار کے ایک طرح سے تیمور کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر تیمور نے اپنے سر کو جھٹکا اور بولا۔

منصور کی شکست کے بعد ایران کی بدقسمتی پر بھی مہر لگ گئی اور ان کا شاہی خاندان جو مدافعت کی تھوڑی بہت سکت رکھتا تھا وہ بھی تنگوں کی طرح بکھر کر رہ گیا تھا۔ میدان جنگ میں منصور اور اس کے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد باری باری شیراز اور اصفہان میں داخل ہوا۔ دونوں شہروں سے اس نے شاہی خاندان کے سرکردہ لوگوں کے علاوہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو بھی پابزنجیر کر دیا۔ پھر شیراز سے باہر ایک کھلے میدان میں ان پابہ سلاسل شہزادوں اور شہزادیوں کو علیحدہ علیحدہ قطاروں میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔

شہزادوں اور شہزادیوں کی ان قطاروں کے قریب ہی سونے اور چاندی کے سکوں سے بھری ہوئی کچھ تھیلیاں، بہت سے ریشمی کپڑے، زربفت کے کچھ تھان، شیراز اور اصفہان سے حاصل ہونے والی شاہی خاندان کی دس حسین ترین کنیزیں، بارہ گھوڑے دس خچر۔ اس کے علاوہ خورد و نوش اور دوسری ضرورت کی ان گنت اشیاء تیمور نے علیحدہ کر کے اپنے بیٹے شاهرخ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے شاهرخ! ذرا میرے بیٹے نور الدین کو بلواؤ میں اس کے ساتھ اپنا سارا نہیں تو کچھ حساب ضرور بیک کرنا چاہتا ہوں۔“

شاهرخ نے قریب ہی کھڑے ایک لشکر کو نور الدین کو بلالانے کے لیے کہا اور وہ لشکر وہاں سے بھاگتا ہوا واپس جانے لگا اس سمت چلا گیا تھا جہاں نور الدین کے ساتھ کام کرنے والا لشکر خمیہ زن تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد نور الدین اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں آیا اور تیمور کے قریب آ کر اپنے گھوڑے سے اتر کر اس نے پوچھا۔ ”اے امیر! آپ نے مجھے طلب کیا ہے؟“

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں تیمور نے کہا۔ ”ہاں تمہارے ساتھ ایک حساب تھا۔ میں نے سوچا اسے بے باک کر دوں۔ پھر تیمور نے ایران کے پابزنجیر کھڑے شہزادوں اور شہزادیوں کے سامنے سامان کے ڈھیر، کنیزوں، گھوڑوں اور خچروں کی طرف

اے نور الدین! میرے بیٹے! میرے ساتھ آؤ۔ نور الدین آگے بڑھا اور خاموشی سے تیمور کے ساتھ ہو لیا تھا۔

نور الدین کو تیمور زنجیروں میں جکڑی اور ایک قطار میں کھڑی ایرانی شہزادیل کی طرف لے گیا۔ پھر اسے کہا۔ اے نور الدین! زنجیروں میں جکڑی ہوئی۔ یہ سب ایران کی شہزادیاں ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ انہیں غور سے دیکھتے چلے آؤ۔ پھر میں ان سے متعلق تم سے ایک سوال کروں گا۔

تیمور ان ساری زنجیروں میں جکڑی ہوئی شہزادیوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھے لگا اور اس کے کہنے پر نور الدین بھی بڑے انہماک سے انہیں دیکھتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ جب شہزادیوں کی وہ قطار ختم ہوئی تو تیمور نے پوچھا۔

اے نور الدین! ایران کی ان شہزادیوں میں سے کون سی تمہیں بھلی لگی کس میں تم اپنے لیے جذب و کشش محسوس کرتے ہو اور ان میں سے کون ہے جسے تم اپنی پسند کہہ سکتے ہو؟

نور الدین نے چونک کر تیمور سے پوچھا۔ میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تیمور نے اس بار کھل کر کہا۔ اے نور الدین! میں چاہتا ہوں ایران کی ان شہزادیاں میں سے تم اپنے لیے کسی کو پسند کر لو۔ پھر میں بڑی شان و شوکت اور کدو فر کے ساتھ تمہاری اس سے شادی کرادوں گا۔

نور الدین نے گردن جھکالی اور کہا۔ اے امیر! میں ان میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ ہی میرا بھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ میں آنے والے دور میں شادی ضرور کروں گا لیکن وہ شادی میری پسند کی ہوگی۔

تیمور نے مسکراتے ہوئے فراخ دل سے کہا۔ اے نور الدین! میرے بیٹے! ایک شادی تم ان شہزادیوں میں سے کر لو اور ایک بعد میں اپنی مرضی سے اپنی پسند کے مطابق کر لینا۔

نور الدین نے پھر سر کو جھکائے ہی جھکائے کہا۔ نہیں امیر! ایسا ممکن نہیں ہے۔

میں زندگی میں شادی ایک ہی لڑکی سے کروں گا اور وہ لڑکی ان دنوں سمرقند میں ہے۔ تیمور نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے تاکہ وہ لڑکی کون ہے۔ کس کی بیٹی ہے اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

نور الدین نے انتہائی سنجیدگی میں کہا۔ اے امیر! ابھی اس کا نام اور حسب و نسب بتانے کا وقت نہیں آیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مناسب وقت پر آپ سے سب کچھ کہہ دوں گا۔

تیمور نے کچھ سوچا پھر دوبارہ اس نے پوچھا۔ اے نور الدین! میں بڑی بے چینی کے ساتھ اس وقت کا انتظار کروں گا جب تم مجھے اس لڑکی کے نام اس کی ولایت اور اس کے حسب و نسب کے متعلق خبر کر دو گے تاکہ میں اس سے تمہاری شادی کر کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔

نور الدین نے کہا۔ اے امیر! وقت آنے پر میں سب کچھ آپ سے کھل کر کہہ دوں گا۔ اس پر تیمور نے سامان کے اس ڈھیر کو شاہی خزانے میں اور گھوڑوں، خچروں کو لشکر میں شامل کرنے کا حکم دیا اور نور الدین کے لیے منتخب کی جانے والی دس کنیزوں کو اس نے اس کی خواہش کے مطابق آزاد کر دیا تھا۔

اس کے بعد تیمور نے پابہ سلاسل شہزادوں اور شاہی خاندان کے سب افراد کو تیغ کر دیا۔ تاہم وہ شیراز اور صفہان سے جو فن کار، مصور، شاعر اور ادیب ہاتھ لگے تھے۔ انہیں اپنے ساتھ لیتا گیا۔ راستے میں قلعہ سفید کے قریب تیمور نے اپنے پوتے محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکروں کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا اور سمرقند کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

قلعہ سفید سے وہ جاتی دفعہ ایران کے سابق حکمران زین العابدین کو بھی کر چمے منصور نے اندھا کر دیا تھا اپنے ساتھ سمرقند کی طرف لے گیا۔ اس طرح ایران پر اب اس نے اپنی طرف سے تاتاری حکمران مقرر کر دیا تھا۔

ایک فاتح کی حیثیت سے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ باب الاچور سے سمرقند شہر میں داخل ہوا۔ اس کے اور اس کے لشکریوں کے استقبال کے لیے باب الاچور سے لے کر سمرقند کے قلعے تک قالینوں اور بانات کا فرش بچھا دیا گیا تھا۔ راستے میں پڑنے والے چھتوں اور باغوں کی دیواروں میں ریشمی کپڑوں کے علاوہ کثیدہ کاری اور زر و دوزی کا کام کیے ہوئے کپڑے لٹکا دیئے گئے تھے۔ بازاروں کی دکانیں خوب سجی ہوئی تھیں۔ ہر طرف چہل پہل تھی اور لوگ اپنے بہترین لباس پہنے لشکر کے استقبال کو گھروں سے نکل آئے تھے۔

تیمور جب شہر میں داخل ہوا تو اس کے دائیں ہاتھ شاہزادہ شاہرخ اور تیمور کے پوتے محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل تھے جب کہ بائیں طرف نور الدین اور سیف الدین تھے۔ مقامی امراء و رؤسا، شہزادوں اور باہر سے آئے ہوئے سوداگروں نے شہر سے باہر نکل کر تیمور کا استقبال کیا۔ تیمور کی بیوی سرائے خانم نے اپنے شوہر تیمور اور بیٹے شاہرخ کے قدموں پر اپنے غلاموں کے ذریعے زرد و جواہرات کے ڈھیر لگا دیے تھے جب کہ تیمور کی بہو خانزادہ اپنے تینوں بیٹوں شہزادہ محمد سلطان شہزادہ پیر محمد اور شہزادہ خلیل کی منتظر تھی اور جب وہ اس کے قریب آئے تو اپنے غلاموں کے ذریعے خانزادہ نے اپنے تینوں بیٹوں پر موتیوں کے علاوہ سونے کا بُورا بچھا ور کیا۔

اس موقع پر تیمور نے کچھ لوگوں کو تنبیہ کرنے کے انداز میں ہدایت کی کہ وہ نور الدین پر بھی موتی اور سونے کا بُورا بچھا ور کریں۔ ساتھ ہی تیمور نے خود بھی کچھ غلاموں سے موتیوں اور سونے کے بورے کی تھیلیاں لے لیں تاکہ وہ خود بھی موتی اور سونے کا بُورا نور الدین پر بچھا ور کرے۔ پر تیمور کی اس وقت حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ اپنے بائیں طرف مڑا تو اس نے دیکھا وہاں نور الدین نہ تھا اور اس سے بائیں طرف صرف اکبر سیف الدین ہی تھا۔

چلا گیا۔

سیف الدین نے مدھم مگر کسی قدر آواز میں کہا۔ "اے امیر! نور الدین تھوڑی ہی دیر قبل ہم سے کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا وہ ابھی ہم سے دوبارہ آئے ہوتا ہے۔ پر میں نے جب دوبارہ مڑ کر پیچھے دیکھا تو عقب میں نور الدین مجھے دُور دور تک کہیں دکھائی نہ دیا۔ میں خود اس سے متعلق فکر مند ہوں۔ وہ نہ جانے کہاں، کیوں اور کدھر چلا گیا ہے۔"

تیمور نے فکر گیر سی آواز میں پوچھا۔ "اس استقبالیہ جشن سے نکل کر نور الدین کہاں جاسکتا ہے۔ کہیں اس نے اپنے آپ کو کسر نفسی کا شکار نہ کر لیا ہو میں سمجھتا ہوں کچھ انجیلینا کے رویے نے بھی اُسے روندنا ہے کہ وہ تنہائی پسند ہو کر رہ گیا ہے تیمور کچھ اور بھی نور الدین سے متعلق کہنا چاہتا تھا۔ پر اس کے استقبال کو آنے والے امراء و رؤسا کافی تعداد میں اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ لہذا اسے ان کی طرف توجہ دینی پڑی۔ اس طرح بیشکربے مثال استقبال کا سامنا کرتا ہوا قلعے تک آیا اور پھر تیمور کے حکم پر لشکر میں اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے منتشر ہو گئے تھے۔"

سیف الدین جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو حویلی کے خادم مُرشد نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور جب سیف الدین اپنے گھوڑے سے اتر کر حویلی کے اندر جانے لگا تو مُرشد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔ "اے آقا! امیر نور الدین آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئے، وہ کہاں چلے گئے ہیں؟" سیف الدین نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے پوچھا۔ "کیا نور الدین ابھی تک گھر نہیں آیا۔ میں تو سمجھا تھا وہ گھر پہنچ چکا ہوگا۔ بہر حال وہ ابھی تھوڑی دیر تک گھر آنے ہی والا ہوگا۔ مرشد! مرشد! میرے گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر تم کھانا تیار کرو ابھی نور الدین آتا ہے تو پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

مرشد اصطبل کی طرف اور سیف الدین حویلی کے اندرونی حصے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ حویلی میں جیسے نا اسیا داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں بھولول کے ڈھیر

سارے ہارتھے۔ اسے دیکھتے ہوئے سیف الدین اور مرشد دونوں اپنی اپنی جگہ پر روک گئے تھے۔ ناسیا قریب آئی اور سیف الدین کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔

’اے عم سیف الدین! کیا امیر نور الدین گھر پر نہیں ہیں؟ میں ان کا استقبال کرنے باب لا جود تک گئی تھی۔ میں نے انہیں امیر تیمور کے بائیں طرف دیکھا بھی لیکن جب میں بھیڑ میں ہو کر ان کی طرف بڑھی اور چاہتی تھی کہ ان کے گلے میں ہار ڈال کر انہیں فتح کی مبارک باد دوں تو وہ اچانک وہاں سے نہ جانے کدھر غائب ہو گئے۔ میں نے سوچا گھر چلے گئے ہوں گے اس لیے ادھر چلی آئی۔ پر حیرت ہے وہ ابھی تک گھر بھی نہیں آئے۔ اے عم سیف الدین! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ اس وقت کہاں جاسکتے ہیں۔“

شفیقانہ سے لہجے میں سیف الدین نے کہا۔ ’اؤ بیٹی! دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ تھوڑی دیر تک نور الدین آجائے گا۔“

مرشد گھوڑے کو لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ جب سیف الدین ناسیا کو دیوان خانے میں لایا۔ ناسیا نے پھولوں کے ہار ایک طرف رکھ دیئے اور ایک چرمی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔ سیف الدین نے بھی اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ’اے ناسیا! میری بیٹی! کیا نور الدین کا اس طرح استقبال کرنے اور اس سے ملنے پر تیرے باپ یوگرین کو اعتراض نہ ہوگا؟“

ناسیا کے کونپلوں کی طرح ملائم اور لالہ رخ پر قطروں جیسے ہونٹوں پر وقت کی روجوں کو منور اور دامن کو رنگ و نور سے بھر دینے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے دھیمے لہجے، جھکی نظروں اور لذتِ شہد و شکر بکھیرتی آواز میں کہا۔ اے عم سیف الدین! اس سمرقند شہر کے اند میرے باپ نے مجھے صرف امیر نور الدین سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ میں انہیں دن یا رات کسی بھی وقت ملوں میرے باپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ نور الدین وہاں ہی ہیں جن پر وہ اندھا اعتماد اور مکمل بھروسہ رکھتے ہیں۔

سیف الدین نے غور سے دیکھا نور الدین سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے حسین

ناسیا کے لعل لب کے فشار میں ایک اچھوتی کشش تھی۔ چہرے پر تبسم کی کرنیں، زہر کرتی تھیں۔ گہری آنکھوں کے گھونگھٹ میں مجبوتوں اور چامتوں کی چنگاریوں کا لاک قص لافانی تھا۔ سانسوں میں ایک ہلچل تھی۔ شعروں سے ڈھلے جسم میں اک ارتعاش اور اس کے مخاطب کے قریبے میں حسنِ تصور، تزئینِ جمال اور خواب و تعبیر کے سنگم جیسی کیفیتیں قص کر رہی تھیں۔ سیف الدین کو خاموش دیکھ کر ناسیا نے پوچھا۔ ’اے عم! آپ نے ابھی تک بتایا نہیں کہ نور الدین ایسے موقع پر اپنی حویلی کے کھائے کہاں جاسکتے ہیں؟“

سیف الدین نے کچھ سوچا پھر بولا۔ ’اے بیٹی! جب تم نور الدین کو اس قدر اہمیت دے رہی ہو اور تمہارے باپ یوگرین نے تمہیں نور الدین سے ملنے کی اجازت بھی دے رکھی ہے تو پھر میں تم سے کوئی بات چھپا کر نہ رکھوں گا۔ سنو ناسیا! ات کچھ یہ ہے کہ نور الدین کے جنگ پر جانے سے کئی روز پہلے میں نور الدین سے متعلق ایک تجسس اور فکر میں مبتلا ہوں۔ بات یہ ہے کہ نور الدین اکثر گھر سے باہر نہ لگتا تھا۔ گو وہ رات کبھی باہر نہیں رہا لیکن دن کا کافی حصہ وہ گھر سے غائب رہتے لگا تو مجھے فکر مندی ہوئی۔ آخر میں نے ایک روز بڑی رازداری کے ساتھ نور الدین کا تعاقب کیا۔“

ناسیا بے چین اور بے تاب سی ہو کر نیچ میں بول پڑی۔ ’پھر کیا ہوا عم! سیف الدین پھر کہہ رہا تھا۔ اے بیٹی! یہاں سے نکل کر نور الدین بن زول کے بازار سے گزرا۔ پھر جہاں زمین سازوں کا بازار ختم ہوتا ہے اور انہی محلہ شروع ہوتا ہے تو وہاں نور الدین ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ اس مکان کی نشانی یہ ہے کہ اس کے سامنے الماس کے دو درخت ہیں۔ میں جب اس مکان میں داخل ہوا تو اس مکان کے صحن میں نور الدین کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ جب کہ نور الدین ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک بوڑھا اور لاغر و نزار شخص بستر پر پڑا ہوا تھا۔ مجھے وہاں دیکھ کر نور الدین چونک سا پڑا۔ پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے بستر پر

طرف دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اس لیے کہ پردہ ہلا ضرور تھا پر اس کے دوسری طرف مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیا تھا۔

نائبیہ نے اپنے دل کو تسلی دینے کی خاطر کہا۔ ”اے عم! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کا دم ہو اور وہاں کوئی لڑکی نہ ہو۔ پردہ ہوا سے بھی ہل سکتا ہے۔“
سیف الدین نے تائید کی۔ ”ہاں میری بیٹی! ایسا بھی ممکن ہے لیکن پھر بھی میں کہوں گا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہے جو میرا دل مطمئن نہیں ہوتا۔“

سیف الدین چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اے نائبیہ بیٹی! تمہارے اس انکشاف پر کہ تمہارے باپ یوگرین نے سمرقند کے اندر تمہیں صرف نور الدین سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے اور یہ کہ تمہارا باپ اس پر بھروسہ اور اعتبار کرتا ہے اور یہ کہ تم دن اور رات کے کسی بھی حصے میں مل سکتی ہو۔ ہاں نائبیہ! تمہارے اس انکشاف پر میرے ان ارادوں اور میرے اس عزم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جن کے تحت میں تم سے کچھ کمنا کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

نائبیہ نے سیف الدین کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اے عم! آپ ہلا دھجک پوچھیں جو آپ پوچھنا چاہتے ہیں۔“

سیف الدین نے دھجک بھری آواز میں کہا۔ ”اے بیٹی! تو جانتی انجیلینا کے حکمرانہ رویے نے نہ صرف نور الدین کو کسر نفسی میں ڈال دیا ہے۔ بلکہ وہ بے یقینی کے سموں، زسیت کے آشوب، تنہائیوں کے نازک سپنوں اور اُداس رات کی بانہوں کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اے میری بیٹی! تجھے نور الدین کے لیے تریاق سمجھنے سے پہلے میں تم سے یہ جاننا چاہوں گا کہ تمہارے خیالات اور جذبات نور الدین سے صرف ہمدردی تک ہی موقوف ہیں یا بات اس سے آگے بھی کچھ بڑھ سکتی ہے۔“

سیف الدین کے اس سوال پر حسین نائبیہ کی حالت بہکی دھڑکنوں بنہرے وصل کی چمک، قُرب کے احساس، خمارِ آلودِ فضا جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ نائبیہ نے اپنی گردن جھکا لی تھی اور سیف الدین اُسے شفقت بھری نگاہوں سے دیکھ

لیٹے ہوئے اس بوڑھے شخص سے یوں تعارف کرایا کہ

”اس بوڑھے کا نام اصلان ہے، وہ بیمار ہے۔ اس کا نہ کوئی وارث اور نہ اُسے کوئی سنبھالنے والا ہے۔ لہذا نور الدین اس کی مالی مدد کرنے کے علاوہ ہر روز اس کے پاس اس کی دیکھ بھال کے لیے جاتا ہے

نائبیہ پھر بول پڑی۔ ”یہ تو بڑا اچھا کام ہے اور اس معاملے میں ہمیں نور الدین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے بلکہ ہمیں بھی ان کے اس کام میں شریک ہونا چاہیے۔“

نائبیہ کے خاموش ہونے پر سیف الدین نے پھر کہا۔ ”اے نائبیہ بیٹی! میں اس امر پر مطمئن نہیں ہوں کہ اس گھر میں صرف اصلان نام کا بوڑھا ہی رہتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ اصلان کے علاوہ بھی اس گھر میں کوئی رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ انجیلینا کی طرف سے دل شکنی کیے جانے کے بعد نور الدین نے وہاں اپنے سکون اور اپنی دلچسپی کے لیے کسی کا انتخاب کر لیا ہو۔“

تھوڑی دیر قبل جہاں نائبیہ کی حالت روپلے سپنوں، نازک، حسین سوچوں ان گنت اچھوتے کنوارے سپنوں اور دھنک رنگوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہاں اب سیف الدین کی اس گفتگو کے بعد اس کی حالت گونگی شاہراہوں، بہکی دھڑکنوں، احساس کے ویران ٹھنڈیوں اور بے چین مہکتی پھرتی خواہشوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ پر جلد ہی نائبیہ نے اپنے آپ کو سنبھالا اور فکرِ گیر آواز میں اس نے پوچھا۔ ”تو آپ کا مطلب ہے اس گھر میں کوئی لڑکی بھی رہتی ہے جس میں امیر نور الدین دل چسپی لیتے ہیں۔“

سیف الدین نے سوچوں میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تمہارا اندازہ درست ہے بیٹی! کیوں کہ میں جب اس کمرے میں گیا جس میں نور الدین اس بوڑھے کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو اس کمرے کے اس دروازے کا پردہ جو دوسری طرف کھلتا ہے اس انداز میں ہل رہا تھا جیسے ابھی کوئی نکل کر دھر گیا ہو۔“

میں نے اپنا شک و دُور کرنے کی خاطر جب لپک کر اس پردے کے دوسری

جا رہا تھا۔ کمرے کے اندر نائسیا کے جسم سے عرق گلاب اور اس کے بالوں سے روغن کنجد کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ اس کے کانوں کے آدیزے اور گلے میں زمر و کاکلو بند اپنے ارتعاش کے باعث نائسیا کی سانپوں کی بے ترتیبی کا پتہ دے رہے تھے۔

نائسیا کی اس خاموشی پر سیف الدین نے پھر کہا: "اے بیٹی! میں تو کھل کر تمہارے منہ سے کچھ سُنانا چاہتا ہوں۔" تاکہ تمہارے اس جواب کی روشنی میں نور الدین کے لیے خوشی یا غموں سے بھری ہوئی راہ کا تعین ہو سکے۔

نائسیا نے آہستہ آہستہ اپنی گردن اُپر اٹھائی۔ پھر وہ سوئے گیت، نرم آنچ اور بہاروں کی حدت کی طرح حرکت میں آئی اور بولی: "اے عم! اگر آپ میری زبان سے ہی سُنانا چاہتے ہیں تو سُنیے۔ مجھے امیر نور الدین سے ہمدردی ہی نہیں بلکہ وہ میرے دل کا سوز، میری محبت کا گداز ہیں۔ ان کا ہر لفظ میرے لیے شعر، ہر حرف جادو ہے۔ اے عم! نور الدین میرے لیے صحرا کے اندسا ایک چشمہ اور سمندر کے اندر ایک مینار ہیں۔ اے عم! نور الدین کو میں اپنا پیار، سوغات، وفا نذر اور محبت تحفہ جان کر پیش کرتی ہوں۔ وہ اب میرے لیے اجنبی اور نا آشنا نہیں ہے اور اگر وہ پسند کریں تو میں اپنی ساری زندگی ان کے ساتھ گزار دینے کا عہد کر لوں گی۔" نائسیا کے نور الدین سے متعلق یہ الفاظ لفظوں کی تیلیوں اور دوڑتے اڑتے تخیلات کی طرح فضاؤں میں بکھر گئے تھے۔

نائسیا ذرا رُک کر پھر وہ دوبارہ کہہ رہی تھی: "اے عم! میں نے آپ کے سلنے تو اپنی اس حالت کا اقرار کر لیا ہے لیکن میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ میری اس گفتگو کا ذکر آپ ان سے نہ کریں۔ اس طرح وہ یہ خیال کریں گے کہ انہیں اپنانے کے لیے میں نے آپ سے سفارش کرائی ہے اس طرح میں اُن کی نظروں میں گر جاؤں گی اور میں ایسا پسند نہ کروں گی کہ وہ مجھے حقیر و کمتر خیال کرنے لگیں۔ اس لیے میری بہتری اور خوش بختی اسی میں ہے کہ وہ آپ سے آپ میری طرف مائل ہوں۔"

سیف الدین نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "اے بیٹی! تُو نے

اپنے فیصلے سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب میں نور الدین کی طرف سے مطمئن ہو گیا ہوں اور اے بیٹی تو مطمئن رہ میں اس گفتگو کا ذکر نور الدین سے نہ کروں گا۔

سیف الدین کتنے کتنے خاموش ہو گیا کیوں کہ باہر گھر کے صحن میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی۔ اس پر سیف الدین اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور بولا: "اے نائسیا بیٹی! باہر شاید نور الدین آ گیا ہے۔ آؤ اسے دیکھتے ہیں۔"

جونہی وہ دونوں دیوان خانے سے نکلے انہوں نے دیکھا نور الدین اپنا گھوڑا مُرشد کو دینے کے بعد دیوان خانے ہی کی طرف آ رہا تھا۔ سیف الدین اور نائسیا دیوان خانے سے باہر ہی رُک گئے تھے کیوں کہ نور الدین ان ہی کی طرف آ رہا تھا۔ نائسیا نے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے وہ ہار اُٹھا رکھے تھے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ نور الدین جب قریب آیا تو نائسیا بلا جھجک سی ہو کر آگے بڑھی اور وہ سارے پھول اس نے نور الدین کے گلے میں ڈال دیئے تھے۔

نور الدین چند ثانیوں تک وہاں کھڑا ہو کر پھولوں کے ان ہاروں کو غور سے دیکھتا رہا جو نائسیا نے اس کے گلے میں ڈال دیئے تھے۔ پھر نائسیا کی طرف موالیدہ سی کیفیت میں دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا: "یہ کیسے اور کس خوشی میں ہے؟"

نائسیا نے گہری سرشاری اور ترستی شوق میں کہا: "سب لوگ کیا مرد، کیا عورتیں شکر کی فتح مندی پر اپنے اپنے جاننے والوں اور عزیز واقارب کا استقبال کرنے کے لیے گئے تھے اور اُن پر پھول بچھا کر کیے۔ شکر میں یا میں یوں کہوں کہ سمرقند شہر میں آپ کے علاوہ میں کسی اور کو نہیں جانتی لہذا میں آپ کے استقبال کو گئی تھی۔ میں نے امیر تیمور کے قریب ایک بار آپ کی جھلک دیکھی بھی میں آگے بڑھ کر آپ کے گلے میں یہ ہار ڈالنا چاہتی تھی پر اچانک آپ وہاں سے غائب ہی ہو گئے۔ میں نے آپ کو شکر کے اندر بہت تلاش کیا پر آپ نہ ملے لہذا میں ادھر آ گئی۔"

نور الدین نے اپنے گلے سے ہار اتار کر دیوان خانے سے باہر ایک نشست پر رکھتے ہوئے کہا: "میں شکر سے نکل کر اپنے ایکہ، جلنے والے کے ہاں چلا گیا تھا۔"

بہر حال اس تعلق اور رحمت پر میں تمہارا ممنون ہوں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا۔ کہ اس طرف آنے سے قبل تمہیں اپنے باپ سے ضرور اجازت حاصل کرنی چاہیے۔ اگر اس سلسلے میں تمہارے باپ یوگرین کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی تو اسے میں اپنے لیے سب سے بڑی بد بختی خیال کروں گا۔

نائسیا نے اس موقع پر اجنبی خوشبو سے بھر پورا ایک عزم اور اُمنگ میں کہا۔ ”اے امیر! اس بات کی وضاحت اس سے پہلے میں عم سیف الدین سے بھی کر چکی ہوں۔ بہر حال میں آپ پر بھی یہ انکشاف کر دوں کہ ان اجنبی سز مینوں کے اندر میرے باپ نے مجھے دن اور رات کے کسی بھی حصے میں صرف آپ سے ملنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس لیے کہ آپ پر ان کا مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔“

نائسیا جب اپنی بات مکمل کر چکی تو نور الدین نے کہا۔ ”تمہیں اپنے باپ کے پاس سے نیکلے کافی دیر ہو چکی ہوگی۔ لہذا اب تم واپس جاؤ کہ یوگرین تمہارے متعلق فکر مند ہوں گے۔“

نائسیا جو نور الدین کے آنے پر سہاگ کی زندگی کے پہلے دن، لفظوں کی تسلیوں، دوڑتے اڑتے خیالات، رقص کرتے سایوں، چوڑیوں کی کھنک اور ان گنت اچھوتے کنوارے سپنوں جیسی ہور ہی تھی۔ نور الدین نے ان الفاظ سے اسے روشنی کو روتی شمع، بدن کے موسموں کی آگ، خواری کا تماشا، مقتل گاہ کی سفاکی، کھوئے کھوئے انداز اور درو کی دیواروں جیسا بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو یہ سوچ رہی تھی کہ نور الدین اسے بیٹھنے کو کہے گا اور وہ وہاں بیٹھ کر اپنے دل کی سرشاری اپنی رُوح کے سکون، اپنے ضمیر کے اطمینان اور اپنی چاہتوں، اپنی اُمیدوں اور خواہشوں کی تکمیل کا سامان فراہم کر سکے گی لیکن نور الدین نے اسے جانے کا کہہ کر اسے حیرت ہار کے دوراہے اور فراق و سکون کے سنگم پر کھڑا کر دیا تھا۔

نور الدین کے اس روپے پر نائسیا بے چاری اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں کو سلام کہتی ہوئی وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ حویلی کے صدر دروازے سے جب

نائسیا باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ ساتھ والی حویلی جو اسقف یوحنا کی تھی اس میں سے شہزادہ خلیل نکلا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ نائسیا کی طرف اس نے دیکھا نہ تھا اور اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

نائسیا جب کچھ اور آگے بڑھی تو اس نے دیکھا اس حویلی کے بیرونی دروازے پر حسین ایچلینا، اس کا باپ یوحنا اور ماں مانتھس کھڑی تھی۔ شاید وہ شہزادہ خلیل کو دروازے تک رخصت کرنے آئے تھے۔ اچانک ایچلینا اپنی حویلی سے باہر نکلی اور نائسیا کے سامنے آکر اس کی راہ روکتے ہوئے اس نے بڑی بشارت اور نرمی میں کہا۔ ”اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو تم امیر یوگرین کی بیٹی نائسیا ہو۔“

نائسیا نے ایک بار غور سے ایچلینا کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ ”ہاں میں نائسیا ہی ہوں۔“

اتنی دیر تک یوحنا اور مانتھس بھی ان دونوں سے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے ایچلینا پھر بولی۔ ”میرا نام ایچلینا ہے اور یہ میرے باپ اسقف یوحنا اور ماں مانتھس ہیں۔“ ایچلینا کی اس گفتگو پر نائسیا نے گہری مسکراہٹ اور خوشی میں کہا۔ ”میں آپ سب کو نہ صرف اچھی طرح جانتی ہوں بلکہ آپ سے متعارف بھی ہوں۔“

اس بار ایچلینا کی ماں مانتھس نے پوچھا۔ ”تم اس وقت کہاں سے آرہی ہو بیٹی!“ نائسیا نے حقیقت اور سچائی سے کام لیا۔ ”میں امیر نور الدین سے مل کر آرہی ہوں جب لشکر شہر میں داخل ہوا تو میں ان کے استقبال کو گئی تھی لیکن جب وہ مجھے نہ ملے تو میں ادھر چلی آئی اور اب میں ان سے مل کر واپس جا رہی ہوں۔“

اس موقع پر اسقف یوحنا نے گہری پُرسکون نگاہوں سے نائسیا کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے بیٹی! نور الدین ایک زندہ دل جوان ہے وہ ٹھنڈے کیلے ساحلوں جیسا پُرسکون ہونے کے علاوہ منکسر مزاج اور سادہ انسان ہے۔ قسم خداوند کی میں اسے بیٹوں کی طرح چاہتا ہوں۔ اے بیٹی! اگر تو امیر نور الدین کی قربت حاصل کر چکی ہے تو پھر تو خوش قسمت ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اگر تم امیر نور الدین کی

رفاقت قبول کر لوگی تو وہ تمہیں چاندنی کے خوابوں، شام کے نارنجی بادلوں اور رونما کی ساعتوں جیسا خوش اور پُر سکون رکھیں گے۔

یوحنا کی گفتگو پر نائیا شرما سی گئی تھی۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ زمین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ وہاں سے چل دی تھی۔ انجیلینا نے اُسے پکار کر کہا۔ نائیا! نائیا! کیا تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے پاس بیٹھو گی نہیں۔ تمہارے ساتھ باتیں کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

نائیا نے مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔ "میں پھر کسی روز آؤں گی۔" اور اس کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔



منصور کا کٹا ہوا سر جب بغداد کے سلطان احمد بن اویس کو پیش کیا گیا تو وہ تیمور کی اس نازیبا حرکت پر فکر مند ہوا وہ جان گیا تھا کہ تیمور اب ایک نیا ایک روز بغداد پر ضرور حملہ آور ہوگا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ ماضی میں بھی بار بار مشرقی صحراؤں سے نکل کر تیمور کالی آندھی کی طرح اپنے اطراف کے شہروں پر چھا گیا تھا اور ہر شہر کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

بغداد کے سلطان احمد بن اویس کو یہ بھی خطرہ تھا کہ تیمور چونکہ ایران کو مکمل طور پر اپنے سامنے زیر کر چکا تھا لہذا اب اس نے اگر مزید پیش قدمی کی تو بغداد اس کا پہلا حدف ہوگا۔ لہذا اس نے اس کی پیش بندی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے اب احمد بن اویس کے پاس دو ہی راستے تھے۔ اول یہ کہ وہ ایک باقاعدہ جہاز اور تربیت یافتہ لشکر تیار کرے اور آنے والی جنگوں میں تیمور کو اپنے علاقوں سے مار بھگائے اور دوم یہ کہ وہ اپنے ہمسایہ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ اتحاد کر کے تیمور کے خلاف ایک مضبوط اور پُر قوت محاذ کھڑا کر دے۔

پہلا طریقہ احمد بن اویس کے لیے ممکن نہ تھا۔ لہذا اس نے دوسرا طریقہ اپنایا۔ اس کے ہمسائے میں دو طاقتور مسلمان سلطان تھے۔ ایک ترکی کا سلطان بایزید اور دوسرا مصر کا سلطان برقوق۔ ترکی کا سلطان ان دونوں چوں کہ یورپ میں عیسائیوں

نئے شمس رکھا اور یہ ہر وقت دریائے دجلہ کے کنارے اس مقصد کے تحت کھڑی رہتی تھی کہ کسی بھی ناگہانی ضرورت کے وقت سلطان احمد اس میں بیٹھ کر دریائے دجلہ کو پار کر سکے۔ اس کے علاوہ دریائے دجلہ کے اس پار ہمہ وقت تیز رفتار گھوڑے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت سلطان اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان پر سوار ہو کر مصری حدود میں چلا جائے۔

بغداد کا سلطان احمد بن ابی اسحاق ایک شکی مزاج انسان تھا لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی خوب جانتا تھا کہ تیمور ایک اچھا مسلمان اور اسلام سے محبت رکھنے والا انسان نہ تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ نام کے مسلمان ہونے کے باوجود وہ جاہل اور وحشی تانایوں جیسا ظالم و سفاک انسان تھا۔ اسی لیے اس نے یہ ساری احتیاطی تدابیر اپنے بچاؤ کے لیے کر ڈالی تھیں۔

سلطان احمد بن ابی اسحاق کے سارے اندازے اور خدشات درست ثابت ہوئے اس لیے کہ چند ہی دن بعد تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف کوچ کیا تھا۔ بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے تیمور نے اپنے لشکر کی تعداد اپنے اس لشکر سے بھی زیادہ کھی تھی جس کے ساتھ اس نے ایران کے اندر منصور کی سرکوبی کی تھی۔

اپنے لشکر کی ترتیب تیمور نے کچھ اس طرح رکھی کہ اپنے قلب کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کا سالار نورالدین اور دوسرے حصے کا سالار تیمور کا بیٹا شاہ رخ تھا۔ میرہ شہزادہ محمد سلطان اور مینہ شہزادہ پیر محمد کی کمانداری میں تھا۔ اس کے بعد عقبی لشکر کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا امدان و حصوں میں سے ایک حصے کا سالار شہزادہ خلیل اور دوسرے حصے کا سالار آق بوغا تھا۔

پس اپنے لشکر کی اس تقسیم کے ساتھ تیمور نے برق رفتاری سے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ دوسری طرف بغداد کے سلطان احمد بن ابی اسحاق نے اپنی سرحدوں پر جو ناظر اور جاسوس مقرر کیے تھے انہوں نے جب تیمور کے لشکر کی یلغار کے باعث فضاؤں کے اندر گرد و غبار کا طوفان اُڑتے دیکھا تو انہوں نے نامہ بر کو ترچھوڑ دیا اور اُن

کے خلاف بُری طرح برسرِ پیکار تھا۔ لہذا احمد بن ابی اسحاق نے اس بنا پر ترکی کے سلطان بایزید سے رابطہ قائم نہ کیا کہ کہیں اس کے ایسا کرنے سے سلطان کی یورپ کے اندر پیش قدمی مرک نہ جائے۔

اس بنا پر بغداد کے سلطان احمد بن ابی اسحاق نے صرف مصر کے سلطان برقوق سے رابطہ قائم کیا اور دونوں سلطانوں میں یہ معاہدہ ہوا کہ وہ دونوں مل کر تیمور کا مقابلہ کریں گے اور ایک ٹرک سردار جس کا نام قرا یوسف تھا وہ بھی اس معاہدے میں شامل ہو گیا کیوں کہ ماضی میں تیمور نے اس پر یلغار کر کے اس کے ترکمانوں کو مغرب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ اس اتحاد میں صرف مصر کا سلطان برقوق ہی ایسا تھا جو تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکتا تھا اور ضرورت کے وقت اس سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ نہ صرف مصر کا سلطان تھا بلکہ شام اور فلسطین کے وسیع علاقے بھی اس کے ماتحت تھے۔

سلطان احمد بن ابی اسحاق ایک وہمی اور شکی مزاج انسان تھا۔ اس نے صرف اس معاہدے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے اپنی طرف سے اور بہت سی پیش بندیاں بھی کیں۔ سب سے پہلے اس نے ایک تیز رفتار شہسواروں کا سالہ اس غرض سے تیار کیا کہ اگر تیمور کے حملوں کے باعث اُسے بغداد چھوڑنا بھی پڑے تو وہ اپنے جنازہ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصری حدود کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو جائے۔ دوسری احتیاطی تدبیر اس نے یہ کی کہ اپنی اس سرحد پر جو تیمور سے ملتی تھی اور بغداد سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر تھی اس سرحد پر اس نے اپنے ناظر اور جاسوس مقرر کر دیے اور ان ناظروں کو نامہ بر کو تر بھی ہتیا کر دیے گئے تھے اور ان ناظروں کو اس نے ہدایت کر دی تھی کہ تیمور کی طرف سے حملے کے آثار دیکھتے ہی وہ اسے اطلاع کر دیں۔

اس کے علاوہ بغداد کے سلطان احمد بن ابی اسحاق نے تیمور کے حملوں اور اس کی گرفت و غلبہ سے بچنے کے لیے ایک بہت بڑی کشتی بھی تیار کی۔ اس کشتی کا نام اس

کے ذریعے انہوں نے سلطان احمد بن اویس کو یہ پیغام بھیجا کہ تمہارا اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس طرح ان ناظروں نے بروقت اپنے سلطان کو تیمور کے حملے سے آگاہ کر دیا تھا۔

تیمور کو بھی خبر تھی کہ بغداد کے سلطان احمد نے اس کے حملوں کی روک تھام کے لیے اپنی سرحدوں پر ناظر مقرر کر رکھے ہیں۔ لہذا جب وہ سلطان احمد کی ایک سرحدی بستی کے پاس آیا تو اس نے بستی کے کچھ سرکردہ لوگوں کو پکڑ لیا اور انہیں حکم دیا کہ ان ناظروں کو میرے سامنے پیش کرو۔ پس بستی کے ان سرداروں نے جو ناظروں کو جانتے تھے بغیر کسی حیل و حجت کے ناظروں کو تیمور کے سامنے پیش کر دیا۔

جب یہ ناظر تیمور کے سامنے آئے تو اس نے ان سے پوچھا۔ ”کیا تم لوگ میرے حملے کی اطلاع اپنے سلطان کو دے چکے ہو؟“ وہ ناظر بے چارے خوف کے مارے انکار نہ کر سکے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ وہ تیمور کے حملے کی اطلاع اپنے سلطان کو کر چکے ہیں۔

تیمور ان کی طرف سے سچی بات سن کر خوش ہوا اور اس نے انہیں حکم دیا کہ اب نامہ بر کبوتروں کے ذریعے اپنے سلطان کو ایک اور پیغام بھیجاؤ اور اس پیغام میں اپنے سلطان کو لکھو کہ جس لشکر کے آنے کی اطلاع ہم نے آپ کو پہلے دی تھی وہ امیر تیمور کا لشکر نہیں بلکہ وہ ترکمان ہیں جو تاتاریوں سے بچ کر اس طرف بھاگ آئے ہیں۔

ان ناظروں نے تیمور کے حکم کے مطابق یہ پیغام بھی نامہ بر کبوتروں کے ذریعے سلطان احمد کی طرف بھیجا دیا۔ ناظروں سے یہ پیغام بھجوانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

تیمور نے اپنی طرف سے ایک بہترین چال چلی تھی۔ اس چال سے وہ سلطان احمد کو دھوکے اور غفلت میں رکھ کر اچانک اسے جالینا چاہتا تھا اور اس کی نیت تھی کہ سلطان احمد کو گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دے۔

لیکن سلطان احمد تیمور کے اس جھانے اور فریب میں نہ آیا۔ اپنے سرحدی ناظروں

کی طرف سے کبوتروں کے ذریعے پہلا پیغام ملتے ہی بغداد سے فرار کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اس نے اپنا سالہ مال و اسباب، دولت و خزانہ اور اہل و عیال دریائے دجلہ کے اس پار پہنچا دیئے۔ اپنے محافظ سواروں کو اس نے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ اتنی دیر تک نامہ بر کبوتر دو سرا پیغام لے کر بھی پہنچ گئے لیکن سلطان احمد اس دوسرے پیغام کے دھوکے میں نہ آیا۔ وہ شہر میں تھوڑی دیر اس لیے رکار ہا کہ تیمور کے آنے کی خبر کی تصدیق ہو جائے اور جب یہ تصدیق ہو گئی تو اس نے دریائے دجلہ پر کشتیوں کے پل کو توڑ دیا اور اپنی شمس نام کی کشتی میں بیٹھ کر وہ دریائے دجلہ کے پار گیا اور وہاں سے وہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب سمیت دمشق کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

طوفانی انداز میں یلغار اور پیش قدمی کرتے ہوئے تیمور بغیر کسی مزاحمت کے شوال ۹۵ھ کو بغداد میں داخل ہو گیا اور شہر فتح کر کے اس نے اس پر قبضہ کر لیا۔ بغداد میں داخل ہونے کے بعد تیمور کو جب خبر ہوئی کہ اس کی مزاحمت اس بنا پر نہیں کی گئی کہ بغداد کا سلطان شہر چھوڑ کر بھاگ چکا ہے۔

تیمور کو جب احمد بن اویس کے اس فرار کی خبر ملی تو اسے بڑا دکھ ہوا کیوں کہ اس نے توارادہ کر لیا تھا کہ احمد بن اویس کو وہ زندہ گرفتار کر کے اس کا سر قلم کرے گا اور پھر بغداد کے اندر وہ اپنے نام کا خطبہ اور اپنا سکہ جاری کرے گا تاہم اس نے فیصلہ کیا کہ احمد بن اویس کو بھاگ کر جانے نہ دے گا۔ اس لیے اس نے شہزادہ خلیل اور آق بونا کو ایک لشکر دے کر اس کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔

سلطان احمد اویس کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور نے اس کے تعاقب میں اپنے تاتاری سپاہی لگا دیئے ہیں اور سلطان احمد یہ بھی جانتا تھا کہ منگول اور تاتاری لشکاری کٹے کی طرح اس وقت تک اپنے دشمن کا تعاقب کرتے ہیں جب تک اسے پکڑ نہیں لیتے۔ یہاں پر سلطان احمد نے اپنی عمدہ عسکری فراست کا ثبوت دیا۔ سلطان کے ساتھ اس کی حفاظت کے لیے جو لشکر تھا۔ اس کا ایک حصہ اس نے علیحدہ کیا اور اس حصے کو اس نے مزید حصوں میں بانٹ کر اپنے پیچھے چھوڑ دیا تاکہ یہ دستے تعاقب کرنے والے

تاتاریوں کو اپنے ساتھ الجھائے رکھیں اور خود اسے دمشق کی طرف بھاگ جانے کا موقع مل جائے اور ان دستوں نے ایسا ہی کیا۔ تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو انہوں نے جگہ جگہ اپنے ساتھ الجھایا اور یوں سلطان احمد تیزی سے سفر کرتا ہوا دمشق کی طرف چلا گیا اور تعاقب کرنے والے تاتاری ناکام واپس لوٹ گئے۔ تاہم تاتاری اس کے اہل و عیال میں سے کچھ کو گرفتار کرنے میں ضرور کامیاب ہو گئے تھے۔

اہل بغداد نے تیمور کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا اور اسے خراج بھی ادا کیا۔ وہ محل جو کبھی خلفائے اسلام کے مسکن ہوا کرتے تھے وہاں تاتاری زندان بنائے پھرتے تھے۔ تیمور جس طرح آندھی اور طوفان کی طرح بغداد شہر میں داخل ہوا تھا اسی طرح تیزی اور سرعت کے ساتھ وہ وہاں سے واپس بھی کوچ کر گیا۔ بغداد پر اس نے اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ تاہم شہر کو خوب لوٹا گیا۔ بدستی کے عالم میں تیمور نے لشکریوں نے عمدہ قسم کی شراب دریا و جلہ میں بہائی تاہم بغداد کے صناعتوں، منجیوں اور معماروں کو تیمور اپنے ساتھ لے گیا تھا۔



بغداد سے سمرقند کی طرف سفر کرتے ہوئے تیمور نے راستے میں ایک جگہ پٹا ڈکھا اور جب وہ اپنے خیمے میں سیف الدین، نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان، پیر محمد اور چند دیگر سالاروں کے ساتھ محو گفتگو تھا اس وقت اس کا ایک ہرولہ عزیز ناظر خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی تیمور نے پوچھا۔ ”کیا تم ہمارے لیے کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟“

اس ناظر نے کہا۔ ”اے امیر! میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جو آپ کے اہل خانہ میں سے شہزادہ خلیل سے متعلق ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ وہ خبر آپ سے میں تخلیہ میں کہوں۔“

تیمور نے اپنے سامنے بیٹھے لوگوں کی طرف بغور دیکھا پھر اس نے نرم آوازیں اس ناظر کو مخاطب کر کے ایک طرح سے فیصلہ کن انداز میں انداز میں کہا۔ ”اس وقت جو

لوگ میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں ان میں میرے لواحقین بھی شامل ہیں اور میرے لشکر کے سرکردہ سالار بھی۔ ان لوگوں سے میرا کوئی پردہ نہیں جو کچھ کہنا ہے ان کی موجودگی ہی میں کہوں۔“

اس ناظر نے بغیر کسی تمہید کے جھٹ کہہ دیا۔ ”اے آقا! شہزادہ خلیل نے ایران سے آنے والی اور حرم سرا میں کام کرنے والی لونڈی شاری ملک کے ساتھ خفیہ طور پر شادی کر رکھی ہے۔“

یہ خبر سن کر تیمور نے مدغم آواز میں اس ناظر سے کہا۔ ”اب تم جاؤ۔ تم نے مجھے ایک محتاط کر دینے والی خبر سنائی ہے۔“

وہ ناظر جب باہر نکل گیا تو تیمور کی حالت غصے اور غضب میں یک بیک بدل کر رہ گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے سارے ذائقے کڑوے اور کیلے ہو گئے ہوں اس کی آنکھوں میں غصے کا ایک طوفان انگڑائیاں لینے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر نفرت نفرت و ناپسندیدگی کی آنکھوں کا نزول ہونے لگا تھا۔ اس خبر پر اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ رات کی سانسوں اور ہاتھوں کی پڑ بیچ کیوں کی طرح چپا و خاموش ہو کر رہ گیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ تیمور نے اپنی گردن سیدھی کی۔ وہاں بیٹھے لوگوں پر ایک سخت برساتی نگاہ ڈالی۔ اس کی حالت ابھی تک اُجاڑ چٹیل اور آداس ویرانوں جیسی ہو رہی تھی۔ وہ خاموش تھا گویا اس کی زبان پتھر ہو گئی ہو اور وہ ابھی تک غصے کے خونخوار اور وحشی بہاؤ کا شکار تھا۔ پھر تیمور نے اپنے آپ کو کسی قدر سنبھالا اور توجہ خیز سی آوازیں اس نے وہاں بیٹھے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم لوگ جاؤ اور مجھے ان موضوع پر سوچنے دو۔“

سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور باہر نکلنے لگے تھے۔ جب سب سے آخر میں سیف الدین، نور الدین، محمد سلطان اور پیر محمد بھی باہر جانے لگے تو ان چاروں کو تیمور نے آواز دے کر بلایا اور افسردہ لہجے میں اس نے کہا۔ ”تم چاروں بیٹھو۔ اس

موقع پر میں تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔“

جب وہ چاروں دوبارہ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ تب تیمور نے افسردہ لہجے میں انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! اس خلیل نے اپنے روئے سے مجھے بے حد مایوس کیا ہے۔ یہ بالکل اپنے باپ میراں شاہ کے رستے پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن میں اسے بے راہ رو نہ ہونے دوں گا۔ میں اپنے اس خون کو خراب اور ذلالت میں ملوث نہ ہونے دوں گا۔ محمد سلطان! تم ابھی اور اسی وقت اپنا کوئی آدمی سمرقند روانہ کرو۔ اس کے ذمے تم یہ کام لگاؤ کہ وہ میرے سمرقند پہنچنے سے حالات کا پوری طرح جائزہ لے اور یہ بھی جاننے کی کوشش کرے کہ خلیل اور شاری ملک سے متعلق یہ خبر کہاں تک درست ہے۔“

میں چاہتا ہوں کہ جس وقت میں سمرقند میں داخل ہوں۔ اسی وقت مجھے اس واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا جائے تاکہ میں اصلیت جان سکوں اور اگر اس واقعہ میں کوئی سچائی ہو تو خلیل اور شاری ملک دونوں کو اپنے دوبرو بلا کر دونوں کو کڑی سزا دے سکوں۔ اس لیے کہ کسی صورت میں یہ پسند نہ کروں گا کہ آل تیمور کا کوئی شہزادہ حرم کی کسی معمولی کنیز سے شادی کرے اور وہ بھی شاری ملک جیسی کنیز سے جو اس سے پہلے رفاصہ رہی اور نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی سیف الدین کے ذریعے سمرقند پہنچ گئی۔ اے سیف الدین! کاش تم ایران سے صرف نور الدین کو ہی اپنے ساتھ لے کر آئے ہوتے۔“

اس موقع پر سیف الدین نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! میں تو اسے آپ کے حضور آپ کی خوشنودی کے لیے ایک رفاصہ ہی کی حیثیت سے پیش کیا تھا“ لیکن آپ نے اسے حرم سرا کی کنیز بنا دیا۔ میں کیا جانتا تھا کہ ایک کنیز کی حیثیت سے وہ اس قدر طوفان کھڑا کر دے گی؟“

تیمور نے اس بار سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! گواہ رہنا کہ میں شاری ملک کے خلاف کارروائی کرنے میں حق بجانب ہوں۔ اب

تم سب جاؤ اور مجھے اس سے متعلق سوچنے کے لیے تنہا چھوڑ دو۔ اس کے ساتھ ہی تیمور گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ جب کہ سیف الدین، نور الدین، شہزادہ محمد سلطان اور پیر محمد وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ اس وقت تیمور کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے خشمناک فطرت میں سوگ کا عصا جیسے دن رات کی اذیت کے اندر پھیلنا ہوا نفرتوں کا زہر۔



گہری ٹھیکیتار کیوں میں لپٹی سرما کی صندلی رات بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ گیہوں کے جھومتے پودے، سفیدے کے اُدھے درخت اور پتوں سے بے نیاز سونے انبجار چپ اور خاموش تھے۔ ایسے میں ایک سپاہی بھاگتا ہوا شہزادہ خلیل کے خیمے میں داخل ہوا اور شہزادہ خلیل کو اس نے مخاطب کر کے کہا۔ ”اے آقا! غضب ہو گیا۔ امیر تیمور کے ایک ناظر نے امیر کے کانوں میں یہ خبر ڈال دی ہے کہ شہزادہ خلیل نے شاری ملک کو اپنی بیوی بنا لیا ہے اور اس وقت غصے میں امیر تیمور کی حالت ہوتے کے پیغامبر اور وحشی جلاوکی سی ہو رہی ہے۔ اس معاملہ میں شاید وہ آپ سے تو کوئی باز پرس نہ کریں لیکن سزا کے طور پر شاری ملک کو منور قتل کرادیں گے۔ اور اے آقا! آپ کے دادا نے محمد سلطان کے ذریعے ایک شخص کو سمرقند کی طرف روانہ بھی کیا ہے کہ وہ ان کے سمرقند پہنچنے تک حالات کی حقیقت جان کر رکھے اور انہیں شاری ملک کے خلاف کوئی کارروائی کرنے میں آسانی نہ ہو۔ اگر ہم نے کوئی قدم نہ اٹھایا تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں خبر تک نہ ہوگی اور شاری ملک کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔“

خلیل نے چونک کر کہا۔ ”نہیں ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ تم ابھی اور اسی وقت سمرقند روانہ ہو جاؤ۔ وہاں شاری ملک سے ملو اور میری طرف سے اسے یہ پیغام دو کہ وہ فوراً سرائے مکفون کے مالک سودون کے پاس پناہ لے لے اور جب تک حالات درست نہیں ہو جاتے وہ اسی سرائے کے اندر ہی رہے گی اور میں اسی سرائے

میں اس سے ملتا رہوں گا۔ اب تم فوراً یہاں سے سمرقند کی طرف کوچ کر جاؤ۔ شہزادہ خلیل کے اس ذاتی ناظر نے جواب میں کچھ نہ کہا اور اپنے سر کو وہ خم کرتا ہوا نیچے سے نکل گیا تھا۔



سمرقند شہر میں جس وقت رات اپنی بساط پھیٹ رہی تھی اور صبح اپنی پوری عظمت و سر بلندی کے ساتھ نمودار ہو کر اپنی روشنی اپنے نور سے ادھام کے بھنڈ اور رات کے رجال غائب کو مار بھگا رہی تھی۔ اس وقت شہزادہ خلیل کا ناظر سمرقند کے شاہی حرم سرا کے پاس آیا اور پھر اس عمارت کے ایک کمرے کے دروازے پر اس نے راز دارانہ دستک دی جس عمارت کے اندر حرم کے اندر کام کرنے والی کنیزیں رہا کرتی تھیں۔ پہلی ہی دستک پر اندر سے سرگوشی کے انداز میں آواز سنائی دی کون ہے؟ اس ناظر نے بھی راز دارانہ لہجے میں کہا۔ اے شاری ملک میں شہزادہ خلیل کا ناظر ہوں۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ دروازہ کھولیں۔ میں شہزادہ خلیل کی طرف سے آپ کے لیے ایک انتہائی اہمیت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا اور شاری ملک اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ دروازے پر کھڑی تھی۔ ناظر کو اس نے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا۔ پھر اس نے اسے پہچان لینے کے بعد کہا۔ اندر آ جاؤ اور کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ وہ ناظر اندر داخل ہوا۔ سورج چونکہ ابھی تک طلوع نہ ہوا تھا لہذا فضاؤں کے اندر ابھی تک ہلکی ہلکی تاریکی تھی۔ کمرے کے اندر جلتی نہی سی شعل کی روشنی میں وہ اپنشت پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں شاری ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے شاری ملک! میں آپ پر یہ انکشاف کر رہا ہوں کہ امیر تمیور کے کسی ناظر نے اسے اطلاع دی ہے کہ شہزادہ خلیل نے خفیہ طور پر آپ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ لہذا اس انکشاف پر وہ سخت برہم ہیں۔ انہوں نے شہزادہ محمد سلطان کے ذریعے ایک شخص کو سمرقند کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ وہ ان کی آمد سے پہلے اس واقعے کی

حقیقت کا جائزہ لے اور اگر یہ خبر سچ ہو تو امیر تمیور یقیناً تمہاری گردن زدنی کا حکم دے دیں گے۔ اس انکشاف کی اطلاع میں نے شہزادہ خلیل کو دی اور انہوں نے مجھے آپ کے نام پر پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ فی الفور مکفون نام کی سرائے میں منتقل ہو جائیں اور وہیں شہزادہ خلیل آپ سے ملتے رہیں گے۔ میں محمد سلطان کے آدمی سے پہلے یہاں پہنچ گیا ہوں۔ لہذا آپ ابھی اور اسی وقت سرائے مکفون میں منتقل ہو جائیں ورنہ امیر تمیور کسی بھی صورت آپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔

اس ناظر کی گفتگو سن کر شاری ملک کے ایک طرح سے اوسان خطا ہو کر رہ گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ خشناک فطرت اور جان کنی کے لمحات کا شکار ہو کر نزع کی صورت حکایات اور پرانے توہمات میں مبتلا ہو گئی ہو۔ وہ رات کے سنسان صحرا ویران گھونسلے جیسی اداس و افسردہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ روح کی ذلت و تنگ اور خواہشوں کے فشار پر انگنگی کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکا کر اس انداز میں سوچوں کے اندر کھوئی رہی گویا اس کی نبض حیات رکنے کو ہو اور ساز مٹی کراہ اٹھے ہوں۔

چند ثانیوں تک اس پر حیرت کہہ کا لرزاں عالم طاری رہا۔ پھر وہ سنبھلی اور بولی۔ میں ابھی اور اسی وقت سرائے مکفون کی طرف چلوں گی۔ اس کے ساتھ ہی شاری ملک اپنی ضروریات کی اشیاء اور کپڑے ایک بڑی چرمی خرچین میں ڈالے پھر وہ اپنے اس کمرے سے نکل کر شہزادہ خلیل کے ناظر کے ساتھ ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب کہ سورج طلوع ہونے کے قریب ہی تھا۔ وہ ناظر اور شاری ملک دونوں سمرقند شہر کے جنوبی حصے میں مکفون نام کی سرائے میں داخل ہوئے شاری ملک کو اپنی سرائے کے احاطے میں دیکھتے ہی سرائے کا مالک سو روں اپنے کمرے سے بھاگتا ہوا نکلا۔ آگے بڑھ کر اس نے گرم جوشی سے شاری ملک کا استقبال کیا اور بڑی تکریم اور لاداری میں اس نے پوچھا۔ اے مستقبل کی ملکہ! یہ کیا معاملہ ہے جو آپ صبح ہی صبح میری سرائے میں دکھائی دے رہی ہیں۔

شاری ملک نے پُر سکون انداز میں کہا: "ہاں! اب تم جاؤ اور اس کے ساتھ ہی وہ ناظر وہاں سے چلا گیا تھا۔"

سودون شاری ملک کو اس کمرے کی شرقی دیوار کے پاس لے گیا جو خوبصورت لکڑی کی بنی ہوئی تھی جس پر نقش و نگار کا کام کیا ہوا تھا۔ لکڑی کی اس دیوار کے اندر ایک الماری بنی ہوئی تھی۔ جس کے اندر مٹی، چاندی اور شیشے کے گھریلو استعمال کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس الماری کو سودون نے جب بائیں طرف دھکیلا تو الماری اپنی جگہ سے سرک گئی اور وہاں اس کے پیچھے سیڑھیاں نمودار ہوئی تھیں۔ ان سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سودون نے کہا: "اے خانم! یہ سیڑھیاں نیچے تہ خانے کی طرف جاتی ہیں اور تہ خانہ بالکل دیا ہی ہے جیسا آپ یہ کمرہ دیکھ رہی ہیں۔"

خطرے کی صورت میں اس الماری کو بائیں طرف دھکیل کر اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے اور جب یہ سیڑھیاں نمودار ہوں تو الماری کو پشت کی طرف پھر بائیں طرف دھکیل کر اپنی اصل جگہ پر کر کے نیچے تہ خانے میں اتر جانا چاہئے۔ سودون نے الماری کو دھکیل کر دوبارہ اپنی جگہ پر کر دیا اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس نے پھر کہا۔

"اے خانم! آپ چاہے اس کمرے میں رہیں چاہے تہ خانے کے اندر میرے ملازم ہر جگہ آپ کو ضرورت کی ہر شے مہیا کرتے رہیں گے۔ میں اب جاتا ہوں اور آپ کے لیے کھانا بھجواتا ہوں۔ اس کے بعد آپ مٹھن اور پُر سکون ہو کر آرام کریں۔ اس لیے کہ یہ سمرقند کا شاہی حرم نہیں سودون کی سرانے ہے۔" اس کے ساتھ سودون وہاں سے نکل آیا اور شاری ملک سہری پنیم دلزسی ہو کر سرانے کے اس مزین اور آراستہ کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔



تیمور جب اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند میں داخل ہوا اور شہزادہ محمد سلطان کے آجی نے یہ خبر دی کہ شاری ملک اچانک ہی ایک رات حرم سرانے سے غائب ہو گئی

شاری ملک سودون کی طرف سے مستقبل کی ملکہ کے الفاظ سن کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ تحسین آمیز اور توصیفی انداز میں اس نے سودون کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طرح کی اپنائیت اور نرمی میں کہا: "اے سودون! پہلے اپنے کمرے میں چلو۔ پھر میں تمہیں پیش آنے والے حالات سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کرتی ہوں۔" اس پر سودون خاموش رہا اور ان دونوں کو لے کر وہ اپنے ذاتی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ جب وہ ناظر اور شاری ملک دونوں سودون کے ذاتی کمرے میں اس کے سامنے بیٹھ گئے تب سودون نے شاری ملک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "اب آپ بتائیں کہ کن حالات میں آپ کا اس طرف آنا ہوا؟"

جواب میں شاری ملک نے جب سرانے میں آنے کی وجہ بیان کی تو سودون نے اس کی ہمت افزائی اور حوصلہ مندی کے لیے اپنی آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "حالات خواہ کیسے ہی دیگر گوں کیوں نہ ہوں۔ اب جب کہ آپ سودون کی سرانے میں ہیں تو آپ کو کسی بھی طرح کی فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سرانے اب آپ کے لیے ایک محفوظ ترین قلعہ ثابت ہوگی۔"

تھوڑی دیر تک کہ سودون شاری ملک کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ "اے مستقبل کی ملکہ! آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جس میں آپ نے رہنا ہوگا۔"

شاری ملک اور ناظر دونوں اٹھ کر سودون کے ساتھ ہو لیے تھے۔ سودون ان دونوں کو ایک خوب صورت اور آراستہ کمرے میں لایا اور شاری ملک سے کہا: "آج سے یہ کمرہ آپ کی رہائش گاہ ہوگا اور اس میں آپ کو ضرورت کی ہر شے میر ہوگی۔"

شاری ملک سودون کے ساتھ اس کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ اس موقع پر ناظر نے اجازت طلب کرنے کے انداز میں کہا: "اے خانم! اگر اجازت دیں تو میں اب جاؤں اور شہزادہ خلیل کو اطلاع کر دوں کہ آپ بخیریت حرم سے سرانے مکھون میں منتقل ہو گئی ہیں۔"

ہے، تو اسے ایک طرح سے اطمینان سا ہو گیا۔ شاری ملک کے یوں بھاگ جانے پر تیمور کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ شہزادہ خلیل کے ساتھ ضرور ملوث رہی ہے۔ تاہم وہ اس انکشاف پر بھی مطمئن تھا کہ شاری ملک بھاگ کر کہیں چل گئی ہے۔

ان حالات میں تیمور نے خاموشی اختیار کر لی۔ اس نے شاری ملک سے متعلق کوئی حکم جاری نہ کیا اور نہ ہی اس نے شہزادہ خلیل سے کسی طرح کی باز پرس کی۔ تاہم سمرقند کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اس واقعے کی خبر ضرور ہو گئی تھی۔



استغف یوحنا اور اس کی بیوی ماتھس اپنے دیوان خانے میں بیٹھے گھر کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ان کی بیٹی انجیلینا وہاں داخل ہوئی۔ وہ قبروں پر ممتا سے دیوں جیسی ویران، کڑوی یادوں جیسی مایوس اور دلدل کی جھاڑو جیسی اُداس ہو رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ اپنا سر اس نے سکون کی خاطر شست کی پشت پر ٹکا دیا تھا اور انتہائی بے بسی کے انداز میں وہ کمرے کی چھت کو گھورنے لگی تھی۔

یوحنا اور ماتھس دونوں نے دیکھا اس موقع پر انجیلینا کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی جب کہ اس کی آنکھوں میں حقارت و برہمی کے طوفان اُمڈ رہے تھے اس موقع پر انجیلینا کی حالت ایسی ہو رہی تھی گویا وہ گہری گھمبیر سیامیوں، سرد ٹھٹھری رات اور اُجڑا جاڑ ویرانوں کے اندر ایک طویل اور اذیت دہ سفر طے کر کے آئی ہو۔

کچھ دیر تک انجیلینا بونہی چھت کی طرف دیکھتی رہی اور کمرے کے اندر ظلمت کی گہرائیوں اور سوزش و اضطراب سے بھرپور کیفیت چھائی رہی۔ پھر یوحنا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے شفقت اور محبت سے بھرپور آواز میں پوچھا۔ اے بیٹی کیا بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں، تو اُداس و پریشان اور ویران و بکھری سی ہے۔ کیا کسی نے تجھے کچھ کہا ہے۔ کیا کسی نے اپنے ناروا سلوک سے تیرا دل توڑا ہے۔

یوحنا کی اس ہمدردانہ مشفقانہ گفتگو پر انجیلینا سیڑھی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی مگنی اور نسبت کی انکشتری اتاری اور نفرت

بھرے انداز میں اس نے اس انکشتری کو یوحنا اور ماتھس کے سامنے بھرپور نفرت میں پھینک دیا اور نہر بھرے انداز میں وہ بولی۔

”اے میرے باپ! میری نسبت کی یہ انکشتری واپس کر دیجئے۔ میں خلیل جیسے ادارہ مزاج، بدکار اور بدی کی حیوانی طلب رکھنے والے انسان سے شادی نہیں کر سکتی میں گناہوں کے گماشتے کو اپنی زندگی کا ساتھی، ایک بدکردار انسان کو اپنی تقدیر کا مالک اور ایک سیاہ سیرت جوان کو اپنا رفیق اور دروِ آشنا نہیں بنا سکتی۔“

یوحنا نے اس بار چونک کر نہ کے انداز میں پوچھا۔ ”یہ تجھے کیا ہو گیا بیٹی! تو اس وقت کہاں سے آرہی ہے اور کیسی تاریک مستقبل والی گفتگو کر رہی ہے۔“

یوحنا کے اس استفسار پر انجیلینا نے پھر نہر بھرے انداز میں کہا۔ ”اے میرے باپ! آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھ سے چھپائے رہے ہیں۔ میں پہلے ایک مسلمان لڑکی کی شادی میں شامل ہوئی تھی۔ وہاں لڑکیوں نے مجھ پر انکشاف کیا کہ خلیل حرم کی کنیز شاری ملک کو اپنی بیوی بنا چکا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کئی دیگر لڑکیوں کے ساتھ ملوث رہا ہے۔“

اس شادی میں شرکت کے بعد میں کلیسا گئی وہاں میری ملاقات نائیا سے ہو گئی۔ اس نے بھی ان خبروں کی تائید کی بلکہ یہ انکشاف بھی کیا کہ خلیل اس پر بھی بُری نگاہ رکھتا ہے۔ اسے کئی بار شادی کی پیش کش کر چکا ہے لیکن وہ نائیا کے ساتھ زبردستی اور خفیہ شادی بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ نائیا امیر نور الدین کو پسند کرتی ہے۔ اس کا امیر نور الدین کے پاس آنا جانا ہے اور بزدل و بے غیرت خلیل امیر نور الدین جیسے بختہ کردار اور ستم کی رات جیسی جسمانی طاقت و قوت رکھنے والے انسان سے ڈرتا ہے اے میرے باپ! خلیل گناہوں کی ہولناک ابتلا اور بدی کی سیاہ تقدیر ہے جسے میں کسی بھی صورت اپنا نہیں سکتی۔

اے میرے باپ! خلیل جہنمی ناگوں کی وہ چھنکار ہے جس کے اندر کوئی بھی شریف لڑکی گزارہ نہیں کر سکتی۔ اب یہ انکشتری امیر تیمور کو واپس کر دیں اور انہیں صاف اور

وامع طور پر بتادیں کہ آج کے بعد خلیل کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسقف یوحنا چند ثانیوں تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے افسردہ نگاہوں سے انجلینا کی طرف دیکھا اور بولا۔ اے میری بیٹی! میں جانتا تھا کہ خلیل کرل خلاق و کردار اور ہیئت کا انسان ہے لیکن تو چونکہ اس سے شادی پر رضا مند ہو گئی تھی لہذا اس کے عیب ظاہر کر کے میں تمہارا دل توڑنا نہ چاہتا تھا۔ اسی بنا پر میں نے خاموشی کے ساتھ تمہاری ننگی خلیل سے طے کر دی۔

اے میری بیٹی! میں تو دل سے چاہتا تھا کہ تمہاری شادی نور الدین کے ساتھ ہو جس روز وہ ایک غلام کی حیثیت سے امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ میں نے اس روز ہی اس کی آنکھوں میں کیتائی کی تلاش و جستجو کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔ اس روز ہی اس کی خاموشی اور نیچی نگاہوں کی حیا کے اندر میں نے بگولوں کا خروش اور مصرصر کا جوش دیکھا تھا۔

اے میری بیٹی! جس روز نور الدین کو امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور بھرے دربار میں مقابلے کے دوران اس نے آق بونگا کو لمحوں کے اندر اپنے زیر کر دیا تھا میں نے اس روز ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ نور الدین آتشیں حروف کی داستانِ درویشان اور جرات و عزیمت کا افسانہ درافسانہ ہے۔ اسی بنا پر اے میری بیٹی! میری خواہش تھی کہ تمہاری شادی نور الدین کے ساتھ ہو جائے لیکن تم نے نہ صرف نور الدین کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اے غلام ابن غلام کہہ کر اس کی بے عزتی اور اہانت کی لیکن وہ ایسا نیک نفس انسان ہے کہ قدرت حاصل کرنے کے باوجود اس نے اپنی اس اہانت کا انتقام نہیں لیا۔

اے میری عزیز بیٹی! تو دیکھتی ہے کہ غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں داخل ہونے والا نور الدین آج نہ صرف شیخ بلکہ امیر نور الدین کہہ کر پکارا جانے لگا ہے۔ اب ہر کوئی جانتا ہے کہ امیر نور الدین کی انگلیوں میں مناعی، بانوؤں میں قوت اور دلوں میں بے باکی ہے۔ جنگ کے دوران میں نے اس کی رگوں میں بجلیاں، دل میں تڑپ

آنکھوں میں حوصلوں کے انگارے اور چہرے پر بلند و پستی پر حاوی ہو جانے والے موجوں کے تھپیڑے دیکھے ہیں۔

اے میری بیٹی! امیر نور الدین اجل کا ایسا راز دان ہے۔ سرکشوں کی سرکشی، غلاموں کے ظلم اور باغیوں کی بغاوتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دینے والا نوجوان ہے۔ کاش تم نے اس سے شادی کر لی ہوتی تو آج میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا ہوتا۔

اے بنتِ مہربان! تو دیکھتی ہے کہ وہی غلام ابن غلام نور الدین امیر تیمور کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور بڑا جرنیل ہے۔ اب وہ ایک ایسا جوان ہے۔ جو صدیوں کے روگ سے نجات دینے والا، اُجڑا ویرانوں کو رونق اور سنسان جنگلوں کو عظمت دینے والا جوان ہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات میں منفرد بلکہ دشمن کی رگ رگ میں چنگاریاں، نفس پیاس اور رُوح میں اضطراب بھر دینے والا جوان ہے۔ کاش! اے میری بیٹی! کاش تو نے بدکار خلیل کے بجائے امیر نور الدین کو اپنی زندگی کا ساتھی چنا ہوتا۔

اسقف یوحنا کچھ دیر تک گردن جھکائے گہرے غم گین انداز میں فکر مند سوچوں میں کھویا رہا۔ پھر اس نے گردن سیدھی کی۔ غور سے اپنی بیٹی انجلینا کی طرف دیکھا، اور پریشانیاں بکھیرتی ہوئی آواز میں اس نے پھر کننا شروع کیا۔ اے میری بیٹی! کاش تو نے نور الدین کے محلے میں بے حسی اور لاپرواہی سے کام نہ لیا ہوتا۔ کاش تو نے نور الدین کو پہلے روز ہی نفرت کے زہر، دن رات کی اذیت، کٹرین و تنگ نظری سے نوازا ہوتا۔

یوحنا ذرا خاموش رہ کر پھر بولا۔ اے بیٹی! کیا تو نے کبھی پڑھتی ندی کا طوفان بھتی گت کا چڑھاؤ، قامت کا لغنا اور لغموں کے الاپ کا عروج دیکھا ہے۔ اگر نہیں دیکھا تو نور الدین کا بغور جائزہ لے۔ وہ ان سب پر پورا اترتا ہے کہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے اس شہر میں داخل ہوا اور آج وہ ایک جوان ہے جس پر امیر تیمور

ہوئے کہا: "اے میرے باپ! آپ مطمئن رہیں، میں جانتی ہوں امیر نور الدین ناسیا کو یا ناسیا امیر نور الدین کو پسند کرتی ہے۔ میں ان دونوں کی راہ میں دیوار بننے کی کبھی بھی کوشش نہ کروں گی۔ میری سعی تو یہ ہوگی کہ میں امیر نور الدین کو اس پر آمادہ کر لوں کہ وہ ناسیا کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنائیں اور اگر امیر نور الدین ایسا کرنے پر رضامند ہو گئے تو میں سمجھوں گی کہ مجھے دنیا کی سب سے اہم اور قیمتی متاع مل گئی ہے اور اس مقصد کے لیے اے میرے باپ! میں ابھی اور اسی وقت امیر نور الدین کی طرف جا رہی ہوں اور اس ممنوع پر ان سے گفتگو کرونگی اور ان سے میں اپنے ماضی کے رویے کی معافی بھی مانگ لوں گی۔"

اینجیلینا کی ماں ماتھس جو اب تک خاموشی کے ساتھ اپنے شوہر یوحنا اور بیٹی اینجیلینا کی گفتگو سنتی رہی تھی وہ اب پہلی بار اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "اے میری بیٹی! تو ضرور امیر نور الدین کی طرف جا لیکن وہاں تو احتیاط برتنا۔ اس کے ساتھ بحث و تکرار اور تلخ کلامی سے بچنا۔ اگر نور الدین تیرے نقطہ نظر سے اتفاق نہ کرے، تجھ سے وہ راضی نہ ہو اور تیری بات ماننے سے انکار کر دے تو پھر تو فکر مند اور مایوس نہ ہونا۔ کیونکہ برسوں کے یہ روگ ایک ہی ملاقات میں دُور نہیں کیے جا سکتے۔ تو امیر نور الدین کے ساتھ ملتے رہنے اور ملاقات کرنے کا سلسلہ جاری رکھنا مجھے امید ہے تیری یہ ملاقاتیں رنگ لائیں گی اور ایک روز تو ضرور نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی اور اس طرح صبر و تحمل سے کام لے کر تو اپنی ہار کو اپنی جیت اور فتح مندی میں بدل سکتی ہے۔ اے میری بیٹی۔"

ماتھس کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ کیوں کہ اچانک شہزادہ خلیل اس کمرے میں داخل ہوا تھا جس میں یوحنا، اینجیلینا اور ماتھس بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیل کو دیکھتے ہی اینجیلینا کی حالت آتش فشاں کی اور ہیجان انگیز سی ہو گئی تھی۔ اس نے فوراً جھلس دینے والی آگ اور بجلیوں کی لپکتی زبان کی مانند بولتے ہوئے خلیل سے کہا: "اس معمولی رفاہ اور کنیز شاری ملک کے ساتھ شادی کر لینے کے بعد اب تم یہاں کیا کرنے آئے ہو میں

سب سے زیادہ اعتماد و بھروسہ کرتا ہے۔"

بوڑھا نصرانی خاموش ہو گیا اور فکر مندی میں اس کی گردن پھر جھک گئی تھی۔ اینجیلینا اپنے باپ کی اس گفتگو سے بے حد متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے اندر ماضی کے تمام نقوش، بے انت بھنوسوں کے قص کی طرح ناچ اٹھے تھے۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کی کوندے لپکاتی گھٹائیں اُٹھنے لگی تھیں۔ اس کے تن میں اُڑتی راکھ کے ذروں کی مانند بڑبڑتی تمناؤں کا ہجوم تھا اور اس کے دل کی کوری مٹی میں ویران خوابوں کے اندر تنہائیوں کی گہری پیاس سر اُبھارنے لگی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی کا ایسا ہی سماں طاری رہا۔ پھر اینجیلینا نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، مترنم خوابوں کی سی نقرئی آواز، لہجے کی گہری کھنک اور اس کھنک اور نقرئی آواز میں ملی ہوئی دکھتے دل کی جلن میں اس نے استغفار یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے میرے باپ! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں امیر نور الدین کے پاس جاؤں اور ان سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگ لوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے اور اگر وہ فی الفور مجھ سے راضی نہ ہوئے تو اے میرے باپ! مجھے امید ہے کہ میرے بار بار بولنے سے ایک روز میں ضرور انہیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی اور میں پُر امید ہوں کہ خلیل کے باعث ہمیں جو دکھ اور صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ وہ امیر نور الدین کی قربت کے باعث جاتا رہے گا۔"

اینجیلینا جب خاموش ہوئی تو یوحنا نے کہا۔ "اے میری بیٹی! میں سمجھتا ہوں کہ امیر نور الدین کی طرف رجوع کرنے کے لیے اب بہت دیر ہو چکی ہے اور پولینڈ جو نیل یوگورین کی بیٹی ناسیا اب امیر نور الدین کے اس قدر قریب جا چکی ہے کہ شاید اب تم امیر نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکو۔"

یوحنا کے اس انکشاف پر تھوڑی دیر کے لیے اینجیلینا کے چہرے پر ننگا ہوں کی اُداسی کافسوں، بنجر کھیت اور ویران بستیوں جیسا سماں کھچ گیا تھا۔ پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے چہرے پر فوراً اس نے اک طلسم رنگ و بو پھینکا

تمہارے ساتھ نسبت کی انگوٹھی واپس کر چکی ہوں اور — خلیل درمیان میں بولا اور کسی قدر نرمی اور چاہت میں اس نے پوچھا۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کیا کہہ رہی ہو اینجلینا !

اینجلینا آہنی عزم و استقلال میں شور مچاتی آتش کی طرح ہول انگیز میں بھڑک اٹھی تھی اور اپنی جھپکتی ٹوٹی آنکھیں اس نے خلیل کے چہرے پر گاڑتے ہوئے قوت قاہرہ اور طوفانی ناخست کی مانند کہا۔ اے ملعون و مضموم انسان ! تمہارے ساتھ منگنی کا یہ تعلق ستم کی رات اور تلخ و تاریک خواب ثابت ہوا۔

اینجلینا فرار کی پھر وہ ظالم کی ستم ظریفی کی طرح بھڑک اٹھی۔ تم ایک بد کردار، بے اخلاق اور گندی سیرت کے انسان ہو، یہاں سے دفع ہو جاؤ، میں تمہارے ساتھ اپنی نسبت توڑ چکی ہوں۔ آج سے تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ خلیل شاید اپنی اس اہانت کو برداشت نہ کر سکا اور غصے میں وہاں سے چلا گیا جب کہ اینجلینا بھی اس کمرے سے نکل کر نور الدین کی طرف چل دی تھی۔



اینجلینا جس وقت نور الدین کی حویلی میں داخل ہوئی اس وقت سیف الدین اور حویلی کا معمر ملازم مرشد اصطبل کے قریب آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اینجلینا نے دُور ہی سے سیف الدین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے عم ! کیا امیر نور الدین اندر ہیں۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔

سیف الدین نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ اے بیٹی ! نور الدین اس وقت اپنے کمرے میں ہی ہے۔ تم فوراً جا کر اس سے مل لو۔ شاید وہ تھوڑی دیر تک باہر چلا جائے۔ اینجلینا جواب میں کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔

اینجلینا جب نور الدین کے کمرے کے سامنے آئی تو اس نے دروازے میں سے دیکھا نور الدین اپنے کمرے میں کہیں باہر جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ اینجلینا دروازہ پر آئی اور موجوں کے گیت اور بارش کے سنگیت جیسی اپنی آواز میں اس نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ اے امیر ! میں ایک اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر آ کر آپ کے سامنے بیٹھوں؟

نور الدین اس موقع پر منہ سے تو کچھ نہ بولا۔ تاہم اس نے خاموشی سے اپنے سامنے ایک نشست کی طرف اشارہ کر دیا۔ اینجلینا نے نور الدین کے اس اشارے کو بھی اپنے لیے سعادت و غنیمت جانا اور وہ کمرے میں داخل ہو کر نور الدین کے سامنے بیٹھ



گئی تھی۔ پھر وہ نور الدین کو مخاطب کر کے بولی۔

”اے امیر! جس روز آپ پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں امیر تیمور کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور آق بوقلا سے مقابلہ جیتنے کے بعد امیر تیمور اور میرے باپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ اور میری نسبت طے کر دی جائے یہ میں نے آپ کو غلام ابن غلام کہتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ میری طرف سے یہ آپ کے لیے انتہا درجے کی بد تمیزی تھی اور آج میں اس بد تمیزی کی معافی طلب کرنے حاضر ہوئی ہوں۔“

نور الدین نے لا پرواہی کے سے انداز میں کہا۔ ”اے بنت یوحنا! میرے معاف کرنے یا نہ کرنے سے تمہاری ذات پر کیا فرق پڑتا ہے اور پھر تمہیں مجھ سے معافی طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ میرا اور تمہارا تو کوئی باہمی تعلق اور لین دین ہی نہیں ہے۔ انجیلینا نے انتہائی لاچارگی اور بے بسی میں اپنی آواز میں نغموں کا سن اور سعادت کے زمزمے بھرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! جو نئی بات میں آپ سے کہنے آئی ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میری اس بد تمیزی کو معاف کر دیں۔“

نور الدین نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے بنت یوحنا! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

نور الدین کے اس طرح معاف کر دینے پر انجیلینا خوش دل پرندوں کی چہکارا کر لوں کے ہجوم اور ہواؤں میں کھڑے مسکراتے تختیل کی طرح خوش اور پُر سکون ہو گئی تھی اس خوشی میں اس کا چہرہ متاب، تن آگینہ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھول برسٹنے لگی تھیں۔ اسی سکون اور سرخوشی میں انجیلینا نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے امیر! اصل بات کہنے سے قبل میں آپ کے طرزِ مخاطب کے متعلق احتجاج کرتی ہوں۔ آپ دو بار مجھے بنت یوحنا کہہ کر مخاطب کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ میرے نام سے واقف ہیں اور بنت یوحنا کے بجائے آپ مجھے میرے نام سے اور مجھے انجیلینا پکار کر بھی مخاطب کر سکتے ہیں۔“

اس پر نور الدین نے بے ساختہ کہا۔ ”اے بنت یوحنا! تم میرے لیے اجنبی ہو پھر میں کیسے اور کیونکر تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر سکتا ہوں۔“

انجیلینا تھوڑی دیر کے لیے ظلمات کے سفر اور محکومتیت کی اسیری جیسی افسردہ سی ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس افسردگی پر قابو پا لیا اور اصل مدعا کی طرف رجوع کرنے ہوئے وہ بولی۔

”اے امیر نور الدین! آپ جانتے ہیں کہ میری مگنی اور نسبت شہزادہ خلیل کے ساتھ طے ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ خلیل ایک اوباش اور بد کردار انسان ہے۔ اس نے نہ صرف حرم کی کنیز شاری ملک کے ساتھ خفیہ شادی رچا رکھی ہے بلکہ وہ اس طرح کے اور مخرب الاخلاق اعمال میں بھی ملوث رہا ہے۔ لہذا میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنے اس تعلق کو ختم کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی مگنی اور نسبت کو توڑ دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی گزشتہ بد تمیزیوں اور ناروا سلوک کی معافی مانگتے ہوئے میں آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں۔“

اے امیر! میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش میں نے آپ کے ساتھ تعلق کو استوار کر لیا ہوتا اور آج مجھے یوں ذلالت و گمراہی کا سامنا کرنا پڑتا۔

اے امیر! میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ آئندہ آپ کے ساتھ میرا وہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسا ایک آقا کے ساتھ اس کی کنیز کا ہوتا ہے۔“

انجیلینا خاموش ہو گئی اور بنیم کے اس قطرے کی سی حالت میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگی جو لب گل پر رکا ہوا ہوا در کسی بھی لمحہ زمین پر گر کر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہو۔ جب کہ نور الدین اس کے سامنے بے حسی کی سرد لاش کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک انجیلینا غور سے نور الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت اس بے چاری کی حالت درد کے نیلے رخساروں پر خونِ ناحق کی بوند اور نطق سے محروم لبوں جیسی ہو

گئی تھی۔ پھر وہ نور الدین کو مخاطب کر کے بولی۔

اس پر نور الدین نے بے ساختہ کہا: "اے بنتِ یوحنا! تم میرے لیے اجنبی ہو پھر میں کیسے اور کیونکر تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کر سکتا ہوں۔"

اینجلینا تھوڑی دیر کے لیے ظلمات کے سفر اور محکومتیت کی اسیری جیسی افسردہ سی ہو گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس افسردگی پر قابو پا لیا اور اصل مدعا کی طرف رجوع کرنے ہوئے وہ بولی۔

"اے امیر نور الدین! آپ جانتے ہیں کہ میری منگنی اور نسبت شہزادہ خلیل کے ساتھ طے ہوئی تھی لیکن گزرتے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ خلیل ایک اوباش اور بدکردار انسان ہے۔ اس نے نہ صرف حرم کی کنیز شاری ملک کے ساتھ خفیہ شادی رچا رکھی ہے بلکہ وہ اس طرح کے اور مخرب الاخلاق اعمال میں بھی ملوث رہا ہے۔ لہذا میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنے اس تعلق کو ختم کرتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی منگنی اور نسبت کو توڑ دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی گزشتہ بدتمیزیوں اور ناروا سلوک کی معافی مانگتے ہوئے میں آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں۔"

اے امیر! میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش میں نے آپ کے ساتھ تعلق کو استوار کر لیا ہوتا اور آج مجھے یوں ذلالت و گمراہی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

اے امیر! میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں اور انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ آئندہ آپ کے ساتھ میرا رویہ ایسا ہی ہوگا جیسا ایک آقا کے ساتھ اس کی کنیز کا ہوتا ہے۔"

اینجلینا خاموش ہو گئی اور بنیم کے اس قطرے کی سی حالت میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگی جو لب گل پر رکا ہوا ہوا در کسی بھی لمحہ زمین پر گر کر اس کی زندگی کا خاتمہ ہو سکتا ہو۔ جب کہ نور الدین اس کے سامنے بے حسی کی سرد لاش کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اینجلینا غور سے نور الدین کی طرف دیکھتی رہی۔ اس وقت اس بے چاری کی حالت درو کے نیلے رخساروں پر خونِ ناحق کی بوند اور نطق سے محروم لبوں جیسی ہو

"اے امیر! جس روز آپ پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند شہر میں امیر تیمور کے سامنے پیش کیے گئے تھے اور آق بونگ سے مقابلہ جیتنے کے بعد امیر تیمور اور میرے باپ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ اور میری نسبت طے کر دی جائے۔ یہ میں نے آپ کو غلام ابن غلام کہتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ میری طرف سے یہ آپ کے لیے انتہا درجے کی بدتمیزی تھی اور آج میں اس بدتمیزی کی معافی طلب کرنے حاضر ہوئی ہوں۔"

نور الدین نے لاپرواہی کے سے انداز میں کہا: "اے بنتِ یوحنا! میرے معاف کرنے یا نہ کرنے سے تمہاری ذات پر کیا فرق پڑتا ہے اور پھر تمہیں مجھ سے معافی طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ میرا اور تمہارا تو کوئی باہمی تعلق اور لین دین ہی نہیں ہے۔ اینجلینا نے انتہائی لاچارگی اور بے بسی میں اپنی آواز میں نغموں کا سن اور سعادت کے زمزمے بھرتے ہوئے کہا۔

"اے امیر! جو نئی بات میں آپ سے کہنے آئی ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میری اس بدتمیزی کو معاف کر دیں۔"

نور الدین نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: "اے بنتِ یوحنا! میں نے تمہیں معاف کیا۔ اب کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

نور الدین کے اس طرح معاف کر دینے پر اینجلینا خوش دل پرندوں کی چہکارا، کرلوں کے ہجوم اور ہواؤں میں کھڑے مسکراتے تختیل کی طرح خوش اور پُر سکون ہو گئی تھی اس خوشی میں اس کا چہرہ متاب، تن آگینہ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں پھول برسٹنے لگی تھیں۔ اسی سکون اور سرخوشی میں اینجلینا نے نور الدین کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے امیر! اصل بات کہنے سے قبل میں آپ کے طرزِ مخاطب کے خلاف احتجاج کرتی ہوں۔ آپ دوبار مجھے بنتِ یوحنا کہہ کر مخاطب کر چکے ہیں۔ جب کہ آپ میرے نام سے واقف ہیں اور بنتِ یوحنا کے بجائے آپ مجھے میرے نام سے اور مجھے اینجلینا پکار کر بھی مخاطب کر سکتے ہیں۔"

رہی تھی۔ پھر نور الدین کو اپنی طرف مائل اور متوجہ کرنے کی خاطر وہ پھر بولی۔

اے امیر! اگر آپ مجھے اپنی رفاقت میں رکھنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کی سونے سونے تنہائیوں اور زندگی کی ویرانیوں کو اپنالوں گی آپ کے دروں کو چھین لوں گی، آپ کے زخموں کو چھپالوں گی۔ اے امیر! میں انجیلینا آپ کے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ میں اپنے ہونٹ بھیج کر، اپنے آنسو روک کر آپ کے ہر دکھ کو آپ سے دُور کر دوں گی۔ اے امیر! میں گھٹی گھٹی مجبوری کی طرح آپ کے ساتھ ایک کنیز بن کر رہوں گی۔

اے امیر! میں عہد کرتی ہوں کہ میں فوخیز جیات اور حُن کے اس ڈالنے کی طرح جیسے کسی زبان نے کبھی چکھا تک نہ ہو، آپ کی زندگی کو قابلِ رشک اور خوشگوار بنا کر رکھ دوں گی۔ اے امیر! اگر آپ مجھے اپنانے کا وعدہ دیں تو قسمِ خدا ہے ہر دو جہاں کی میری زندگی کے بے وقعت شکریرے قیمتی اور نایاب یا قوت بن کر رہ جائیں گے۔

بھلے کتنی خاموشی، تاروں بھری ڈھلتی رات اور ٹپ ٹپ برتنے آنسوؤں کی طرح خاموش اور داس بیٹھا نور الدین حرکت میں آیا اور انجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے اس تلخ آواز اور نشتر چلاتے لہجے میں پوچھا۔ اے حسینہ عجم! کیا تم بیچے برسوں کی گپھا، مَرده یادوں، ماضی میں ابھی سسکیوں، بھٹکی باتوں اور گزری ہوئی روایتوں اور حکایتوں کو دوبارہ زندہ کر کے حیاتِ انسانی میں جاری کر سکتی ہو۔

اے رُستِ یوحنا! تم سوئی ہوئی یادوں کو سہلانے اور ندامت کے تلخ ڈالنے کو خوشگوار بنانے کی ناکام کوشش اور بے حاصل سعی کر رہی ہو جب تم نے شہزادہ خلیل کے ساتھ تعلقات استوار کیے تھے اس وقت بھی مجھے ان تعلقات سے کوئی علاقہ نہ تھا اور اب جب کہ تم نے خلیل کے ساتھ بے تعلقی اختیار کر لی ہے تب بھی میرا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ خلیل ایک شہزادہ ہے اور میں جلا رُقبیلے کا ایک مجھولا بھٹکا اور گنہام غلام۔ میرا ان شہزادوں کی ذاتیات سے کیا رشتہ؟

اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے نور الدین نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔ اے رُستِ یوحنا! ایک غلام کی حیثیت سے اس بانار بے مہربانے وفا میں میرا وجود بے وقعت تنکوں سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ اگر تم نے شہزادہ خلیل سے علیحدگی اختیار کر لی ہے تو پھر تم خرد والوں، جنوں والوں، صاحبِ حیثیت اور صاحبِ رتبہ و عالی مرتبت لوگوں کی طرف رجوع کرو۔ مجھ غلام ابنِ غلام کے ساتھ رفاقت کا عہد کر کے تمہیں کیا حاصل ہوگا۔

اے رُستِ یوحنا! مجھے وصال و ہجر کے قصتوں، شوخی گفتار کے رنگوں، رات کی گلزار ساعتوں اور حُض مال و منال سے کوئی دل چسپی اور رغبت نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ تعلق کی توقع کا وہ قصہ اب پُرانا ہو چکا ہے اور میں اب کھل کر تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں تمہاری ضرورت محسوس نہیں کرتا اور میں یہ بھی پسند نہ کروں گا کہ تم اس موضوع پر مجھ سے گفتگو کرو۔

نور الدین کے اس جواب پر انجیلینا کی حالت پھر سے بالوں کی برہمی، بجھی ہوئی قندیل اور دھواں دھواں شام جیسی ہو گئی تھی۔ پھر شاید وہ آخری اُمیدوں کا دامن تھامتے ہوئے بولی تھی۔ اے امیر! میں جانتی ہوں آپ پولینڈ کے یوگین کی بیٹی نائسیا کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے میری ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ہاں اے امیر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نائسیا کو اس بات پر رضا مند کر لوں گی کہ ہم دونوں اتفاق و اتحاد کے ساتھ آپ کی رفاقت میں خوش گوار زندگی بسر کر سکیں۔ اگر نائسیا اس بات پر رضا مند ہو جائے تو پھر آپ کو میرا ساتھ اور میری رفاقت قبول کرنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

اے امیر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کو چپ کے گہرے بھید میسا پرسکوں، حلیموں کے حلیم جیسا خوشگوار اور سرشاری و اطمینان کی ٹھنڈی پرسکوں سانسوں جیسا خوش رکھوں گی۔ اگر اب بھی آپ نے انکار کر دیا تو اے امیر! میری زندگی کا ہر لمحہ قدم قدم بہم اور ظلم و افلاس کے مارے ضمیر جیسا ہو کر رہ جائے گا۔

اینجلینا کہتے کہتے رُک گئی۔ پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا سائی کہ اس نے اچانک جھک کر نور الدین کے پاؤں پکڑ لیے اور سسکتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! مجھے یوں ٹھکرا کر میری زندگی کو زنداں کی شام جیسا کر بنا کر نہ بنا دیں۔“ نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے بنتِ یوحنا! اپنے آپ کو ایک غلام کے سامنے اس قدر نہ گرا دو کہ دوبارہ اُٹھ نہ سکو۔“

اینجلینا فوراً اس کی بات کا ٹٹی ہوئی بولی۔ ”اے امیر! آپ میرے لیے غلام نہیں ایک ایسا مہتاب ہیں جس کی روشنی میں اپنے مستقبل کی راہوں کو میں سنوار سکتی ہوں۔“ نور الدین نے اس بار فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ”میں کون ہوں، میں کیا ہوں اپنے متعلق ان سوالات کے جواب میں خوب جانتا ہوں۔ پر ایک بات ضرور اپنے دل پر رکھو کہ میں نہ تمہیں پسند کرتا ہوں اور نہ یوکرین کی بیٹی نالیا کو۔ میں اس قابل ہی نہیں کہ تم اور نالیا میں سے کسی کو بھی اپنی زندگی کا رفیق اور اپنی روح کا دساز بناؤں میری روح کے لیے تم دونوں ہی اجنبی ہو۔ لہذا تم دونوں سے میرا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

نور الدین کی اس گفتگو کے جواب میں اینجلینا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ رنگوں کی ادا جیسی حسین اور آوازوں کی خوشبو جیسی پرکشش نالیا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں نور الدین کے پاس اینجلینا کو دیکھ کر چند ثانیوں کے لیے اس نے اچنبھے پن کا اظہار کیا۔ پھر اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور رس سا گرمیوں میں ڈوبی اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں اور اس جھکاؤ میں شناسائی کی جان لیوا ادائیں تھیں۔

اس موقع پر اینجلینا نے بھی مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور نالیا کو دھڑا کر بدھڑے دیکھ کر اینجلینا چونک کر رہ گئی تھی۔ وہ فوراً اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور نالیا کی طرف بڑھی۔ شاید وہ نالیا کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس مقصد کے تحت

نور الدین کی طرف آئی ہے۔ پر اینجلینا ابھی نالیا کے قریب ہی گئی تھی کہ ٹھٹھک کر رُک گئی۔ کیونکہ نور الدین کے اس کمرے میں ایک عمر خاتون بھاگتی ہوئی داخل ہوئی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور پاؤں سے ننگی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس بوڑھی عورت نے اپنے ہاتھ جوڑتے ہوئے اور منت کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر نور الدین! اللہ! شہزادہ خلیل کے خلاف میری مدد کیجیے۔ وہ وہ اپنے تین آوارہ صفت ساتھیوں کے ساتھ میرے گھر میں گھس کر شراب پی رہے ہیں اور اس کے بعد وہ نہ جانے وہاں کیسا گھناؤنا کھیل شروع کریں گے۔“

نور الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس عورت کو مخاطب کر کے اس نے نرمی اور عاجزی میں کہا۔ ”اے خاتون! اگر تو اور تیرے اہل خانہ شہزادہ خلیل کی بد اعمالیوں کا شکار ہوئے ہیں تو میں تجھے شوروں کا کہہ دوں گا کہ تو اپنی یہ ناز س لے کر امیر تیمور کے پاس جا وہ ایک حکمران اور خلیل کے دادا کی حیثیت سے اس معاملے کا بہتر طور پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ اے خاتون میں تو ایک ملازم ہوں اور جان رکھو کہ ملازم بے چارہ تو ملازم ہی ہوتا ہے۔“ اس عورت نے جواب میں بین کر تی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے امیر! آپ کی یہ حویلی ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔ اسی لیے میں بھاگی بھاگی آپ کی طرف آئی ہوں۔ گو میں نے اپنے لڑکے کو امیر تیمور کی طرف بھی دوڑایا ہے لیکن نہ جانے کب حاجب میرے بیٹے کو امیر تیمور کے پاس جانے دے اور کب وہ میری مدد کو پہنچے۔ اسی لیے میں فود بھاگی بھاگی آپ کی طرف آئی ہوں۔“

اے امیر! ہم لوگ آپ کے اخلاق و کردار اور آپ کی عمدہ سیرت کی بنا پر آپ کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ اے امیر! میں آپ کے پاس ایک بھیڑیے اور ایک زہریلے سانپ کے خلاف مدد حاصل کرنے آئی ہوں۔ کیا اس موقع پر آپ مجھے مایوس کر دیں گے۔“

اس عورت کی گفتگو پر نور الدین کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر ضرور چلا گیا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہا تھا۔

میری رہنمائی کہ پھر دیکھ میں تیری بچیوں پر بھونکنے والے کتوں کو کیسے مار بھگاتا ہوں۔“
نور الدین تیزی کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ خاتون اس کی رہنمائی
انے لگی تھی۔ "نائیا اور اینجلینا بھی بھاگتی ہوئی نور الدین کے ساتھ ہوئی تھیں۔
بولی کے صحن میں اب سیف الدین اور مرشد نہ تھے۔ شاید وہ دونوں کہیں باہر جا چکے
تھے۔ وہ خاتون بھاگتی ہوئی اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے نور الدین
اینجلینا اور نائیا بھی بھاگ رہے تھے۔

پھر وہ بڑھی ان تینوں کے ساتھ ایک ایسے گھر میں داخل ہوئی جس کے اندر
نور اور غل غباٹہ بلند ہو رہا تھا۔ پھر وہ بڑھیا نور الدین کو ایک ایسے کمرے میں لائی جس
کے اندر شہزادہ خلیل اور اس کے بہن ساتھی شراب پینے کے ساتھ ساتھ بُری طرح شور
بھی مچا رہے تھے۔ جب کہ اس بڑھیا کی چاروں نوجوان لڑکیاں ڈری ڈری، سہمی سہمی
سہمی سہمی اس کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

نور الدین اپنی تلوار لہراتا ہوا رُکے ہوئے یا جوج ماجوج، بہتے پانی کے شور اور
آندھیلوں کے غضب ناک جھکڑوں کی طرح اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس موقع پر
اس حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے اس کی رگ رگ میں چنگاریاں بھڑک اُٹھی ہوں یا—
باہر کی حقیقتوں اور وقت کے سمندر میں اور خاموشی کی جھیلوں کے اندر آن گزرتا پھر
گرنے سے لگن اور تڑپ کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

پھر ان چاروں کو غائب کرتے ہوئے نور الدین دھاڑا۔ "ذلیل کتو! منحوس
لیڈانو! کیا تم یہ سمجھ کر اس گھر میں داخل ہوئے تھے کہ اس بیوہ اور اس کی نوجوان
ایمیں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اپنے اپنے جام پھینک کر اپنی تلواریں سنبھالو
کہ میں دیکھوں تمہاری بدی کا پھیلاؤ کہاں تک ہے۔ اپنے ہتھیار سنبھالو کہ میں دیکھوں
اس گھر کی چار دیواری کے اندر تم گناہ بن کر کس قدر گھناؤنی صورت اختیار کر سکتے ہو۔
خلیل نے غصے میں جام ایک طرف پھینک دیا اور زہر و نفرت بھرے انداز
میں اس نے کہا۔ "اے نور الدین! اپنی حدود کو پھلانگ کر نہ نکلو۔ تو نے آج تک میری

اس عورت نے پھر روتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اے امیر! دیر نہ کیجیے۔ میرے
ساتھ چلیے اور ان درندوں سے مجھے نجات دیجیے۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ ایک
نوجوان بیٹے اور چار جوان بیٹیوں کی ماں ہوں۔ کیا اُس وقت آپ ہماری مدد کریں گے
جس وقت بھڑپٹے اپنا غلیظ رقص اور درندے چیر بھاڑ شروع کر چکے ہوں گے
کیا آپ اس وقت حرکت میں آئیں گے جب بچیاں بے آبرو اور داغدار ہو جائیں گی۔
جب ہنستا ہنستا گھر برباد ہو جائے گا اور اس کی مقدس چار دیواری کے اندر زندگی
کے اسرار کی باریکیوں میں تاریکیوں کے جلوس نکل کھڑے ہوں۔ کیا آپ اس وقت ایک
بیوہ کی پکار پر لبیک کہیں گے۔ جب رُوح کی آخری چمک اور سانس کی آخری رتق
بھی ٹوٹ جائے گی۔" وہ بڑھیا ذرا رُک کر پھر وہ غیظ و غضب میں طوفان کی طرح
کہتی چلی گئی۔

"اے امیر! جب گدھوں کی چونچیں خون آلود ہو جائیں گی۔ جب مفلس و
لاچار کا غم سنگی، گچی شانوں کی طرح عریاں ہو جائے گا۔ جب کفر و الحاد کے گمشتے میری
بچیوں کی رگ رگ سے خون چھوڑ چکے ہوں گے۔ اے امیر! اس وقت آپ حرکت میں
آئے بھی کیا حاصل جب وقت کی گردش ہماری سانوں کا شعلہ بن جائے گی۔"

اس عورت کی دل ہلا دینے والی گفتگو پر نائیا اور اینجلینا ہچکیوں اور سسکیوں
میں کھل کر رونے لگی تھیں۔ دوسری طرف نور الدین کی حالت بھی آندھیلوں کے
بے انت طوفان، ریت کے بے کنار گبولوں، محشر ظلمات اور آسیب زدہ بحر فنا جیسی
ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے ایک سخت جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار کھینچ لی اور صحرا
کے شہر بار ببولوں اور فطرت کے ناقابلِ تغیر کارکنوں کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔

"اے خاتون! خداوند کے نواسے اساء کی قسم! تم نے میرے دل، میری رُوح اور
میرے ضمیر پر ضرب لگائی ہے۔ اے خاتون! میں تمہاری مدد کروں گا۔ اس موقع پر
اگر شہزادہ خلیل کی جگہ خود امیر تیمور بھی ہوتا تو قسم مجھے میرے لانا مال رب کی میں اس
کے خلاف بھی تیری پکار پر لبیک کہتا۔ اے خاتون! تو میرے ساتھ آ اور اپنے گھر تک

طبیعت کا عملی پہلو نہیں دیکھا۔ قبل اس کے کہ میں قہر الہی کا عکس بن کر تیری ذات کو ریزہ ریزہ اور تیرے جسم کو برباد کر کے رکھ دوں تو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ تیری ساری ہمتا پسندی تیری ساری قیامت خیزی دھو کر رکھ دوں گا۔

نور الدین نے خلیل کی اس دھمکی آمیز گفتگو کو کوئی اہمیت نہ دی وہ کسی وحشی سوار جنگلی باشندے بے دھرمک للکار اور مہیب گرج کی طرح آگے بڑھا اور خلیل کے ساتھیوں پر اس نے طوفانی شور کی طرح حملہ کر دیا تھا۔ نور الدین کے حملہ آور ہونے کا انداز ایسا سرعیت پذیر اور آندھیوں و زلزلوں جیسا تھا کہ لمحوں کے اندر اس نے خلیل کے تینوں ساتھیوں کے جسموں پر ایسے زخم لگائے کہ وہ اس کا سامنا کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ اب نور الدین ایک تباہ کن سیلاب اور موت کی نگاہ بن کر خلیل کی طرف بڑھا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی حالت پر خلیل پہلے ہی بدحواس ہو رہا تھا۔ وہ اس اُمید پر تماشا بننا کھڑا ہوا تھا کہ شاید اس کے ساتھی نور الدین کو اپنے سامنے بے بس کر کے رکھ دیں گے لیکن اپنے ساتھیوں کے اس طرح زخم کھا کر بیکار ہو جانے پر اس کی بے بسی اور لاچارگی قابل دید تھی۔

نور الدین نے جب آگے بڑھ کر اس پر وار کیا تو اپنے دفاع میں خلیل حرکت میں آیا اور نور الدین کے وار کو اس نے اپنی تلوار پر روک لیا تھا۔ اسی لمحہ نور الدین نے اپنے بائیں ہاتھ کا ایک گھونٹہ خلیل کے منہ پر دے مارا اور خلیل جکڑ کر زمین پر گر گیا تھا۔ پھر نور الدین پک کر آگے بڑھا اور خلیل کے دائیں بازو پر اپنی تلوار سے زخم لگاتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے ساتھیوں کی طرح میں نے تمہیں بھی زخمی کر دیا ہے کہ تم تلوار اٹھا کر سامنا نہ کر سکو۔ گو یہ زخم معمولی ہے لیکن تمہاری انا پر ضرب لگانے کے لیے کافی ہے ورنہ میں چاہتا تو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بُری طرح زخمی کر کے بیکار بھی بنا سکتا تھا۔

خلیل اپنے ساتھیوں کے قریب بے بسی کی حالت میں کمرے کے فرش پر پڑا تھا کہ نور الدین نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تمہاری بہتری اند

سلامتی اس میں ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اسی لمحہ وہ بڑھیا نور الدین کے پاس آئی اور اس کا بازو پکڑتے ہوئے اس نے انتہائی مینونیت میں کہا۔ ”اے امیر نور الدین! خدا کے تیری آقائی حدود میں توسیع ہو اور خداوند مجھے تخریبی عناصر کے خلاف یونہی ابدیت کے رانوں کی طرح حملہ آور ہونے کی توفیق دے۔ تو میرے لیے میرے گھر کی تقدیر بن کر داخل ہوا ہے۔ میں یہ وہ جگہ اس کی کوئی جزا کوئی صلہ بجز مینونیت اور دعاؤں کے کچھ نہیں دے سکتی۔ کاش تو اس شہر کا محاسب ہوتا تو شہزادہ خلیل میا کوئی بھی بے مہار اور بدسرشت انسان درندہ اور بھیڑیا بن کر بے بسوں اور مفلسوں کی عصمت اور خون کا پیاسا نہ ہو سکتا کاش

وہ بڑھیا کہتے کہتے خاموش ہو گئی کیونکہ اس کمرے کے دروازے پر امیر تیمور لودار ہوا اس کے ساتھ کورٹا تھا۔ ہوئے اس کا جلا اور چند محافط بھی تھے۔ شہزادہ خلیل جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے نکلنے والا تھا وہ اپنی جگہ پر ٹھنک کر رہ گیا تھا۔ امیر تیمور نے کمال نرمی اور شفقت میں اس بڑھیا کو مخاطب کر کے کہا۔

”اے خاتون! تو جو گفتگو نور الدین کے ساتھ کر رہی تھی۔ اسے مکمل کرو۔ میں تیری پوری گفتگو سن چکا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ میں ساری عمر ایک بت ایک متعل کی طرح خاموش کھڑا تیری گفتگو کو دھیان اور رغبت سے سنتا رہوں۔ کاش مجھے پہلے خبر ہوتی تو میں خلیل اور اس کے ساتھیوں کے مقاصد کی حیوانیت اور ان کی منحوس خواہشات کو سر ہی نہ اُبھارنے دیتا۔“

تیمور کے خاموش ہونے پر اس بڑھیا نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا۔ ”اے امیر تیمور! میں نے جو کچھ امیر نور الدین سے کہنا تھا کہہ چکی

اس پر امیر تیمور نے کھولتے ہچے اور زہر برساتی آواز میں کہا۔ ”اے لاتون! اگر تو نور الدین کے ساتھ اپنی گفتگو تمام کر چکی ہے تو پھر دیکھو میں اپنے عمل کی ابتدا کیسے کرتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی امیر تیمور نے آنکھوں ہی

میرے پاس بیٹھ جاؤ۔

اپنی گردن کو خم کرتے ہوئے نور الدین نے کہا۔ "اے آقا! اگر آپ نے مجھے اس لیے طلب کیا ہے کہ میں نے خلیل اور اس کے ساتھیوں کے خلاف حرکت میں آکر اور انہیں زخمی کر کے جرم کیا ہے تو ایک مجرم کی حیثیت سے میں جواب طلبی کی خاطر کھڑا ہی رہنا پسند کروں گا۔

نور الدین کی اس گفتگو پر امیر تیمور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ چند ثانیوں تک وہ اک تصویر غاندہسرت بن کر نور الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ اس موقع پر تیمور کی آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے تھے۔ چاہتوں، شفقتوں اور ہمدردیوں کے وہ آنسو جن کی کوئی قیمت جن کا کوئی مول نہیں لگایا جاسکتا۔

پھر تیمور اپنی آنکھیں صاف کرنا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور نور الدین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اے فرزندِ عزیز! تو اگر خلیل اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا تب بھی اے نور الدین! میں کسی بھی عدالت میں مجھے مجرم کی حیثیت سے کھڑا نہ ہونے دیتا۔ میں جانتا ہوں وہ بوڑھی عورت تیرے پاس خلیل اور اس کے ساتھیوں کے خلاف مدد طلب کرنے گئی تھی سو تو نے خوب کیا کہ اس لاچار کی پکار پر بسیک کہا۔ اے نور الدین! تو نے میرا دل خوش اور میرا ضمیر مطمئن کر دیا ہے۔"

امیر تیمور چند ساعتوں کے لیے رُکا پھرا اپنا سلسلہ کلام اس نے جاری رکھا۔ "اے نور الدین! میں سمجھتا ہوں خلیل اور اس کے ساتھیوں کو ان کے جرم سے کم سزا ملی ہے۔ میں خلیل کو زنداں میں ڈال دیتا ہوں اس کی ماں خانزادہ ایک داویلا اور طوفان کھڑا کر دیتی اور میرے خاندان، میرے حرم کا سکون برباد ہو کر رہ جاتا۔ اے نور الدین! تم میرے پاس بیٹھو میں تو اہم امور پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" امیر تیمور نے نور الدین کو اپنے پاس بٹھایا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "اے نور الدین! پہلی بات جو میں تم سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آج قبلہ ابھی سے میں تمہیں ایک نیا عہدہ سونپتا ہوں اور یہ کہ جنگ میں تو تم حسبِ معمول میرے ساتھ

آنکھوں میں اپنے جلاؤ کو اشارہ کیا۔ جواب میں وہ جلاؤ اپنا چرمی کوڑا لہراتا ہوا اُگے بڑھا اور شیشی انداز میں اس نے خلیل اور اس کے ساتھیوں پر کوڑے برسانے شروع کر دیے تھے۔ کمرے کے اندر خلیل اور اس کے ساتھیوں کی آہ دیکار اور داویلا وکر بناک چیخیں بلند ہونے لگی تھیں۔ اس لیے کہ جلاؤ کا وہ چرمی کوڑا تو ان کی جلدیں اُدھیر کر رکھ رہا تھا۔ جب مار کھا کھا کر خلیل اور اس کے ساتھیوں کی حالت قابلِ رحم اور عبرت خیز ہو گئی تو امیر تیمور نے ہاتھ کے اشارے سے جلاؤ کو کوڑے برسانے سے روک دیا۔ پھر اس کی غضب ناک آواز بلند ہوئی۔

"اے خلیل اور اس کے گناہگار ساتھیو! تم نے کیا سمجھ کر اس بیوہ کے گھریں بدی کا کھیل کھیلنے کی کوشش کی ہے۔ یہ تمہارا پہلا موقع ہے لہذا تمہارے لیے اس قدر سزا ہی کافی ہے اور سن رکھو کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی یہ کھیل پھر دہرانے کی کوشش کی تو پھر اس کا ٹھکانہ قبرستان کے علاوہ اور کہیں نہ ہوگا۔ اب تم چاروں یہاں سے ورنہ ہو جاؤ۔"

خلیل اور اس کے ساتھی سمے سمے سے وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد تیمور نے نقدی کی ایک پھیلی اس بڑھیا کو تھمتے ہوئے کہا۔ "اے خاتون! یہ تمہارے لیے تالیفِ قلب کی خاطر ہے۔"

پھر اس نے مڑ کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "اے نور الدین! تم میرے ساتھ آؤ۔" نور الدین اپنی تلوار کو بے نیام کر کے چُپ چاپ تیمور کے پیچھے ہو لیا تھا۔ اپنے ذاتی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے امیر تیمور نے سب کو باہر ہی روک دیا تھا اور صرف نور الدین کو اس نے اندر آنے کو کہا تھا۔ جب امیر تیمور انہی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے دیکھا نور الدین انتہائی عاجزانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ باندھے امیر تیمور کے سامنے کھڑا تھا۔ تیمور نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا پھر ایک نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے گہری شفقت اور استغما میر انداز میں کہا۔

"اے نور الدین! تم یوں میرے سامنے ہاتھ باندھے کیوں کھڑے ہو یہاں

انجیلینے خلیل کی بکرداریوں کی بنا پر اس سے اپنی نسبت توڑ دی ہے اور یوحنا مجھے ننگنی کی انگوٹھی واپس کرنے کے علاوہ معذرت بھی کر گیا تھا کہ انجیلینا خلیل کے ساتھ رشتہ استوار کرنے پر رضا مند نہیں ہے اور یوحنا مجھے یہ بھی بتا گیا ہے کہ انجیلینا تم سے اپنی زیادتی کی معافی مانگ کر تمہاری طرف رجوع کرنا چاہتی ہے اور مجھے یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ یوکرین کی بیٹی نائسیا بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔ اے نورالدین! میں چاہتا ہوں کہ تم نائسیا اور انجیلینا میں سے کسی ایک کے ساتھ شادی کر لو۔

تیمور نے ذرا رُک کر نورالدین کے چہرے کے تاخرات کا جائزہ لینا چاہا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔ ”اے نورالدین! اگر تم نائسیا اور انجیلینا دونوں کو چاہو تو میں ان دونوں کو تمہاری زندگی کا ساتھی بنا دوں گا۔ بس میں چاہتا ہوں تم شادی کر کے اپنا گھر آباد کر لو۔ اس طرح میرے دل کو اطمینان اور میرے ضمیر کو ہلکا پن محسوس ہو گا۔ اب بولو تمہارا کیا ارادہ ہے اور تم کب تک شادی کرنے پر رضا مند ہو۔

نورالدین چند ثانیوں تک گردن جھکائے گری سوچوں میں کھویا رہا۔ پھر تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

”اے آقا! میں نائسیا اور انجیلینا دونوں میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور نہ ان دونوں سے کسی کے ساتھ شادی کا خواہش مند ہوں۔ اے آقا! میں نے اپنی رفاقت کے لیے ایک اور ہی لڑکی پسند کر لی ہے۔ ظاہری اور باطنی حسن دونوں میں نائسیا اور انجیلینا اس سے کمتر ہیں۔“

نورالدین کی اس گفتگو پر تیمور کے چہرے پر ہنس کی بے باک روشنی کرنی چاندی جیسی اڑتی جھاگ کا سکون اور نیلے گلابی پتھروں کی سی دل کشی قرض کرنے لگی تھی۔ پھر اس نے چونک جلنے کے انداز میں کہا۔ ”اے نورالدین! اللہ کا شکر ہے کہ تم نے اپنی رفاقت کے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے اور یہ انکشاف میرے لیے اور زادہ خوشی کا باعث ہے کہ وہ لڑکی انجیلینا اور نائسیا دونوں سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہے۔“

ہوا کر دو گے لیکن امن کی حالت میں تم سلطنت کے محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے کام کیا کرو گے۔ سلطنت کے سارے محتسب اور کوتوال اپنے مسائل براہ راست تمہارے سامنے پیش کیا کریں گے۔ اس کے علاوہ قاضی عدالتوں کے فیصلوں پر مناسب طود پر عمل کرنا بھی تمہاری ذمہ داری ہوا کرے گی۔

اے نورالدین! مجھے اُمید ہے جب تم محتسب اعلیٰ کی حیثیت سے کام شروع کرو گے تو کوئی رجوع کی تاروں پر مضارب کی ضرب لگانے والا نہ رہے گا۔ کوئی سیم وزر کی قیمت لگا کر اور لعل و گہر کی عصمتوں کو خرید کر اپنے ذوق گنگاری کی تکمیل کرنے والا نہ رہے گا۔ اے نورالدین! اب جب کہ میں تمہیں محتسب مقرر کر چکا ہوں تو مجھے اُمید ہے کہ تم مجرموں کے لیے آہن و فولاد اور شرفاء کے لیے قطرۂ شبنم کی طرح دل نشین ثابت ہو گے۔ وہموں کے پروردوں کی بے جسی پر خوب سُر زنتی کرنا مشقِ خونخواری کرنے والوں کے دامان و گریبان کو زخموں کے جنگل جیسا عبرت خیز اور ہولناک بنا دینا۔

اے نورالدین! رات کے نرم سناٹوں اور ویران لمحات کے اندر گناہوں کو جنم دینے والوں کو کچل کر رکھ دینا۔ انسانی تفریق کو فروغ دینے والوں اور انسانی تخلیق کو داغدار کرنے والوں کو جانوں کو لہو لہو اور ان کی رجوحوں کو تیغِ بسترہ کے رکھ دینا۔ جرم کرنے والوں میں اگر خلیل، محمد سلطان، پیر محمد اور خود تیمور ہی شامل کیوں نہ ہوں نہیں ہرگز معاف نہ کرتا۔“

یہاں تک کہہ کر تیمور خاموش ہو گیا۔ اس پر نورالدین نے کہا۔ ”اے آقا! اگر آپ محتسب کی حیثیت سے میرا انتخاب اور تقرر کر ہی چکے ہیں تو آپ دیکھیں گے میں مظلوم سے اس کی بے بسی اور ظالم سے اس کا ظلم چھین لوں گا۔“

تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ اور گہرے اطمینان میں پھر کہا۔ ”اے نورالدین! میری ایک بات تو ختم ہوئی۔ اب میں دوسری بات کی ابتدا کرتا ہوں اور وہ یہ کہ خلیل کا وہ گھناؤنا حادثہ پیش آنے سے قبل اسقف یوحنا میرے پاس آیا تھا۔ اس کی بیٹی

نور الدین! بخدا یہ انکشاف کر کے تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ پر یہ تو کو وہ لڑکی کون سی ہے۔ اس کا اور اس کے باپ کا کیا نام ہے۔ اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ تاکہ میں اس کے باپ سے مل کر اس لڑکی کو تمہارے لیے مانگ لوں اور اے نور الدین! کیا وہ لڑکی ایسی ہی خوب صورت ہے کہ تم اسے نالیا اور انجیلینا پر ترجیح دے رہے ہو۔

تیمور کی اس بے تابی اور دل چسپی پر نور الدین کے لبوں پر بے صوت و بے صداغموں جیسی مسکراہٹ اور دل کشی بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ اے آقا! اس لڑکی کو حسن و خوبصورتی اور وجاہت و وقار میں سمرقند کا شہر اور سمرقند کی قند کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ پر اے آقا! فی الوقت میں اس لڑکی کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کا خاندانی تعلق ظاہر نہ کروں گا۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے اس انکشاف کو ابھی تک صیغہ راز میں ہی رہنے دیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مناسب وقت آنے پر میں اس لڑکی، اس کے نام اور اس کے خاندان سے متعلق تفصیل سے کہہ دوں گا۔ اے آقا! آپ کو یہ زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے گی کہ آپ اس لڑکی کے باپ سے اسے میرے لیے مانگیں۔ اس لیے کہ میرے اور اس لڑکی کے درمیان ایک ایسا حادثہ رونما ہوا تھا۔ جس کی بنا پر وہ میرے قریب آئی اور پھر مجھے پسند کرنے لگی۔

اے آقا! اس لڑکی کے باپ کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اس لیے اس نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسوب کر دیا ہے اے آقا! اس لڑکی کی نسبت سے میں اپنے آپ کو ایک خوش قسمت ترین انسان تصور کرنے لگا ہوں۔ اے آقا! یہ انجیلینا اور نالیا دونوں مل کر اس کی ایک بلکی سی مسکراہٹ کے برابر بھی نہیں ہیں۔

تیمور نے سکون اور اطمینان بکھیرتی ہوئی آواز میں کہا۔ اے نور الدین! میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا۔ تمہارے اس انکشاف کو اس وقت تک صیغہ راز میں رکھوں گا جب تک تم خود اسے ظاہر کرنا پسند نہ کرو۔

نور الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ اے آقا! میں اب جاتا ہوں۔ تیمور نے اٹھ کر اس سے پرجوش مصافحہ کیا پھر نور الدین تیمور کے اس ذاتی کمرے سے نکل گیا تھا۔



شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کو سزا دینے کے بعد جس وقت تیمور نور الدین کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اس وقت انجیلینا نے اپنے قریب کھڑی نالیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے نالیا! میری بہن! کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ میری حویلی میں دجلوگی۔ میں تمہارے ساتھ اپنی ذات کا مقدس ترین عہد اور اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔

نالیا نے ایک بار غور سے انجیلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے مدغم اور نرم آواز میں کوئل کی آوازہ کوک کے انداز میں کہا۔ اے انجیلینا! تمہارے ساتھ تمہاری حویلی تک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جو کچھ مجھ سے کہنا چاہتی ہو، یہاں کھڑی کھڑی بھی کہہ سکتی ہو۔

انجیلینا نے خواہشوں کے بکھرتے رنگین طلسم کے انداز میں کہا۔ اے نالیا! وہ عہدہ فیصلہ ایسا ہے جس سے متعلق یہاں گفتگو نہیں کی جاسکتی۔

نالیا نے خوش دلی میں کہا۔ تو پھر چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ نالیا کے اس فیصلے پر انجیلینا خوش ہو گئی تھی۔ پھر وہ نالیا کو لے کر اپنی حویلی کی طرف چل دی تھی۔

انجیلینا، نالیا کو لے کر اپنی حویلی میں داخل ہوئی پھر اسے اپنی خواب گاہ میں لے جا کر اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔ اے نالیا! اصل گفتگو کرنے سے پہلے میں تم پر یہ انکشاف کرتی ہوں کہ میں نے شہزادہ خلیل کے ساتھ اپنی نسبت توڑ کر اس کے ساتھ قطع تعلقی کر لی ہے۔

نالیا نے لا پرواہی میں کہا۔ میرے لیے یہ انکشاف نہیں ہے اس لیے کہ میں

جانتی ہوں کہ تمہاری اور غیل کی قطع تعلقی ہو گئی ہے اور اسقف یوحنا تمہاری تنگنی کی انگوٹھی امیر تیمور کو واپس کر چکے ہیں۔

اینگلیٹن نے پچھلی رات میں بجتی ستار، خون کے آنسو بہاتی رات کی پُر درد صدا اور بے کیفیت و غیر منفعت سے انداز میں پوچھا۔ اے نائیا! تمہیں اس حادثے کا کیسے علم ہوا۔ کیا تم امیر تیمور سے مل کر آرہی ہو، یا امیر نور الدین کی حویلی کی طرف جانے سے قبل تم یہاں ہماری حویلی میں میری ماں سے مل کر گئی ہو۔

نائیا نے کسی سا حرا نہ رسم کی ادائیگی کے انداز میں کہا۔ اے اینگلیٹن! جس وقت میں شاہی مہمان خانے سے نکل کر امیر نور الدین کی حویلی کی طرف جانے کے لیے نکلی تھی۔ اس وقت راستے میں میری ملاقات تمہارے باپ سے ہو گئی تھی۔ وہ امیر تیمور سے مل کر اور تمہاری تنگنی کی انگوٹھی لوٹا کر آ رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے مجھے تمہاری اور غیل کی نسبت ٹوٹنے کی تفصیلات بتادی تھیں۔

اینگلیٹن نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اگر تم سارے حالات جانتی ہو نائیا! تو پھر سنو! میں امیر نور الدین کی طرف مراجعت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تمہیں اس سلسلے میں کوئی اعتراض ہے؟

نائیا چند ساعتوں تک کھوئی کھوئی باتوں اور سینوں میں چمختی ہوئی یادوں کی طرح الجھی سی رہی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ چہرے پر چنبیلی جیسی دودھیا مسکراہٹ بکھری اور خمار کو انداز اور چوڑیوں کی کھنک جیسی صدا میں وہ بولی۔ اے اینگلیٹن! جب میں امیر نور الدین پر کوئی حق نہیں رکھتی پھر ان کی طرف تمہاری مراجعت پر مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔

اینگلیٹن نے تعجب سے کہا۔ حیرت ہے تم امیر نور الدین کو پسند بھی کرتی ہو اور یہ بھی کہتی ہو کہ تم ان پر کوئی حق نہیں رکھتی۔

اینگلیٹن کے اس استفسار پر نائیا بے چاری چاک غریباں و دریدہ پران جیسی طول، چراغ درد جیسی مغموم اور اشکوں کے موتیوں جیسی قابلِ رحم ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر

وہ ہر طرف بکھرے ریگ صحرا اور ہر سو پھیلے خارزاروں جیسے اداس کنج میں بولی۔ میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اینگلیٹن! بات تو جب ہے کہ وہ بھی مجھے پسند کریں۔ اے اینگلیٹن! میرے خیال میں امیر نور الدین کسی ادس کی طرف مائل ہیں۔

اینگلیٹن نے اس خیال کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ نہیں، ایسا نہیں ہے نائیا! امیر نور الدین اگر کسی ادس کی طرف مائل ہوتے تو اب تک یہ بات جنگل کی آگ کی طرح سمرقند اور اور اس کے فواح میں پھیل چکی ہوتی۔ اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ صرف تم امیر نور الدین کو پسند کرتی ہو اور ان کی طرف سے کوئی ردِ عمل نہیں ہے۔ کچھ مرد ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی چاہتوں کا اظہار نہیں کرتے پر چاروں طرف بکھرے ستاروں، رات کی کمر میں جھپٹی ہوئی خواہش اور مبہم عبارت کی طرح اپنے آپ کو پیچیدہ اور نہاں رکھتے ہیں اور میں سمجھتی ہوں امیر نور الدین بھی ان مردوں میں سے ایک ہیں۔

اینگلیٹن کی اس گفتگو پر نائیا بیا باؤں میں دریاؤں کی صورت خوش کن واویلوں میں بکھری ہوئی اجنبی و نا آشنا خوشبو اور صبح کی آنکھ سے نمودار ہونے والی کڑوں جیسی بیدار ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے گل جیسے عارضوں پر چاہتوں کی تجلیاں رقص کناں ہو گئی تھیں پھر وہ بولی۔

اے اینگلیٹن! خداوند تیری زبان مبارک کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنے آپ کو دنیا کی سعادتوں کی مالک سمجھ رہی ہوں گی۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں رو پہلے پسینوں اور تیرہ و تار فضاؤں سے نکل کر ہواؤں کی پسندیدہ اور ٹھنڈی سانوں جیسی ہو کر رہ جاؤں گی اے اینگلیٹن! امیر نور الدین میری منزل ہیں اور انہیں حاصل کرنے کے لیے میں تمام ادوار کی خاک چھلنے کو تیار ہو سکتی ہوں۔ میرے لیے دنیا کی ہر شے سستی پر امیر نور الدین ہونگے ہیں۔ ان کا حصول میرا غم و درد اور فکرِ فردا ہے۔

اے اینگلیٹن! اب تک امیر نور الدین میرے لیے بندھن بنے ہوئے ہیں کاش میں جان سکتی میرے لیے ان کے دل میں کیسا ہے۔ کاش میں ان کی ذات سے منسوب اپنے پرانے وقتوں کے برگد جیسے پرسکون خوابوں اور وصال و ملن کے حسین و نگین پسینوں

کو عملی صورت میں دیکھ سکتی۔

اینجلینا! میری بہن! سچی بات تو یہ ہے کہ اب تک میں امیر نور الدین کے لیے نیم مردہ پلکوں جیسی منتظر اور اجل کی آغوش جیسی مایوس ہوں۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں اب شرمندگی نہیں کہ امیر نور الدین میری زندگی کا نصف آخر میں لیکن اس کا کیا حل کہ امیر نور الدین نہ بہتہ بادلوں جیسے ہیں اور اُن کا سمجھنا دشوار ہے۔

اینجلینا اصل بات کی طرف آتی ہوئی بولی۔ "نائیبا! کیا تم میرے ساتھ ایک معاہدہ اور عہد کرو گی؟"

نائیبا نے غور اور دل چسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تم مجھ سے کیسا اور کس قسم کا عہد چاہتی ہو؟"

نائیبا بغیر کسی توقف کے بولی۔ "اے نائیبا! اگر تمہارے ساتھ شادی کے بعد امیر نور الدین مجھے بھی اپنی رفاقت میں لینا چاہیں تو تم کوئی اعتراض تو نہ کرو گی اور اگر پہلے میری شادی امیر نور الدین کے ساتھ ہو گئی تو میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہیں بھی امیر نور الدین کی زندگی کا ساتھی بنا کر رہوں گی۔ اب بولو، اس معاملے میں تم کیا کہتی ہو؟"

اینجلینا کی اس گفتگو پر نائیبا کی حالت ایسی پُر از اطمینان ہو گئی تھی، جیسے دھواں دھواں شام کا آسمان اچانک زمریر فضاؤں سے بغل گیر ہو کر مطمئن اور آسودہ ہو گیا ہو۔ پھر وہ اک سرخوشی میں بولی۔ "اے اینجلینا! میں تمہارے ساتھ عہد کرتی ہوں کہ اگر میری شادی امیر نور الدین سے ہو گئی تو میں تمہیں بھی ان کا ساتھی بنا دوں گی اور اگر امیر نور الدین نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں سمرقند کے کلیسا میں ایک راہبہ کی حیثیت سے اپنی ساری زندگی گزار دوں گی۔"

اینجلینا کھلے روپ کی کلیوں اور آس کے پھیلے آنچل جیسی پُر مسرت ہو گئی تھی اور آگے بڑھ کر اس نے نائیبا کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کا منہ چوم لیا تھا۔ پھر نائیبا اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور اینجلینا سے کہا: "میں اب جاتی ہوں۔"

اینجلینا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پہلے تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گی پھر جاؤ گی۔ آؤ دونوں بہنیں مل کر کھانا تیار کریں۔"

نائیبا نے جب اس پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو اینجلینا اس کا ہاتھ پکڑ کر خوشی خوشی مطبخ کی طرف لے جا رہی تھی۔



کہ نام جس کا تعلق شاہ تھا ہندوستان کا سلطان ہوا۔ اس کے بعد سکندر شاہ اور بعدہ موجودہ سلطان ناصر الدین محمود ہندوستان کے تخت پر عہدہ افزہ ہوا۔ اس ناصر الدین محمود نے اپنے امراء میں سے خواجہ جہاں کو وزارت کے عہدہ پر مقرر کیا۔ مقرب خاں کو مقرب الملک کا خطاب دے کر سالار اعلیٰ بنایا۔

اس کے علاوہ یہ مقرب خاں وکیل سلطنت اور امیر الامراء بھی مقرر ہوا۔ دولت خان کو دبیر عارضی مملکت مقرر کیا۔ سعادت خان بارکی کے عہدے پر فائز ہوا۔ سارنگ خان کو دیپالپور، خضر خان کو ملتان کا، سا کا عالی خان اور پانی پت کا تاتار خان کو حاکم مقرر کیا۔



امیر تیمور اپنا دربار لگائے ہوئے تھا کہ اس کے حاجب نے اسے اپنے ایک ایسے ناظر کے آنے کی اطلاع دی جو ہندوستان کے حالات پر نظر رکھنے پر مقرر تھا۔ اس حاجب کو تیمور نے حکم دیا کہ ناظر کو فوراً اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ جب وہ ناظر تیمور کے سامنے آیا تو تیمور نے ہندوستان سے آنے والے اس ناظر کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "تم ہندوستان سے متعلق ہمیں کیا بتانے آئے ہو؟"

اس ناظر نے دست بستہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اے آقا! میں آپ کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دینے حاضر ہوا ہوں۔ ہندوستان کے حالات اس وقت نہایت ابتر ہیں۔ حکومت کے لحاظ سے ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ دونوں حصے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہیں اور اس موقع پر اگر ہم ہندوستان پر حملہ آور ہو جائیں تو ہم اس سرزمین کو فتح کرنے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیں گے۔"

تیمور نے گردن جھکا کر کچھ سوچا پھر کہا۔ "پہلے ہندوستان کے حالات مجھے تفصیل سے کہو۔ اس کے بعد میں کوئی فیصلہ کروں گا۔"

اس ناظر نے کہنا شروع کیا۔ "اے آقا! ہندوستان کے صاحبِ علم و بصیرت سلطان غیاث الدین تعلق شاہ کے بعد فیروز شاہ تعلق سلطان بنا۔ اس کے بعد ایک شخص

اے آقا! ایک مہم کے دوران سعادت خان باربک نے ناصر الدین محمود کے دوسرے داروں مبارک خان اور علاؤ الدین کو قتل کر دیا۔ جس پر معاملہ بڑھا اور سعادت خان کے اپنے ہم نواؤں کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور سلطان ناصر محمود کے خلاف بغاوت و سرکشی کر دی اور ایک بار اس سعادت خان نے شاہی افواج کو شکست بھی دی۔ اپنی بغاوت و سرکشی کو فروغ دینے کی خاطر اس سعادت خان نے ایک اور طریقہ اپنایا اور وہ یہ کہ اس نے اپنی عسکری قوت کے بل بوتے پر سلطنت کے کئی حصوں کو اپنے قبضے میں کر لیا اور ان حصوں میں ہندوستان کا مشہور شہر فیروز آباد بھی شامل تھا۔ یہ شہر دریائے جمنہ کے کنارے سلطان فیروز شاہ تعلق نے ۱۵۵۷ء میں آباد کیا تھا۔

اے امیر! اس سعادت خان نے مزید کام یہ کیا کہ اس نے سلطان فیروز شاہ تعلق کے پوتے نصرت خان کو بیوات سے فیروز آباد بلایا اور اسے سلطنت کا جائز وارث قرار دے کر فیروز آباد میں اسے تخت نشین کر دیا۔ پس اے امیر! اس وقت ہندوستان کے دو سلطان ہیں۔ ایک سلطان ناصر الدین محمود اور دوسرا نصرت خان۔ دونوں کے عساکر ہمہ وقت ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی نصرت خان کا لشکر دہلی کے دروازوں پر دستک دیتا ہے اور کبھی ناصر الدین محمود کی سپاہ فیروز آباد کی تفصیل کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ پس اے امیر! ہندوستان کے اندر افراط و تفریط کا یہ دور بہار

بیسے انتہائی مناسب ہے کہ ہم حملہ آور ہو کر ہندوستان پر قبضہ کر لیں۔

ناظر جو کچھ کہنا چاہتا تھا جب وہ کہہ چکا تو تھوڑی دیر کے بیسے تفکرات کے انداز میں تیمور کی گردن جھکی رہی۔ پھر اس کے چہرے پر تمازتِ آفتاب جیسی حدت اور آنکھوں میں شعلہ نشان بجلیاں قفس کرنے لگی تھیں۔ ایسا لگتا تھا اس نے کوئی آخری فیصلہ کر لیا ہو۔

پھر اس نے اپنے سُہری اور روپہلی کام کے جتنے کو میٹھتے ہوئے حاضریں کی طرف دیکھا اور عزم و استقلال سے بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”یہ اس ناظر کی رائے سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک ہفتہ تک یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔“ اس کے ساتھ ہی میں دربارِ برخاست کرتا ہوں۔“ سب لوگ وہاں سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تھے۔

○

شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ قطرہ قطرہ ٹپکتی رات اہتہ آہتہ شبِ نیم میں ڈوبنے لگی تھی۔ سیاہ کاروں کا زور اور موس کاروں کا جوش اُبال کھانے لگا تھا۔ ارادوں کی مقاصد کی خباثتیں اور نیتوں کی خرابیاں، رات کی تاریکی میں کائنات کے عناصر کے ساتھ تانک جھانک کرنے لگی تھیں۔

عشاء کے قریب شہزادہ خلیس سمرقند کے جنوبی حصے میں مگفون نام کی سرائے میں داخل ہوا۔ سرائے کے مالک سودون کی نگاہ جب خلیل پر پڑی تو اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر خلیل کا پُر جوش استقبال کیا۔ اس کے قریب آ کر خلیل نے سرگوشی اور رازداری میں پوچھا۔ ”اے سودون! شاری ملک کہاں ہے؟“ سودون نے مسکراتی آنکھوں اور رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ”اے آقا! شاری ملک اپنے کمرے میں ہے۔“

خلیل نے پھر پوچھا۔ ”کیا وہ کھانا کھا چکی ہے؟“

”نہیں آقا! اس نے ابھی تک کھانا نہیں کھاتا۔“ سودون نے اپنے سر کو خوب

خم کرتے ہوئے کہا تھا۔

خلیل آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”میں شاری ملک کے کمرے میں جا رہا ہوں تم ہم دونوں کا کھانا دیں بھجوا دو۔“ سودون نے ایک بار پھر اپنے سر کو خم کیا اور مطلع کی طرف چلا گیا تھا۔

خلیل جب شاری ملک کے کمرے میں داخل ہوا تو مسہری پر نیم دراز شاری ملک اٹھ کھڑی ہوئی۔ بھاگ کر وہ آگے بڑھی اور خلیل کے دونوں ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے۔ اپنے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے خلیل نے کہا۔ ”شاری ملک! میں تیرے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔“ شاری ملک نے بھی گہری مسکراہٹ میں کہا۔ ”پہلے بیٹھیں پھر بتائیں آپ میرے لیے کیا خوشخبری لے کر آئے ہیں؟“

خلیل شاری ملک کے ساتھ مسہری پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اے میری ہم سفر! میں نے اپنے اور تیرے خفیہ رشتے سے متعلق اپنی ماں خانزادہ سے بات کی ہے۔ میری ماں کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ تمہیں میری بیوی کی حیثیت سے قبول کرتی ہے بلکہ میری ماں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے دادا امیر تیمور کو اس فیصلے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ وہ مجھے اپنا ولی عہد مقرر کرے اور اگر ایسا ہو گیا تو جانتی ہو کیا ہوگا۔ دادا کی وفات کے بعد میں سمرقند اور اس سے منسلک وسیع علاقوں کا سلطان ہوں گا اور تمہاری حیثیت ایک ایسی ملکہ اور سلطانہ کی سی ہوگی جس کی کوئی خواہش جس کا کوئی حکم ٹالنا نہ جاسکے گا۔“

شاری ملک کے ہونٹوں پر اس انکشاف سے گہری دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی جب کہ شہزادہ خلیل اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے شاری ملک! ایک ہفتہ تک میرے دادا امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے یہاں سے کوچ کریں گے۔ میں اپنی ماں سے بات کر چکا ہوں۔ جب لشکر سمرقند سے ہلا جائے تو ہم اس سرائے سے نکل کر حرم میں میری ماں کے پاس چلی جانا وہ تمہاری

اس کی جگہ ابھی تک کوئی نیا حکمران نہیں بنا۔ میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ اب لتھوانیا میں حالات میرے حق میں ہیں اور لتھوانیا کے حکمران طبقے میں شامل ہونے کے لیے اس وقت میرے لیے بہترین مواقع ہیں۔ اے امیر! میں یہاں سے بہت پہلے کا کوچ کر چکا ہوتا ہوں مجھے اپنی بیٹی نائسیا کی وجہ سے یہاں زیادہ عرصہ رکنا پڑا۔

اے امیر! آپ جانتے ہیں کہ میری بیٹی نائسیا امیر نورالدین میں دل چسپی لینے لگی تھی۔ وہ اس وجہ سے کہ نورالدین نے ہم دونوں باپ بیٹی کی جان و ناموس کی حفاظت کی تھی۔ اس موقع پر یوگرین کے پہلو میں بیٹھی ہوئی، بچاری نائسیا کی حالت نہایت اداں و افسردہ اور ملول و غمگین ہو گئی تھی۔ اس بچاری کی گردن جھک گئی تھی اور وہ رو دینے والی تھی۔ جب کہ یوگرین تیمور سے کہہ رہا تھا۔

”اے امیر! میں نے نائسیا کو اس شرط پر امیر نورالدین کے قریب ہونے اور اس میں دل چسپی لینے کی اجازت دے دی تھی کہ از خود نورالدین پر اپنی محبت و چاہت کا اظہار نہ کرے گی بلکہ اس کا اظہار اگر نورالدین کی طرف سے ہوا تو میں تمہیں ضرور امیر نورالدین سے بیاہ کر اکیلا ہی لتھوانیا کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔“

مجھے فخر ہے کہ میری بیٹی نے میری اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے نورالدین پر اپنی محبت کا اظہار کرنے میں پہل نہیں کی لیکن دوسری طرف یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ نورالدین بھی نائسیا میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتا۔ گو دو ایک مواقع پر اس سلسلے میں سیف الدین سے میری گفتگو ہوئی ہے کہ وقت آنے پر میں نورالدین سے نائسیا کو بیاہ دوں گا لیکن میں زبردستی کی شادی کا قائل نہیں ہوں۔ اس لیے اے امیر! میں اپنی بیٹی نائسیا کے ساتھ آج ہی یہاں سے لتھوانیا کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔ میں امیر نورالدین سے بھی مل کر رہا ہوں۔ میں ان کامنوں ہوں کہ انہوں نے کچھ صلح جوان بھی مقرر کر دیئے ہیں جو سرحد تک ہمیں بحفاظت چھوڑ کر آئیں گے۔“

یوگرین کی اس گفتگو پر تیمور نے تھوڑی دیر تک کے لیے اپنی گردن کو جھکائے

حفاظت اور دیکھ بھال کرے گی۔ کیوں کہ میں بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔“ شاری ملک نے اپنے دلفریب انداز میں کہا۔ اے خلیل! میں زندگی بھر آپ کی ممنون رہوں گی کہ آپ نے مجھے نشیب سے اٹھا کر رفعتوں پر بٹھا دیا ہے۔ میں ایک باز نامراد مال و فعال کی حرص اور غرورِ ظلم و ستم تھی۔ آپ نے مجھ پر عنایات کر کے مجھے شعلہ رنگ بہار جیسا دلفریب و دستِ حبیب جیسا خوش گوار اور قرطاسِ وقت پر لکھے عمدہ تقدیر کے الفاظ جیسا پرکشش بنا کر رکھ دیا ہے۔“

خلیل نے کہا۔ ”اے شاری ملک! تمہیں میرا ممنون ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ان ساری خوشیوں کی حقدار ہو اس لیے کہ تم میری بیوی ہو۔“ شاری ملک جواب میں پھر کچھ کہنا چاہتی تھی پر خاموش ہی رہی کیوں کہ سہلے کے ملازم ان کا کھانا لے کرے میں داخل ہوئے تھے۔ پھر وہ دونوں میاں بیوی سرائے کے اس کمرے میں خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔



تیمور اپنے ذاتی کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے محافظ نے اسے یوگرین اور اس کی بیٹی نائسیا کے آنے کی اطلاع کی۔ تیمور نے ان دونوں کو فوراً اندر بلا لیا اور ان دونوں باپ بیٹی کو اس نے عزت و توقیر دیتے ہوئے اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔

تیمور اس موقع پر یوگرین سے کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ یوگرین نے خود ہی بولنے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں آپ سے ملنے حاضر ہوا ہوں کہ میں آج سمرقند سے لتھوانیا کی طرف کوچ کر رہا ہوں۔“

تیمور نے چونک جلنے کے انداز میں پوچھا۔ ”کیا تم یہاں اپنے لیے کوئی دشواری اور اذیت محسوس کرتے ہو جو تم نے یہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔“ یوگرین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے امیر! ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ جانتے ہیں لتھوانیا کا حکمران میرا اور میری بیٹی کا سب سے بڑا دشمن دیوئلہ مرچاکا ہے

رکھا پھر ایک بو جھل، ہمدردانہ اور شفقت آمیز نگاہ اس نے نالیا پر ڈالی۔ اس کے بعد اس نے یوگرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے یوگرین! جس وقت نور الدین پہلی بار میرے سامنے آیا تھا۔ میں نے اس کی شجاعت اور طاقت و قوت سے مرعوب ہو کر اسقف یوحنا کی بیٹی اینجلینا کو اس کے ساتھ بیاہ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نور الدین چونکہ ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند میں داخل ہوا تھا اور اس کا باپ بھی غلام تھا۔ اسی بنا پر اینجلینا نے غلام ابن غلام کہہ کر اسے ٹھکرا دیا تھا۔ میرے خیال میں اینجلینا کے انہی الفاظ نے نور الدین کو انتقامی بنا دیا اور ان ہی الفاظ نے شاید نور الدین کی زندگی کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔

اے یوگرین! جب نالیا سمرقند میں داخل ہوئی تھی اور اس کی نگاہوں میں نور الدین کے لیے میں نے ایک منفرد مقام دیکھا تھا، تو اے یوگرین! میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں نالیا کو ضرور نور الدین سے بیاہ دوں گا۔ اسی بنا پر میں نے اینجلینا کی نسبت خلیل سے طے کر دی تھی۔ کیوں کہ میرے ذہن میں نور الدین کے اب نالیا ہی تھی۔ پر اے یوگرین! بُرا ہو حالات کا کہ خلیل کی بدتمیزیوں کے باعث اینجلینا نے اس سے اپنی نسبت منقطع کر لی اور اینجلینا بھی نور الدین کی طرف مائل ہو گئی۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں نالیا اور اینجلینا دونوں ہی کو نور الدین سے بیاہ دوں گا۔ پر اے یوگرین! جب میں نے اس سلسلے میں نور الدین سے گفتگو کی تو جانتے ہو نور الدین کے جواب پر مجھ پر کیا انکشاف ہوا؟

یوگرین نے تکلیف دہ احساس میں کہا۔ ”اے امیر! سیف الدین کو بھی ان حالات کی خبر ہے اور وہ مجھے تفصیل سے بتا چکا ہے۔ اے امیر! میں جانتا ہوں، کہ نور الدین اینجلینا اور نالیا دونوں میں سے کسی کو بھی پسند نہیں کرتا اور یہ کہ اس نے کسی اور ہی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے جسے وہ ایک خاص وقت تک راز میں ہی رکھنا چاہتا ہے اور وہ اس لڑکی کا نام، اس کا پتر اور اس کے باپ تک کا نام نہیں بتاتا۔ اے امیر! وہ گنہگار لڑکی جس کا انتخاب نور الدین نے کیا ہے۔ میں نہیں

جانتا کہ وہ کون اور کیسی ہے۔ بہر حال وہ خوش بخت ہے کہ نور الدین نے اس کا انتخاب کر لیا ہے۔

کاش میں یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے اس لڑکی کو دیکھ سکتا جو اینجلینا اور نالیا پر فوقیت لے گئی ہے۔ کاش میں اس لڑکی سے مل سکتا اور اس سے اس کی خوش بختی پر گفتگو کر سکتا۔

اے امیر! میرا دل کہتا ہے کہ وہ لڑکی کوئی عام سی لڑکی نہ ہوگی جسے نور الدین جیسے عظیم انسان اور بے مثل مجاہد نے اینجلینا اور نالیا پر ترجیح دے دی ہے۔ اس سلسلے میں میری اور نالیا کی گفتگو اینجلینا اور اس کے ماں باپ سے بھی ہوئی۔ اینجلینا کو اب بھی یقین نہیں ہے کہ نور الدین کسی اور لڑکی کی طرف دل چسپی رکھتا ہے۔ وہ اب بھی اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ نور الدین نے سب کو تجسس میں ڈالنے کے لیے کسی گنہگار لڑکی کا تاثر دے رکھا ہے۔ اور وقت آنے پر یقیناً نور الدین یہ کہہ دے گا کہ وہ گنہگار لڑکی اینجلینا ہی ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ پر مجھے یقین ہے کہ ایسا ہرگز نہیں۔ نور الدین کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکا ہے اور اب وہ لڑکی اس کی زلیت کا محور اور اس کی خوشیوں کا مرکز ہے۔

یوگرین کی اس گفتگو پر امیر تیمور کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھر گئی تھی پھر اس نے تیز نگاہوں سے یوگرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے یوگرین! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اینجلینا بھولی اور سیدھی سادی لڑکی ہے جو ایسا خیال کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے شروع میں تو نور الدین کو غلام ابن غلام سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ نور الدین اپنی ذہانت اور خدا داد شجاعت و قوت کی بنا پر ترقی و عزت کے سارے مدارج طے کر گیا ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوئی اور جب خلیل کی بدتمیزیوں کے باعث اس کی نسبت خلیل سے ٹوٹ گئی تو وہ کھل کر نور الدین میں دلچسپی لینے لگی۔ اے یوگرین! اب اگر اینجلینا یہ خیال کرتی ہے کہ وہ نور الدین کو اب بھی اپنی طرف مائل کر سکتی ہے تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول ہے۔ نور الدین ان جوانوں

تیمور نے یوگرین سے پُر جوش مصافحہ کیا۔ نالسیا کے سر پر شفقت آمیز ہاتھ رکھا۔ پھر یوگرین اور نالسیا تنہوا نیا کی طرف کوچ کرنے کے لیے امیر تیمور کے کمرے سے نکل گئے تھے۔



میں سے نہیں جو بدی کے بھورے ساحلوں اور گناہوں کی بے پناہ لذت میں کھو جاتے ہیں۔ نورالدین ایسا جوان نہیں کہ کسی کا عکس بدن اور آئینہ جبین اسے اپنے ارادے بدلنے پر مجبور کر دے۔

وہ ایک ایسا جوان ہے جس پر چاند جیسے پھلکتے جام، تیز تیز آہنگ نشاطِ حُسن کی قیامت خیزیاں، فسوں کا رراتوں کا جنون اور دھکتے لبوں کی آندو مندیاں اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

اے یوگرین! نورالدین کو مجھ سے بہتر کون جانتا ہے۔ وہ ان جوانوں میں سے ہے جو آندھیوں اور زلزلوں کو یک جہتی و تنظیم میں اور دوسروں کی طاقتِ جبروت کو اپنے دل کی عدالت پر پرکھ کر پراگندگی و انتشار بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ میں ہر روز یہ خواہش کرتا ہوں کہ کاش میرے بیٹوں اور میرے پوتوں میں سے بھی کوئی نورالدین جیسا طوفانوں سے زیادہ شدید، ریت کے گلولوں سے زیادہ ہولناک، تقدیر کی کوحوں کو خوفناک آندھیوں کی قوت اور وحشت طاری کر دینے والے جنگی نعروں کو دھنکی ہوئی آواز میں بدل دینے والا ہوتا۔

کاش کوئی میری صلب سے بھی نورالدین جیسا جنگلوں میں عناصر کا نالہ و ماتم، مخفی قوتوں کا طوفان، ہستی و عدم کو وحشی جلاوکی رسیوں میں جکڑنے والا، دشمن کے اعتماد کو پارہ پارہ کرنے والا اور کسی ماہر شکاری بلکہ ہولناک سمجھتنوں کی طرح کھمبول کی پُر ہول رات بن کر میرے مخالفوں کو لپیٹ لینے والا ہوتا۔

اے یوگرین! ہر لشکری، ہر سالار نورالدین کی اسی پنا پر قدر دانی کرتا ہے کہ وہ میرے دشمنوں کے لیے مرگ کا اثر دہا اور منحوس جبرٹے کھولے موت ثابت ہوتا ہے۔

اتنا کہہ کر تیمور خاموش ہو گیا اور اس کی گردن جھک گئی۔ یوگرین اور نالسیا اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر یوگرین نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
اے امیر! میں اب رخصت ہوتا ہوں۔

کی طرف بڑھا۔ اس کے لشکر کی گھوڑوں کی سموں سے برہم تازیانوں کی طرح زمین کا سینہ ادھیڑتے چلے جا رہے تھے۔

یوں اپنے لشکر کے ساتھ امیر تیمور وقت کے بدترین سیلاب کی طرح آنہوں کی لذت سے بھر پود آغوشِ اجل پھیلاتے، مرگ و حیات اور کرب مسلسل جیسے کھیل کو اپنے سینوں پر سجانے، تقدیر کے عذاب، حدتِ شوریدہ، گھنی دھند اور لہو کی جواہر کی طرح یلغار کرتا ہوا دریائے سندھ کے کنارے چول جہالی کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

دریائے سندھ کے کنارے ان سارے علاقوں کا حکمران ایک شخص شہاب الدین نام کا تھا۔ جس کا مرکزی شہر مولیاں تھا۔ امیر تیمور نے شہاب الدین کو اپنے پاس طلب کیا اور جواب میں شہاب الدین نے اس کے پاس آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تیمور نے اپنے پوتے پیر محمد کو شہاب الدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ پیر محمد اور شہاب الدین دونوں کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئے لیکن جنگ شروع ہونے سے قبل دونوں ہی گفتگو کے ذریعے صلح ہو گئی اور اس طرح بظاہر یہی دکھائی دینے لگا تھا کہ جنگ کا خطرہ اب ٹل گیا ہے لیکن جونہی پیر محمد صلح کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ واپس جانے کے لیے پلٹا شہاب الدین نے دھوکا دہی سے کام لیا اور آندھیوں میں سگتے انگاروں اور مٹہ زو آندھی کی طرح اس نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔

پیر محمد کو پشت کی طرف سے ایسے اچانک حملے کی قطعاً اُمید نہ تھی اور نہ ہی اس نے اس سلسلے میں کوئی احتیاط برتی تھی۔ اس لیے شہاب الدین جب کالی رات کے برہم سمندر، خوفناکیوں سے بھرے مجرم دل اور سفاکیوں کے بھنور کی طرح پیر محمد کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو پیر محمد کو اپنا دفاع تک مشکل دکھائی دینے لگا اور شہاب الدین اس کے لشکر کی صفوں کی صفوں کو موت کی تاریکی، ہنسی شراروں اور نصیبی کے سایوں

۱۔ یہ جگہ جلال الدین منگ برنی کے نام پر چول جہالی مشہور ہوئی تھی اور ایک وادی کی صورت میں یہ کوہستانوں میں گھری ہوئی تھی۔



ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے امیر تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ جانے لمحوں کی انگڑائیوں اور سحر کے سیل کی طرح سمرقند سے کوچ کیا۔ اس بار تیمور نے اپنے لشکر میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔

مقدمۃ الجیش کا سالار شہزادہ پیر محمد کو بنایا گیا۔ قلب کے دو حصے کیے گئے ایک حصہ تیمور نے اپنے پاس اور دوسرا اپنے بیٹے شاہ رخ کی کمانداری میں رکھا۔ میمنہ کا کماندار نور الدین تھا اور میسرہ شہزادہ محمد سلطان کے پاس تھا۔

قلب کی طرح عقب لشکر کے بھی دو حصے کیے گئے تھے اور ان دو حصوں میں سے ایک کا کماندار آق بوغا اور دوسرے کا کماندار شہزادہ خلیل تھا۔ اس کے علاوہ اس لشکر میں سمرقند کے علماء و قاضی اور پادری و بشارت بھی شامل تھے۔ چونکہ یہ حملہ ہندوستان جیسی دور دراز سرزمین پر ہو رہا تھا لہذا اکثر سالاروں اور لشکریوں نے اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔

استغف یوحنا بھی اس لشکر میں شامل تھا اور اس کی بیٹی انجیلینا اور بیوی بالہتس بھی لشکر میں اس کے ساتھ شامل تھیں۔

بہر حال امیر تیمور اندھی بنجر زمینوں، سنان ٹیلوں، اُجڑا دیوانوں، خاموش کوہستانوں، جاڑے کی موت جیسی ٹھنڈی اور افسردہ پیلاہٹوں سے گزرتا ہوا ہندوستان

کی طرح اُدھیر کر رکھ دیا تھا۔

پیر محمد اس نازک موقع پر اپنی صفوں کو درست کر کے اپنا دفاع اور پھر جارحیت کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہا۔ اسی لیے شہاب الدین نے پیر محمد کے لشکر کو ناقابلِ تلافی حد تک نقصان پہنچایا۔ اسی لیے پیر محمد نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا۔ اس پر شہاب الدین کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ اس نے شوق سے لبریز موت کی بھیاناک منہی اور مرگ کی کھلی آغوش بن کر پیر محمد کا تعاقب کیا اور تاتاری لشکر کی حالت اس نے رنج و غم کے کھلیان جیسی کر دی تھی۔

پیر محمد کی اس ہزیمت و شکست اور پسپائی و فرار سے تیمور سخت برہم اور سخی پا ہوا اور اس نے شہاب الدین کو اس کی سخت ترین سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جب پیر محمد کا لشکر تیمور کے پاس واپس آ گیا۔ تب تیمور نے نور الدین کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ اس دوران سیف الدین، اسقف یوحنا، شاہرخ، محمد سلطان، آق بوغا، شہزادہ خلیل اور لشکر میں شامل دیگر علماء و فضلا اور پادری بھی تیمور کے خیمے میں حاضر ہوئے اور تیمور سے پیر محمد کی شکست و ہزیمت پر افسوس و ہمدردی کرنے لگے تھے اسی وقت نور الدین بھی تیمور کے خیمے میں داخل ہوا اور تیمور سے مصافحہ کرنے کے بعد اس نے وہاں بیٹھے سب لوگوں سے بھی ہاتھ ملایا۔ پھر تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور نور الدین نے پہلے پیر محمد کی پسپائی پر افسوس کا اظہار کیا پھر اس نے پوچھا: اے آقا! آپ نے مجھے کس لیے طلب کیا ہے؟

تیمور موجودوں کے شور اور بجلی کی کڑک جیسی غصیلی آواز میں بولا: اے نور الدین! شہاب الدین نے عیاری اور دھوکا دہی سے کام لے کر پیر محمد کو شکست دی ہے اور میں شہاب الدین کو اس کی اس عیاری اور دھوکا دہی کی سخت ترین سزا دینا چاہتا ہوں اور شہاب الدین کو سزا دینے کے لیے اس کے خلاف درد کے الفاظ اور زحموں کے حرف جیسا انتقام لینے کے لیے اے نور الدین! میں نے تیرا انتخاب کیا ہے۔

مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ بھی تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے کہ شہاب الدین (باقی صفحہ ۱۹۷ پر)

اے نور الدین! عداوت و شرانگیزی، ازل کے اسرارِ ابد کے ملز اور گرسنہ نگاہوں کے زہر کی طرح نمودار ہو کر شہاب الدین کے خلاف حرکت میں آؤ۔ پھر سے سمندر، کھر کے دیز پر دوں اور سحرائے بے اماں کی تیرگی کی طرح اس پر چھا جاؤ۔

اے نور الدین! شہاب الدین کے عشقوں کو اس کی سختوں میں، اس کے مقبول کے چراغوں کو تارکیوں کے زم زموں میں اور اس کی لوحِ ذہن کے سارے نقوش کو اس کے عصیان میں ڈبو کر رکھ دو۔ شہاب الدین کو سر سے بے کر پاؤں تک آگ ہی لگ میں ڈال دو اور اسے اس کی ہی ذات اور رحم نداشتنا تنہائیوں کا اسیر بنا کر رکھ دو۔ اے نور الدین! اپنے مہینہ کے ساتھ حرکت میں آؤ۔ اس جنگ

اس جنگ میں شہزادہ خلیل اور آق بوغا بھی اپنے عقب کو لے کر تمہارے ساتھ ہوں گے اور وہ دونوں تمہارے ساتھ تمہارے نائب کی حیثیت میں کام کریں گے۔ اب تم کہو کب تک تم شہاب الدین کے خلاف یہاں سے کوچ کر سکتے ہو؟

نور الدین نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہا: اے آقا! میں آج ہی مہینہ و عقب کے ساتھ شہاب الدین کے خلاف حرکت میں آ سکتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ ہمارے حملے سے یقیناً شہاب الدین ایسا محسوس کرے گا گویا وہ قدرت کے احتساب اور اپنے ضمیر کے بیچ و تاب کا شکار ہو کر رہ گیا ہو۔

تیمور جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اسقف یوحنا بول پڑا اور اس نے تیمور کو مخاطب کر کے پوچھا: اے آقا! امیر نور الدین کی کمانداری میں جو لشکر شہاب الدین کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگا۔ کیا اس لشکر کے سپاہی اور سالار خواہنے اہل خانہ کے ساتھ ہیں وہ اس جنگ میں اپنے اہل خانہ کو بھی ساتھ لے جا سکیں گے؟ تیمور نے فیصلہ کن انداز میں کہا: ہاں، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) نے پیر محمد کے ساتھ دغا اور دھوکا کیا اور اس کی سرکوبی کے لیے تیمور نے

نور الدین کا انتخاب کیا۔

ہرگز اڈ میں لشکری اپنے اہل خانہ کو ساتھ رکھیں گے۔ پر اسے اسقف یوحنا! تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو۔ تم تو میرے قلب لشکر میں شامل ہو اور تمہاری بیوی ماتھس اور تمہاری بیٹی انجیلینا بھی تمہارے ساتھ ہیں۔

اس پر یوحنا نے غور سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے آقا! اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی بیوی ماتھس اور بیٹی انجیلینا کے ساتھ امیر نور الدین کے لشکر میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میری یہ بھی خواہش ہے کہ جب تک ہم ہندوستان کے اندر برسر پیکار ہیں۔ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ امیر نور الدین کے مہم میں شامل رہوں۔

یوحنا کے خاموش ہوتے پر تیمور نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا پھر اسقف یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بولا۔ اے یوحنا! اگر نور الدین اس پر رضامند ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تم مہم میں اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہو اور مہم کا سردار نور الدین ہے۔ لہذا اس سلسلے میں نور الدین کی رضامندی ضروری ہے۔

اس پر اسقف یوحنا منہ سے تو کچھ نہ بولا تاہم وہ ایسے انداز میں نور الدین کی طرف دیکھنے لگا تھا جس میں حلاوت اندوزی، راحت قرب اورندی میں بہتے تنکے کی سی عاجزی اور انکساری کے پس منظر میں التجاؤں و تمناؤں سے بھرپور ایک جواب طلبی بھی تھی۔

نور الدین بھی اسقف یوحنا کی اس ظاہری و باطنی کیفیت کو جانپ گیا تھا۔ لہذا اس نے روح کے سردار اور دلوں کو مرہم و حوصلہ عطا کرنے کے انداز میں کہا۔

اے معزز یوحنا! اگر آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ قلب سے نکل کر میرے مہم میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیمور سے اس نے اجازت طلب انداز میں کہا۔ اے آقا! میں اب جانا ہوں کہ اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کی تیاریاں مکمل کر سکوں۔

تیمور بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور نور الدین کے ساتھ اس نے مصافحہ کرتے

ہوئے کہا۔ اے نور الدین! اب تم جا کر اپنی تیاری کرو اور ہاں میں تمہیں بتا دوں کچھ ناظر جو شہاب الدین پر نگاہ رکھنے پر مقرر ہیں وہ تمہارے آنے سے تھوڑی دیر قبل یہ خبر دے چکے ہیں کہ پیر محمد کو پناہ کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے مرکزی شہر مولیان کی طرف چلا گیا اور وہاں اس نے زور شور سے ہمارے خلاف اپنی جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور اے نور الدین! یہ ناظر تمہارے مہم میں شامل ہو کر شہاب الدین کے مرکزی شہر تک نہ صرف تمہاری راہنمائی کریں گے بلکہ وہاں تمہارے لیے کام بھی کریں گے۔

تیمور ذرا کچھ اس نے رازداری کے انداز میں کہا۔ اے نور الدین! میں یوحنا، انجیلینا اور ماتھس کے معاملے میں تم سے بہتر سلوک اور توقعات کی امید رکھتا ہوں۔ انجیلینا کے ماضی کے رویے کی وجہ سے ان کے ساتھ انتقامی یا انتیازی سلوک دکانہ رکھنا۔ اپنے خیمے کے ساتھ ان کے لیے عمدہ خیمے کا انتظام و انصرام کرنا۔ ان کی ہر مانگ ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ اور اے نور الدین! ان کے ساتھ تمہارا نرم اور خوش کن رویہ میری خوشی اور میرے اطمینان کا باعث ہوگا۔

اے نور الدین! میری سب سے بڑی خواہش آج کل یہی ہے کہ میں تمہاری شادی کر کے تمہارا گھر آباد کر دوں۔ اگرچہ تم نے کسی گناہ لڑکی کا مجھ سے ذکر کر کے مجھے انجیلینا اور نائسیا کے معاملے میں ٹٹانے کی کوشش کی تھی تو میں سمجھتا ہوں اب اس سلسلے کو تم طول دے دو گے۔ اے نور الدین! اگر اس گناہ لڑکی کا کوئی وجود ہے تو میں انجیلینا کے معاملے میں فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔

اور اگر اس گناہ لڑکی کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جس سے متعلق تمہارا کہنا ہے کہ تم اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکے ہو تو پھر اے نور الدین! مجھے دھند اور اندھیرے میں رکھ کر اپنے اور انجیلینا کے درمیان فرقوں کا سیاہ اندھیرا تشنگی کا اہلقتا سمندر، ظلمت کی لحد کا سکوت اور دہکتے انگاروں کی تپس حائل نہ ہونے دینا تم جانتے ہو نائسیا پہلے ہی تم سے مایوس ہو کر سمرقند سے لٹھوایا جا چکی ہے۔ اب تمہارے معاملے میں میرے سامنے صرف انجیلینا ہی ہے جسے میں تمہارے قابل سمجھتا ہوں

اس لیے کہ ماضی میں وہ جس قدر تم سے نالاں اور بیزار رہی ہے، اپنے حال میں وہ تمہارے ساتھ اس سے کہیں زیادہ چاہت و محبت کرنے والی ہے۔

اے نور الدین! میرے عزیز! میرے بیٹے! اگر اس گناہ لڑکی کا کوئی وجود نہیں ہے تو پھر میں تم سے خواہش کروں گا کہ اینجلینا کے ساتھ اسے اپنا ساتھی بنانے اور اسے اپنانے کا رویہ اختیار کرنا۔

تیمور ذرا رکا پھر نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا اے نور الدین! جہاں خلیل نے ہمیں مایوس کیا ہے۔ وہاں تیری صودت میں اہم اپنی امیدوں کے ثمرات، اپنی خواہشوں کو بار آور، اپنے تخیل کی دلاویزی اور اپنے سر و خوابوں کی حسب خواہش تعبیر دیکھنا چاہتے ہیں۔

جواب میں نور الدین نے کچھ بھی نہ کہا۔ چند لمحوں کے لیے اس کا چہرہ فکرات سے بھرپور ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی پھر وہ اپنے پیچھے ماحول پر ایک لطیف غنودگی اور جاں گسل تنہائی چھوڑتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے اسقف یوحنا بھی اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔



شہاب الدین کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور نے اس کی مگر کوئی کے لیے اور اس سے پر محمد کی پسپائی کا انتقام لینے کے لیے اپنے بہترین جرنیل نور الدین کو اس کے لیے مقرر کر دیا ہے تو شہاب الدین کچھ فکر مند تو ہوا لیکن اس نے اس معاملے کو کوئی چنداں اہمیت نہ دی۔ اس لیے کہ اوّل تو اس کی اپنی عسکری حیثیت بڑی مضبوط و مستحکم تھی اور دوسم یہ کہ اسے اپنے مرکزی شہر مولیان کی فصیلوں اور قلعے کی مضبوطی اور استحکام پر بڑا ناز تھا۔ لہذا وہ پُر سکون سا ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر مولیان میں محصور ہو گیا اور مزید اطمینان و پیش بندی کے طور پر اس نے اپنے مرکزی شہر مولیان کے اطراف میں ایک گہری اور ناقابلِ قبول خندق کھدوائی اور اس خندق کے اندر اس نے دریا کے سندھ کا پانی بھر دیا۔ اس طرح اپنے دفاع اور اپنی جارحیت کے سارے انتظامات

مکمل کرنے کے بعد شہاب الدین اپنے مرکزی شہر میں نور الدین کا انتظار کرنے لگا تھا۔

نور الدین جب اپنے لشکر کے ساتھ مولیان پہنچا تو پہلے اس نے شہر کا بغور جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا شہر دریائے سندھ کے کنارے تھا۔ اس طرح اس کی ایک سمت دریائے سندھ کے گہرے اور طوفانی پانی نے محفوظ کر رکھی تھی جب کہ شہر کے باقی تین اطراف خوب گہری اور ناقابلِ عبور خندق تھی جو پانی سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ نور الدین نے یہ بھی دیکھا کہ دریائے سندھ چونکہ شہر کے مغربی حصے سے ٹکرا کر گزرتا تھا۔ لہذا شہر کی فصیل کے مغربی حصے کو بڑے پتھروں کو استعمال کر کے خوب مضبوط بنا دیا گیا تھا تاکہ دریائے سندھ کو نقصان نہ پہنچا سکے اور ساتھ ہی نور الدین نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ یہ فصیل کافی چوڑی ہے اور اس میں نقب لگا کر یا سوراخ کر کے شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں ہے۔

مولیان شہر اور اس کے اطراف کا خوب ابھی طرح جائزہ لینے کے بعد نور الدین نے آتی بوغا اور شہزادہ خلیل کے لشکر کو شہر کے مشرق میں لدر اپنے مینہ کو اس نے شہر کے شمال میں خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ لشکر کے پیچھے شہر سے اس قدر فاصلے پر نصب کرائے جا رہے تھے کہ شہر کی فصیل سے اگر دشمن تیر اندازی کرے تو اس کے تیر خیموں تک نہ پہنچ سکیں۔

دوسری طرف شہاب الدین بھی

اپنے سالاروں کے ساتھ فصیل کے ایک برج میں کھڑا ہو کر نور الدین کے لشکر کو خیمہ زن ہوتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس انکشاف پر بھی مطمئن تھا کہ نور الدین کی سرکردگی میں جو لشکر کی سرکردگی کے لیے آیا تھا اس کی تعداد اس کے اپنے اس لشکر سے کم تھی۔ جو اس کے پاس اس کے مرکزی شہر میں تھا۔

فصیل کے ایک برج کے اندر کھڑے شہاب الدین نے یہ بھی دیکھا کہ نور الدین کے حکم پر کچھ جوان شہر کے شرقی اور شمالی دروازوں کے دائیں جانب بڑے بڑے گڑھے

کھود کر ان کے سامنے دمے بندے لگے تھے۔ شہاب الدین کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی کہ نور الدین ان گہرے گڑھوں اور دمدموں سے کیا کام لے گا۔ تاہم اس نے اس کام کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور اب وہ نصب ہوتے خیموں سے لگا ہوا ہٹا کر ان جوانوں کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا جو اپنے خیموں کے عقب میں اپنے لشکر کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

نور الدین ایک جگہ کھڑا اپنے لشکر کے نصب ہوتے خیموں کا جائزہ لے رہا تھا اور کبھی کبھی وہ نگاہ اٹھا کر شہر پناہ کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ اتنے میں اسقف پناہ شہزادہ خلیل اور آق بوغاتیز تیز چلتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ قریب آکر ان تینوں نے نور الدین سے مصافحہ کیا۔ پھر شہزادہ خلیل نے پوچھا۔ ”اے امیر! کیا آپ ہمیں یہ نہ بتائیں گے کہ شہر کے شرقی اور شمالی اطراف دروازہ کے اطراف میں جو گڑھے کھود کر دیئے بنائے جا رہے ہیں۔ اس جنگ میں ان کی کیا افادیت ہوگی؟“

اس سوال پر نور الدین کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”اے میرے عزیزو! تم لوگ ان گڑھوں اور دمدموں کی افادیت اس وقت محسوس کرو گے جب کبھی دشمن نے شہر سے نکل کر ہم پر شب خون مارنے کی کوشش کی۔“

اس بار پوچھنے چوٹک کر پوچھا۔ ”تو کیا دشمن ہم پر شب خون بھی مار سکتا ہے؟“ نور الدین نے پھر کہا۔ ”دشمن کی طرف سے ایسے کسی بھی امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہماری قوت کو توڑنے اور ہمارے لشکر میں انتشار و بددلی پھیلانے کی خاطر ضرور ہم پر شبخون مار سکتا ہے۔ یہ جو شہر کے شرقی اور شمالی دروازوں کے پاس دمدمے کھودے جا رہے ہیں۔ رات کے وقت ان دمدموں کی اوٹ میں لشکر کا ایک حصہ بٹھا دیا جائے گا اور یہ لشکر جاگ کر دشمن پر نگاہ رکھیں گے۔ جب کہ باقی لشکر اس سرما کی تیز اور جان لیوا سردی میں اپنے خیموں کے اندر آرام کر سکے گا۔“

اگر دشمن ہم پر شب خون مارتا ہے تو دمدموں کے نیچے بیٹے ہمارے ہوں

شب خون مارنے والوں پر نہ صرف تیز اور جان لیوا تیر اندازی کر کے انہیں رگ جانے پر مجبور کر دیں گے بلکہ زور زور سے اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کر کے وہ اپنے لشکر کو بھی اس شغف سے مطلع کر دیں گے بلکہ ان کی اس پیشگی اطلاع پر ہمارا لشکر تیار ہو جائے گا اور ہم بڑی آسانی کے ساتھ دشمن کے شب خون کو ناکام بناتے ہوئے اس پر جوابی حملہ کر سکیں گے۔ نور الدین کے خاموش ہونے پر آق بوغانے نور الدین کی طرف تو صیغی انداز میں کہا۔ ”اے امیر! قسم خداوند کی۔ جہاں آپ جیسا مخلص اور فہیم انسان کسی لشکر کا سالار اعلیٰ ہو وہاں شکاریوں کی رگ رگ میں آتش بے نفس کے جذبات چلنے لگتے ہیں اور ایک سپاہی کے خون کا شوریدہ رقص اسے موت جیسے مہیا تک دشمن سے بے پرواہ کر کے رکھ دیتا ہے۔“

نور الدین نے آق بوغان کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا اور اس نے بات کا رخ ہلکے ہوئے شہزادہ خلیل اور آق بوغان دونوں ہی کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اب تم دونوں اپنے لشکر میں جاؤ اور وہاں اپنے لشکریوں کے کھانے کا انتظام کرو۔“ خلیل اور آق بوغان دونوں کچھ کہے بغیر وہاں سے چلے گئے تھے۔ اب خیمے نصب ہو چکے تھے۔ لہذا اسقف اور اپنے خیمے میں اور نور الدین اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔



نور الدین جب اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ تو اس نے دیکھا۔ خیمے کے دروازے کے ایک طرف اس کا بتر لگا دیا گیا تھا۔ جب کہ خیمے کے وسط میں ایک چھوٹے سے لٹھے کی صورت میں آتش دان بنا دیا گیا تھا۔ اس آتش دان میں آگ روشن تھی اور قریب لاکھ لاکھ لٹکیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ آتش دان کے قریب ہی ایک خاصی بڑی چٹائی لیٹا ہوا تھا۔ نور الدین آگے بڑھ کر اس چٹائی پر بیٹھ گیا اور آتش دان میں لٹنے لگا اور لٹکیاں ڈال دی تھیں۔ پھر اس کی گردن جھک گئی اور وہ انجانی ہو چلا اور کھو گیا تھا۔ باہر جشتوں کا رقص کرتی ہوئی سرما کی تیز ہوائیں گونجتی تھیں۔ اب شاہوں جیسا شور مچ رہا تھا اور دیر سے سڑھ کی سرکش لہریں تھپ رہی تھیں۔

سے ٹکرا کر ایسا سماں پیدا کر رہی تھیں جیسے دُکھ کے پاتال کے منہ کھل گئے ہوں۔
آتش دان کے پاس بیٹھا نور الدین اپنی انجانی سوچوں میں کھویا ہوا تھا کہ اسے
اپنے خیمے کے دروازے پر سرسراہٹ اور ہلکی اور لطیف آہٹ محسوس ہوئی۔
اس نے جب چونک کر دیکھا تو حسین انجیلینا خیمے میں داخل ہو رہی تھی۔ کائنات کے
اندر ڈوبتے سورج کی پھیلتی سرخی کے اندر اس سے انجیلینا کے رنگین رخسار دیک
اُٹھے تھے۔ اس کی محمود چشم سے خوار میں احساسات کے رنگ اور زندگی کے حسین رنگ
قص کنناں تھے اور اس کے جسم میں آتش حرارتوں اور چہرے پر رنگ و جوانی کے
آن گنت سراب تانک جھانک کرنے لگے تھے۔

اس وقت انجیلینا اپنے ہاتھوں میں کھانے کا ایک بڑا طشت اٹھائے ہوئے
تھی۔ قریب آکر کھانے کا وہ طشت انجیلینا نے جب نور الدین کے سامنے رکھ دیا تو
نور الدین نے حیرت و پریشانی کے عالم میں انجیلینا کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے
استغما میہ انداز میں پوچھا۔ "اے خانم! یہ سب کما سے۔ یہ کھانا کیسا اور کن
لوگوں کے لیے ہے؟"

انجیلینا نے کھلے روپ کی کلیوں جیسی مسکراہٹ میں کہا۔ "اے امیر! پہلے میں
یہ احتجاج کرتی ہوں کہ میرا نام خانم نہیں انجیلینا ہے اور آپ میرے اس نام سے خوب
واقف ہیں۔ لہذا آپ مجھے خانم کے بجائے انجیلینا کہہ کر بھی پکار سکتے ہیں اور آپ
کے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کھانا آپ ہی کے لیے ہے۔"

نور الدین نے عزم سے بھرپور آواز میں کہا۔ "اے خانم! تو میری فطرت
کو نہیں بدل سکتی۔ میری فطرت اور میرا نفس دیرا شعور اس بات کا
متقاضی ہے کہ میں تمہیں انجیلینا کہنے بجائے خانم کہہ کر پکاروں۔ چونکہ تم میرے لیے
ایک غیر اور نامحرم لڑکی ہو لہذا میں تمہیں نام سے نہیں خانم کہہ کر ہی پکار سکتا ہوں۔ لہذا
اے خانم! اپنے نفس کی پکار اور اپنے ضمیر کے اطمینان کے مطابق میں تمہیں خانم کہہ کر
ہی پکاروں گا۔"

سوغا خنم! تم میرے لیے اجنبی اور نا آشنا ہو۔ سو میں تمہارا لایا ہوا کھانا کیوں کر
کھا سکتا ہوں۔ لہذا تم یہ کھانے کا طشت اٹھا کر واپس لے جاؤ۔ میں اپنے رب
کے علاوہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہ کھانا اٹھا کر لے جاؤ۔ میرے شکری میرے لیے خود ہی
کھانا پہنچا دیں گے۔"

انجیلینا کے دھیرے دھیرے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! جب یہ کھانا ہے
ہی آپ کے لیے تو اسے میں واپس لے کر کیوں جاؤں۔ آج یہ کھانا تو آپ کو کھانا ہی
ہوگا۔ انجیلینا کی مسکراہٹوں اور دھیرے دھیرے اس کے گاتے تن من سے نور الدین کو
یوں لگا جیسے وہ فتن کی بے خواب وادیوں جیسی حسین اور پرکشش لڑکی اسے اعصاب کی
مہم کھنک، سردی لمحات، نیرنگ احساسات، سحر سوز ساز، مست انگڑائی کے
اول، زمزمہ انگیزی اور اپنے حسن کے طلسم و نشین میں مبتلا کر دینا چاہتی ہو۔
نور الدین یوں محسوس کر رہا تھا گویا انجیلینا نے اس کے عزم کے ساغروں کو پاش پاش
اور اس کی بے تعلقی کی دیواروں کو شکستہ کر دینے کا مہم ارادہ کر لیا ہو۔

انجیلینا ایک طرح سے آتش دان کے قریب اور نور الدین کے سامنے چٹائی
پر دھرنادے کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آپ بھلے مجھے خانم و خاتون کے اجنبی اور نا آشنا
اموں سے پکارتے رہیں۔ پر میں آج سے آپ کو آپ کا نام لے کر مخاطب کیا کروں
گی۔ میں جانتی ہوں آپ مجھے ان الفاظ کی سزا دے رہے ہیں جو مرتد میں آپ کے
امور کے پہلے روز آپ کو غلام ابن غلام کہہ دیا تھا۔ گو میں ان الفاظ کی کئی بار آپ
سے معافی بھی مانگ چکی ہوں۔ پھر بھی آپ میرے ساتھ غیرت اور اجنبیت ہی برت
رہے ہیں۔ تاہم میں نے بھی عہد کر لیا ہے کہ میں آپ کے دل سے اپنے ان الفاظ کا
اثار نکال کر رہوں گی اور آپ سے میں معافی حاصل کر کے رہوں گی۔ اب جب کہ
میرے اور آپ کے سوا آپ کے اس خیمے میں کوئی اور نہیں ہے تو میں آج آپ سے
مل کر کہہ دینا چاہتی ہوں کہ میرے سینے کی غلبش میں 'میری جبین کی تازگی اور میری رُوح
اور صفت آپ ہی کا نام معلق ہے۔"

اینجیلینا ذرا رُک کی پھر وہ سنجیدگی، غم کی طغیانی اور سرد آہوں کے بخار جیسی کیفیت میں کہہ رہی تھی: "اے امیر! اس دُنیا کے اندر اگر میں کبھی کو عزیز اور اپنی زلیست کا عود و مرکز خیال کرتی ہوں تو وہ آپ ہیں۔ آپ میرے حسنِ قبح کا آئینہ۔ میرے ساگر ہستی کا دھارا۔ میری رُوح کے ترجمان اور میرے قلب کی معصوم دھڑکن ہیں۔ گوثر مرغ میں آپ کے سلسلے میں مجھ سے کچھ بہا احتیاطی ہوئی لیکن ایک امیر! اس وقت میں آپ کو تو سمجھ ہی نہ پاتی تھی۔ اب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس دُنیا میں مجھ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ کوئی پُر غلوں اور آپ کو کوئی چاہنے والا نہ ہوگا۔

پھر اینجیلینا فوراً آگے بڑھی اور نور الدین کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے رُوح کے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے امیر! خدا مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھ سے اجتناب اور بے رحمی بُر کہ میری زندگی کو فطرت کا بدترین گمراہ، میری رُوح کو بھر کا طوفان، میرے دل کو حادثات کا رقص، میرے ضمیر کو ظلمت کی لحد اور میری ذات کو کسی بے جان اور ساکت بُرا جیسا نہ بنا دیجئے۔ اے امیر! خدا کے لیے مجھے آگاس ہل کے سے بے انت چکریں نہ ڈالیے۔

نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں کھینچ لیے اور بڑی عاجزی اور زکساری میں اس نے کہا۔ "اے خانم! میں تو خود ایک گنہگار انسان ہوں۔ تمہیں کیا معاف کر لگا۔ یقین جانو! میں ایک ایسا بے مایہ انسان ہوں جس کے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" نور الدین کے خاموش ہونے پر اینجیلینا پھر بولی۔

"اے امیر! اگر آپ ایسے ہی بے مایہ ہیں کہ آپ کے پاس مجھے دینے کے لیے کوئی محبت، کوئی چاہت نہیں ہے تو آپ صرف چند جملوں پر شتمل یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں۔" اینجیلینا! میں نے تمہیں معاف کیا۔" آپ کا صرف یہ ایک جملہ ہی مجھے دُکھ کے پاتال اور بے خواب وادیوں سے نکال کر میرے قلب کی دھڑکنوں کو پرکھا اور میری رُوح کی روحانی کو سردی لمحات بخشنے کے لیے کافی ہے۔"

اینجیلینا کی اس خواہش پر نور الدین کی گردن جھک گئی تھی۔ پھر اس نے گردن جھکائے ہی جھکائے نرم اور دھیمی آواز میں کہہ دیا۔ "اے اینجیلینا! میں نے تمہیں معاف کیا۔ نور الدین کے صرف ایک جملے نے حسین اینجیلینا کی حالت ایسی کر دی تھی جیسے ضبط کی دشتوں، بھٹکتے شعور، تحمل کے نمایاں اضطراب، دل کی ہیجان خیزی اور وقت کے بدترین سانچوں سے نکل کر آندوؤں کے ضو کو دوں، تماشا ہائے نشاط، محبتوں کے ہیجان، طلسموں کی دل نشینی، مہتابی روشنی، پھولوں کی ملک، ندیوں کے نرم اور بہاروں کی شوق انگیزیوں میں کھو کر رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے، اس کے ہونٹوں پر صد رنگ جلوے اور رُوح کے سرور رقص کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر اینجیلینا نور الدین سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ استغف یوحنا اور اس کی بیوی مائتس خیمے میں داخل ہوئے اور نور الدین کے سامنے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے یوحنا نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے "اے امیر! تھوڑی دیر قبل کچھ لشکری ہمارا اور آپ کا کھانا لے کر آئے تھے۔ میں نے انہیں اپنے خیمے کے پاس ہی روک لیا تھا اور اور ان سے آپ کا کھانا بھی لے لیا تھا۔ دراصل میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ اینجیلینا طشت میں رکھ کر جو کھانا لے کر آئی ہے یہ وہی ہے جو کہ لشکری ہمارے اور آپ کے لیے دے گئے ہیں۔" امید ہے آپ بُرا نہ مانیں گے۔"

نور الدین نے مسکراتے ہوئے نرمی اور فراخ دلی میں کہا۔ "اے محترم یوحنا! ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں خوش ہوں کہ میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔" اور پھر وہ چاروں اُٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ اپنی زندگی میں پہلی بار نور الدین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے حسین اینجیلینا ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے تقدیر فوراً بدل گئے ہوں اور اس کی زلیست جن مہر اور سستی روم جیسی جاذب و پُرکشش ہو کر رہ گئی ہو۔



جیسے ذلت و پستی کا کفن، جیسے پابہ زنجیر قیدی، جیسے اُجاڑ دیرانے، جیسے خزاں کے اُٹاس نغمے۔ اس کے شہد میں دُوبے گلگول ہونٹ خزاں کے پیلے پتوں کی طرح ہو کر رہ گئے تھے اور اس کی خالی دیران آنکھوں کے اندر روندے ہوئے پھولوں اور غریب الوطن اجنبی کی سی کیفیت چھا گئی تھی۔

اس موقع پر ایغلینا اپنے باپ یوحنا سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ ایک طرف سے آق بوغا بھاگتا ہوا آیا۔ ایغلینا، یوحنا اور ماتھس سے کچھ کہے بغیر وہ بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا لیکن نورالدین کو وہاں نہ پا کر وہ مایوسی کی حالت میں پلٹا اور یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے محترم یوحنا! کیا آپ بتا سکیں گے کہ امیر نورالدین اس وقت کہاں ہیں؟“

یوحنا نے مایوسی کے عالم میں کہا۔ ”اے آق بوغا! میں تو خدا میر کے لیے پریشان ہوں۔ جس وقت شب خون کا شور و غوغا بلند ہوا تو ہم تینوں بدحواس ہو کر اُٹھ بیٹھے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے جب ہم اس طرف آئے تو ہم نے دیکھا امیر نورالدین اپنے خیمے میں نہ تھے۔ اے آق بوغا! کیا تم بتا سکو گے کہ امیر نورالدین ضرورت کے اس وقت کہاں ہو سکتے ہیں؟“

اس سوال پر آق بوغا کی گردن جھک گئی۔ اس نے کچھ سوچا فیصلہ کیا اور ساتھ ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ پھر یوحنا کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا۔ ”اے محترم یوحنا! امیر نورالدین اپنے لشکر کی انا۔ اپنے عسکریوں کے رلوں کا مرہم حوصلہ اور اپنے ساتھیوں کے لیے محبت جیسا شیر گرم ہیں۔ اے استغف یوحنا! امیر نورالدین آنے والے طوفانوں کا محرم اور جہنم لینے والی آندھیلوں کا شناسا ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔“

آق بوغا کی اس گفتگو پر یوحنا نے ایک تجویز کے عالم میں بیتاب و بے چین ہو کر پوچھا۔ ”اے آق بوغا! اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ امیر نورالدین اس وقت کہاں ہوں گے؟“

گرمی و گھمبیر رات سمندر کے نیلے گونگے لبوں کی طرح خاموشی اور اُجاڑ دیران خانقاہ کی سی دشتیں پھیلاتی ہوئی بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ آسمان پر گہرے دبیز پردوں جیسے بادل چھلے ہوئے تھے اور بارش کا بھی امکان تھا۔ گرمی تاریکیوں نے سمندر کی گہری اور آسمان کی رفعتوں کو آپس میں ملا دیا تھا۔

آدھی رات کے قریب جس وقت فضاؤں کے اندر لمبی لمبی بوند باندی ہو رہی تھی اس وقت اچانک نورالدین کے لشکر میں ایک شہداء کھڑا ہوا اور ہر طرف سے پکوازیں سنائی دینے لگیں کہ ”دشمن نے شب خون مار دیا ہے۔“

اس انکشاف پر نورالدین کے لشکر کا ہر فرد جاگ اٹھا تھا اور ہر کوئی ادھر ادھر بھاگتے ہوئے حالات کا جائزہ لینے لگا تھا اور نورالدین کے لشکر کی مسلح ہو کر رہنا ہونے والے حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

اس شور و دواویلا پر ایغلینا، استغف یوحنا اور ماتھس بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اپنے خیمے سے نکل کر معلومات حاصل کرنے کے وہ نورالدین کے خیمے کی طرف بھاگے لیکن جب وہ نورالدین کے خیمے میں داخل ہوئے تو تینوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ کیوں کہ نورالدین کا خیمہ خالی تھا اور وہاں نہ تھا۔

نورالدین کو وہاں نہ پا کر خصوصیت کے ساتھ ایغلینا کی حالت ایسی ہو گئی تھی

آق بوغانے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ یقیناً اس وقت لشکر کے اس حصے میں شامل ہوں گے جسے شب خون روکنے کے لیے دمدوں کی اوٹ میں مقرر کیا گیا تھا۔ میں امیر سے وہیں جا کر ملتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی آق بوغا کچھ کہے بغیر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب کہ انجیلینا، یوحنا اور ماتھس بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

آق بوغا، انجیلینا، یوحنا اور ماتھس بھاگتے ہوئے جب ان دمدوں کے پاس گئے تو انہوں نے دیکھا ہلکی ہلکی بونڈ باندی میں نورالدین وہاں ایک دمدے کے پاس کھڑا اپنے سپاہیوں کو ہدایات دے رہا تھا اور ان دمدوں کے پاس جلتی ہوئی چھوٹی چھوٹی مشعلیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں اور ان مشعلوں کی روشنی کے باعث دمدوں کے اطراف کا علاقہ روشن ہو رہا تھا۔

نورالدین کو وہاں کھڑا دیکھ کر انجیلینا کی ساری اداسیاں، ساری افسردگیاں جاتی رہی تھیں۔ وہ دمدوں کے لمس جیسی لطیف، کیف شراب و شعر جیسی رطفت اور زندگی کے قص پیہم جیسی جاذب ہو کر رہ گئی تھی۔ چاروں تیزی کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں نورالدین کھڑا ہوا تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں نورالدین نے بھی انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ اپنے لشکریوں کے پاس سے ہٹ کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

جب نورالدین قریب آیا تو آق بوغانے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اے امیر! یہ شب خون کا شور وادوا کیسے اور کیوں کر ہمارے لشکر میں پھیلا۔ جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ دشمن کے ہم پر شب خون مارنے کے دور دورہ تک کوئی آثار نہیں ہیں۔ میں شب خون کے اس شور پر اٹھ کھڑا ہوا۔ خیل سے میں نے کہا کہ وہ لشکر کی نگرانی کرے جب کہ میں امیر کے خیمے کی طرف جا کر معلومات حاصل کرتا ہوں لیکن جب میں آپ کے خیمے میں آیا تو وہ خالی تھا۔ اور انجیلینا، یوحنا اور ماتھس وہاں اداس اور افسردہ کھڑے ہوئے تھے۔ پس وہاں کھڑے

ہو کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آدھی رات کے اس وقت اس لشکر کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتے جو دمدوں کی اوٹ میں مقرر کیا گیا ہے۔ لہذا ہم چاروں بھاگتے ہوئے اس طرف آگئے۔ اے امیر! اب بتائیے کہ یہ شب خون کی افواہیں اپنے لشکر میں کیسے پھیلیں۔“

آق بوغا کے اس استفسار پر نورالدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ ”اے آق بوغا! شب خون سے متعلق یہ افواہ نہ تھی بلکہ تھوڑی دیر پہلے دشمن نے حقیقتاً شب خون مارا تھا لیکن میں نے ان دمدوں کی اوٹ سے اپنے ان لشکریوں سے ان پر ایسی تیراندازی کرانی کہ شب خون مارنے والا لشکر پیش قدمی کرنے کے بجائے واپس بھاگ گیا اور ساتھ ہی میرے ان لشکریوں نے زور زور سے شب خون کا شور بلند کر دیا تھا اور ان کی پکار پر سارے لشکر کے اندر شب خون کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ بہر حال ہم نے دشمن کے شب خون مارنے کے ارادوں کو مکمل طور پر ناکام بنا کر رکھ دیا ہے۔“

آق بوغانے حیرت سے نورالدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اے امیر! اور آپ اپنے خیمے سے نکل کر لشکر کے اس حصے میں آ شامل ہوئے تھے۔“ آق بوغا کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نورالدین نے نرمی سے کہا۔ ”جس وقت لوگ اپنے اپنے خیموں میں سو گئے تھے، میں اپنے خیمے سے نکل کر ادھر آ گیا تھا۔ جس وقت میں نے ان دمدوں کی تعمیر کا کام شروع کیا تھا۔ میں نے اس وقت ہی عہد کر لیا تھا کہ رات کے وقت شب خون کی روک تھام کرنے والے اس لشکر کی قیادت میں خود کروں گا اور تم دیکھتے ہو کہ میں نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر دشمن کے شب خون کو ناکام بنا کر رکھ دیا ہے اور یہ جو تم یہاں جلتی ہوئی مشعلیں دیکھ رہے ہو انہیں تو ہم نے شب خون کے بعد روشن کیا ہے تاکہ دشمن پر واضح ہو کہ ہم سوئے نہیں بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے جاگ رہے ہیں۔“

قبل اس کے کہ آق بوغا جواب میں کچھ کہتا کہ نورالدین نے پھر اسے مخاطب

ساتھ وہاں سے چلے گئے تھے۔ جب کہ نور الدین پھر واپس اس دمدمے کی طرف جا رہا تھا جس دمدمے کی طرف سے وہ آق بوغا، یوحنا، ایجلینا اور ماتھس کی طرف آیا تھا۔

○

رات آہستہ آہستہ سلگتے دھاروں اور گونجتی آوازوں کی طرح گزرتی جا رہی تھی۔ بوند باندی کی صورت میں ہلکی ہلکی بارش جاری تھی۔ تیز بخبتہ ہوائیں فضاؤں کے اندر برف کی سی تب و تاب پیدا کر رہی تھیں۔

جب رات اپنے آخری حصے میں داخل ہوئی تو نور الدین کے حکم پر لشکر میں نقارے بجنے لگے تھے اور اس کے ساتھ ہی آق بوغا اور خلیل نے عقب لشکر کے ساتھ شہر کی شمالی سمت سے حملہ کر دیا تھا۔

نور الدین کے اندازوں کے عین مطابق مولیان کے حکمران شہاب الدین نے اپنے لشکر کے بڑے حصے کو شہر کی فصیل کے شمالی حصوں کی طرف منتقل کر دیا تھا تاکہ دشمن کے حملے کا بھر پور جواب دیا جاسکے۔ اس طرح فصیل کے مشرقی اور جنوبی حصوں میں شہر کے محافظوں کی تعداد کم ہو گئی تھی۔

آق بوغا اور خلیل نے بڑی جانفشانی کے ساتھ شہر کی شمالی سمت سے حملہ کیا تھا۔ شہر پر طوفانی انداز میں تیروں کی بارش کی جانے لگی تھی اور پتھر برسائے جانے لگے تھے اور اس کے جواب میں شہاب الدین کا لشکر بھی انتہائی جانفشانی کے ساتھ تیر اندازی کے ساتھ ساتھ آگ اور کھولتا ہوا پانی بھی برسا رہا تھا۔

جنگ میں تیزی اور تندی پیدا کرنے کے اور نور الدین کو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مشرقی سمت سے کامیاب حملہ کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے آق بوغا اور خلیل ڈھالوں کی اوٹ میں اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے دشمن کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ شہر کے شمالی دروازے پر قبضہ ہونا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے جنگ میں ایک ہولناکی کی سی کیفیت پیدا ہو

گئی تھی۔

شہاب الدین اور اس کے لشکر کی آق بوغا اور خلیل کے ساتھ اس مصروفیت سے نور الدین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ رات کی گہری تاریکی میں تناؤں کے سراب اور تاریکیوں کے غول بیابانی کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ شہر کے مشرقی جانب آنودار ہوا تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے سوجانوں پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا۔ اس دستے میں وہ خود بھی شامل ہوا اور اس دستے کے ہر سپاہی کو تین تین ڈھالیں اور ایک ایک کندھیا کی گئی تھی۔

ان میں سے ہر سپاہی نے ایک ڈھال اپنے سر پر دوسری اپنی چھاتی پر اور تیسری اپنی پشت پر باندھ لی تھی تاکہ دشمن کی تیر اندازی سے محفوظ رہا جائے۔

اب نور الدین ان سوجانوں کو لے کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھا۔ اس حالت میں کہ ہر کوئی سانپ کی طرح رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا جب کہ لشکر کا باقی حصہ شہر سے اس قدر فاصلے پر گھات لگا کر بیٹھ گیا تھا کہ اگر وہ تیر اندازی کریں تو ان کے تیر شہر پناہ کے محافظوں تک پہنچ سکیں۔

نور الدین اپنے سوساتھیوں کے ساتھ شہر کی فصیل کے قریب آیا اور فصیل پر کندیں پھینک کر اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا ابھی یہ لوگ اوپر چڑھتے ہوئے شہر کی فصیل کے آدھے حصے تک ہی گئے ہوں گے کہ فصیل کے محافظوں نے انہیں اوپر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور انہوں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی تھی۔

نور الدین کے لشکر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ان کے امیر اور دوسرے سوساتھیوں پر تیر اندازی شروع ہو گئی ہے۔ لہذا انہوں نے بھی فصیل کے محافظوں پر اندھا دھند تیروں کی بارش کر دی تھی۔ نور الدین کے لشکر کی طرف سے اس قدر طوفانی تیر اندازی کے باعث فصیل پر چڑھتے جوانوں پر فصیل کے محافظ اپنی تیر اندازی جاری نہ رکھ سکے۔ لہذا ان سے نمٹنے کے لیے انہوں نے ایک نیا طریقہ اپنایا اور وہ یہ کہ انہوں

نے اُوپر چڑھنے والے نور الدین کے ساتھیوں کی کمندیں کاٹ کاٹ کر انہیں تفصیل سے نیچے گرا کر شروع کر دیا تھا اور اپنے اس نئے طریقہ کار پر وہ بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

لیکن کمندیں کاٹنے کا یہ عمل انتہائی مشکل اور تکلیف دہ تھا۔ اس لیے کہ وہ تیروں کی بدستی بارش میں تفصیل کے اُوپر لیٹ لیٹ کر آگے بڑھتے ہوئے یہ کام کر رہے تھے۔ لہذا کمندیں کاٹنے کی یہ رفتار کافی سست اور دقت طلب تھی۔ وہ ابھی بمشکل بیس جوانوں کی کمندیں کاٹ کر ہی انہیں نیچے گرانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ تاہم اس دوران نور الدین اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ تفصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تفصیل کے محافظوں نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا تھا تاکہ اُوپر چڑھنے والوں کا خاتمہ کر کے ایک بار پھر تفصیل کو محفوظ کر لیا جائے۔ دوسری طرف نور الدین کے لشکر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ ان کا امیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ تفصیل پر چڑھ گیا ہے لہذا پورا لشکر طوفانی انداز میں آگے بڑھا اور تفصیل پر رسیوں کی سیڑھیاں پھینک کر انہوں نے اُوپر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح تفصیل کے اُوپر چڑھنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

تفصیل پر چڑھنے کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دائیں طرف والے بُرج پر اجالوں کے لہو، اضطراب و کرب، تلاطم و طغیانی اور گرداب کی سرکش یورش کی طرح حملہ کر دیا تھا۔

بُرج کے محافظوں نے بہتری کوشش کی کہ وہ حملہ آوروں کو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے بلند آوازوں میں پکارتے ہوئے دوسرے برجوں کے محافظوں کو بھی مطلع کرنا شروع کر دیا تھا کہ دشمن مشرقی حصے سے شہر کی تفصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

یہ خبر گندھک اور بارود کی آگ کی طرح ایک بُرج سے دوسرے بُرج اور پھر

شمالی حصے میں شہر کے حاکم شہاب الدین تک جا پہنچی تھی۔ شہاب الدین نے نہ صرف اپنے لشکر کا ایک حصہ نور الدین کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا بلکہ اس نے دوسرے برجوں کے محافظوں کو بھی حکم دیا کہ وہ مشرقی برجوں کی حفاظت کے لیے شہر پناہ کے مشرقی حصے کا رخ کریں اس طرح سے شہر کی تفصیل کے اُوپر ایک طوفان برپا ہو کر رہ گیا تھا۔

جس برج پر نور الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا اس بُرج کے محافظ نور الدین کو روکنے میں مکمل طور پر ناکام ہوئے تھے۔ اس لیے کہ نور الدین توان کے لیے دھک کی کسک، رگوں میں زہر گھول دینے والی کوئی زہریلی لہر، مہتوں کا سیل اور دھکی دوزخ ثابت ہوا تھا۔

نور الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس بُرج کی بقا کی تباہ کن جدوجہد اور لہو کی رشتی کے زمرے کھول دینے والی جنگ کی ابتدا کی تھی اور چند ہی ثانیوں تک اس نے اس بُرج کے محافظوں کو کاٹ کر وہاں اپنے چالیس تیر انداز بٹھائیے تھے تاکہ وہ اس بُرج کی طرف بڑھنے والے دشمنوں پر زور وار تیر اندازی کریں اور انہیں اس بُرج کی طرف آنے سے روک دیں۔ جب کہ دوسری طرف نور الدین کا لشکر رسیوں کی سیڑھیوں کے ذریعے بڑی تیزی کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھتا چلا آ رہا تھا۔ اس طرح لمحہ بہ لمحہ تفصیل کے اُوپر نور الدین کے لشکریوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

اپنے چالیس تیر اندازوں کو اس بُرج میں مقرر کرنے کے بعد باقی چالیس جوانوں کے ساتھ نور الدین پلٹا تفصیل پر چڑھنے والے کچھ اور ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اب وہ بائیں طرف والے بُرج پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس بُرج پر بھی وہ اغواط و امواج، آرزوؤں کے ضو کوہ اور زندگی کی پوری ہیجان خیزی کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔ اس بار اس کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد چونکہ پہلے کی نسبت زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لیے اس بُرج پر قبضہ کرنے میں وہ جلدی کامیاب ہو گیا تھا۔ پھر اس برج کے اندر بھی نور الدین نے اپنے تیر انداز مقرر کر دیئے تھے۔

اب چونکہ شہر پناہ پر پڑھنے والے نور الدین کے لشکریوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ فصیل پر دو برجوں کے درمیان ان کا سامنا اب مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ دو حصے اس نے ان برجوں کی حفاظت پر مقرر کیے جن کے اندر اس نے پہلے سے اپنے تیر انداز بٹھا دیئے تھے اور ان دونوں حصوں کے لشکریوں کو اس نے تاکید کی کہ وہ دشمن کو ان دونوں برجوں کے قریب نہ آنے دیں۔ جب کہ تیسرے حصے کو اس نے اپنے ساتھ رکھا اور اب وہ فصیل کی سیڑھیاں اترتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کی طرف بڑھا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے فصیل پر متعین اپنے لشکریوں کو یہ احکامات جاری کر دیئے کہ شہر پناہ پر پڑھنے والا ہر نیا لشکری اس کے پیچھے پیچھے فصیل کے مشرقی دروازے کی طرف آئے۔

شہاب الدین کا شہر کے اندر جو لشکر مقرر تھا۔ اس کے کمانداروں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن فصیل کی سیڑھیاں اتر کر شہر کے مشرقی دروازے کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے نور الدین اور اس کے لشکریوں کو گھیر لیا اور روک دیا تھا۔

نور الدین نے جب دیکھا کہ شہر کے اندر لشکر کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو سیڑھیوں پر روک دیا گیا ہے تو اس نے فصیل پر اپنے لشکریوں کو چلا چلا کر حکم دیا کہ وہ شہر کے اندر دشمن پر تیر اندازی کریں۔

نور الدین کے اس حکم پر فصیل پر دو برجوں کے قریب بیٹھے اور نئے پڑھنے والے جوانوں نے مشعلوں کی روشنی میں ایسی تیز تیر اندازی مشرقی دروازے کے آس پاس پھیلے دشمن کے لشکریوں پر کی کہ اس تیر اندازی سے شہاب الدین کے لشکر میں ایک کھلبلی مہنگامہ، اک اضطراب و بے قراری اور شور و شر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جس وقت اس تیر اندازی کے باعث شہر کا محافظ لشکر مشرقی دروازے کے آس پاس ہل چل و فتر کا شکار ہوا تھا۔ اسی وقت نور الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ

سیڑھیاں اترتے ہوئے دشمن پر ہیجان آفرین سمندر تپتے صحرا، گرم ردا ہوں اور افق تافنی برق کے سلگتے دھاووں کی طرح حملہ کر رہا تھا۔ جب کہ فصیل پر نئے پڑھنے والے اس کے لشکری اس کے ساتھ شامل ہو کر اب لمحہ بہ لمحہ اس کی عسکری قوت میں اضافہ کرتے چلے جا رہے تھے۔

شدید نفرت کی طرح گرم ردا اور رحم ناپشنا ہو کر شہر کے محافظ لشکریوں کو فاسد تمدن کے سیلاب کی طرح ان کا رخ بدلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ جنگ میں کام آنے والے لشکری روندے ہوئے ذروں اور خاک پر ٹوٹی دھاووں کی مانند زمین پر پڑے جا رہے تھے۔ شہر کی عسکری قوتوں میں بدلتی جا رہی تھیں۔

رات کے سمندر میں نور الدین کا یہ نا دیدہ سفر جاری رہا اور اب وہ موت کی مصرع کی طرح غم انگیز طوفان کھڑا کرتا ہوا شہر کے مشرقی دروازے سے قریب تر ہوتا چلا رہا تھا اور اس کے پیچھے فصیل کی سیڑھیوں پر سے اس کے لشکری وردے رشتوں اور زندہ حقیقت کی طرح اُڑتے ہوئے اس کے ساتھ آکر شامل ہو رہے تھے۔

مشرقی دروازے پر قبضہ برقرار رکھنے کے لیے اور اسے اپنی گرفت میں لینے کے لیے دونوں لشکروں کے درمیان ایک خونی کش مکش شروع ہو گئی تھی۔ اسی لمحہ نور الدین نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

”میرے باجروت رفیقو! میرے جاں نثار عزیزو! قبل اس کے کہ قطرہ قطرہ ٹپکتی رات ختم ہو۔ قبل اس کے کہ غلام و امام، پارسا و رند، راہبر و راہزن، برہمن و شیخ، پادری و بھکشو اٹھ کر اپنی عبادت و رسومات کی ابتدا کر دیں۔ قبل اس کے کہ ایک گودن پر کئی چہرے رکھنے والے لوگ بیدار ہو کر منافقت کی ابتداء کر دیں۔ قبل اس کے کہ اس شہر کے لوگ بیدار ہوں ان کا اضطراب اور ان کا بیچ و تاب بڑھے۔ قبل اس کے کہ سورج مشرق سے طلوع ہو جائے۔ آؤ! میرے ساتھیو! آؤ! دشمن کو بوسیدہ پرانی کہانیوں کی طرح دفن اور خاموش کر دیں اور اپنے سامنے

آنے والی ہر قوت کو جیت ہار اور سزا و جزا کے مقدرات سے گزار کر مشرقی دروازے پر قبضہ کر لیں اور اپنی فوز مندی و فتح کا اعلان کر دیں۔

نور الدین کے ان الفاظ نے اس کے لشکریوں کے توانا دلوں اور جوان نگاہوں میں ایک طوفان، ایک انقلاب برپا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ مناظر موت و حیات، لہو بھرے پرچموں اور ماگھ کی کالی سرد تاریک راتوں کی طرح حرکت میں آکر طوفانی انداز میں شہاب الدین کے لشکریوں کا صفایا کرنے لگے تھے۔

دوسری طرف نور الدین نے اپنے لشکریوں کے پیچھے ہوئے ان جذبات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تہذیبوں کو خاموش اور لہو کو سرد کر دینے والا ایسا ہولناک حملہ اس نے کہا کہ مولیان کے محافظ اس حملے کو روک نہ سکے اور نور الدین نے اپنے لشکریوں کے ساتھ آگے بڑھ کر شہر پناہ کا دروازہ کھول رہا تھا۔

شہر پناہ کا دروازہ کھلتے ہی نور الدین کا لشکر سیلاب کے تندریلے اور ہولناک صحرائی بگولوں کی طرح شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شہاب الدین کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین نے شہر کے مشرقی دروازے پر قبضہ کر کے دروازہ کھول دیا ہے اور اس کا لشکر شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو تفصیل سے اتر کر نور الدین کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

جونہی شہاب الدین کا لشکر شہر پناہ کی شمالی جانب ہٹ کر اور نیچے اتر کر نور الدین اور اس کے لشکر کا سامنا کرنے لگا۔ آق بوغا اور خلیل کو پیش قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے بھی نور الدین کی طرح لکڑی کے تختوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بانڈھ کر پانی بھری خندق میں ڈالا اور ان کے ذریعے وہ اپنے لشکر کو خندق پار کر کر شہر کے شمالی دروازے پر حملہ آور ہو گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد انہوں نے شہر پناہ کا شمالی دروازہ توڑ دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھنے لگے تھے۔

شہاب الدین اپنے لشکر کو تفصیل سے اتر کر جب نور الدین اور اس

کے لشکر پر حملہ آور ہونے کو آگے بڑھا تو نور الدین کو بھی شہاب الدین کے اس حملے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو مجتمع اور مربوط کر کے شہر کے مشرقی حصے کے محافظوں کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ شہاب الدین کا سامنا کرنے کے لیے خود آگے بڑھا تھا۔

شہاب الدین کا گمان تھا کہ نور الدین ابھی کشمکش کی حالت میں ہوگا۔ لہذا وہ اسے شہر سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن نور الدین جب آگے بڑھ کر مظہر ماضی سے متقبل کا آئینہ نما اور یاس کا قہقرا بن کر حملہ آور ہوا تو شہاب الدین کے سارے دوسرے سارے گمان رفع ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ نور الدین کے ان ہولناک حملوں نے شہاب الدین کی زندگی کے سموں میں ایک پھل، زیت کے خار خانوں میں ایک طوفان اور قلب کی دھڑکنوں میں خوف و ہراس طاری کر کے رکھ دیا تھا۔

شہاب الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ نور الدین کا مقابلہ کرتے ہوئے ابھی اُمید و بیم کی کشمکش میں ہی تھا کہ اس کی پشت کی طرف سے آق بوغا اور خلیل نے زوردار حملہ کر دیا۔ اب شہاب الدین کو مکمل طور پر یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ اس کے لیے بدترین فوشتوں کا اہتمام کر چکی ہے اور یہ کہ اگر اس نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کی تو اس کا مرکزی شہر مولیان ہی اس کا مزار و مرقد بن کر رہ جائے گا۔ اس موقع پر شہاب الدین نے بیلہ مغزی اور عیاری سے کام لیا۔ اس نے اپنے نائبوں سے کہا کہ تم اس دو طرفہ جنگ کو جاری رکھو۔ میں ایک نئی کمک کا انتظام کرتا ہوں اور دشمن کے دونوں لشکروں میں سے ایک کی پشت پر سے حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح ہم بہت جلد دشمن کو اپنے مرکزی شہر سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اپنے لشکر کو جھل دینے کے بعد شہاب الدین نے اپنے سارے اہل خانہ کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے مغربی دروازے سے وہ باہر نکلا۔ شہر پناہ کے مغربی حصے

سے چونکہ دریائے سندھ ٹکرا کر گزرتا تھا۔ اس لیے یہاں شہاب الدین اپنے اہل خانہ کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔ شہر میں جب شہاب الدین کے فرار کی خبر پھیلی تو اس کے لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر پر مکمل طور پر نور الدین کا قبضہ ہو گیا تھا۔

نور الدین نے شہاب الدین کے تعاقب میں بھی کچھ لوگ لگائے لیکن اب دیر ہو چکی تھی لہذا شہاب الدین فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دوسری طرف نور الدین شہر کا نظم و نسق درست کرنے میں لگ گیا تھا۔ شہر کے گرد کھود دی ہوئی خندق سے پانی نکال کر اسے دریائے سندھ میں ڈال دیا تھا اس کے علاوہ اس نے مولیان شہر کے لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ ان کی جان و مال اور عزت محترم و محفوظ رہے گی۔

○

گو نور الدین نے شہر کی تاریکی ہی میں فتح کر لیا تھا لیکن شہر کا نظم و نسق سنبھالنے اور خندق کو جگہ جگہ سے بھروانے کے بعد سورج طلوع ہو کر بلند ہو گیا تھا۔ نور الدین نے اپنے لشکر کا ایک حصہ شہر کے اندر اور فصیل کے برجوں پر حفاظت و احتیاط کی خاطر مقرر کیا اور باقی لشکر کو اس نے ہتھیار کھول کر اور پٹاؤں جا کر آرام کرنے کا مشورہ دے دیا تھا۔

جو لشکر شہر کے اندر اور فصیل پر مقرر کیا گیا تھا وہ چونکہ آق بونا اور خلیل کے عقب لشکر سے حاصل کیا گیا تھا۔ لہذا اس لشکر کے ساتھ نور الدین نے آق بونا کو شہر کے اندر اور خلیل کو فصیل کے اوپر مقرر کیے جانے والے لشکر کا نگران مقرر کر کے ان دونوں کو دین متعین کر دیا تھا۔

گورات کے وقت ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوتی رہی تھی لیکن اب مطلع صاف تھا اور فضاؤں میں نکھری نکھری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ تاہم سرد برفانی ہوائیں چلنے کے باعث سردی اپنے زوروں پر تھی۔

نور الدین جس وقت شہر سے نکل کر پڑاؤ میں آکر اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ اس کے خیمے میں آتش دان کے پاس بجھائی ہوئی چٹائی پر اینجیلینا بیٹھی ہوئی تھی۔ آتش دان میں آگ روشن تھی جس کی وجہ سے خیمہ خوب گرم ہو رہا تھا اس کے علاوہ اینجیلینا نے اپنے پہلو میں اور آتش دان میں جلتی ہوئی آگ کے سامنے کھانے برتن رکھے تھے۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اینجیلینا پر گھونگھٹ اٹھنے کا سامنا طاری ہو گیا۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اس کے ہونٹ کپکپائے اور رخسار سلگنے لگے تھے۔ نور الدین کو دیکھتے ہی اس کی کیفیت غمگین خوشبو اور رنگوں کی تلخی بہاؤ جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جمال کی لہر اور اتصال کدوں کی جذب و کشش رقص کرنے لگی تھی۔

نور الدین خاموشی سے اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ آتش دان کے پاس چٹائی پر آکر وہ بیٹھ گیا۔ اس لمحے طائر وں کی آوارہ ٹولیوں کی طرح اس کے چہرے پر کچھ جذبات نمودار ہوئے تھے۔ شاید اس نے اینجیلینا کے یوں اس کے خیمے میں آنے اور اس کا کھانا لے کر یوں اس کا آتش دان کے پاس بیٹھ کر انتظار کرنا ناپسند کیا تھا۔ پر جلد ہی وہ ان سنگین جذبوں پر قابو پا گیا۔ شاید اینجیلینا کا دل رکھنے کی خاطر وہ ضبط کر گیا تھا۔

نور الدین جب چٹائی پر بیٹھ گیا تو حوروں کے اعتکاف کدہ کی طرح خاموش بیٹھی اینجیلینا نے اپنے چہرے پر خشنمی گلابوں اور نرم خنک چاندنی کی پھوار جیسی مسکراہٹ بکھیری۔ پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے امیر! مولیان شہر کی اس فتح اور شہاب الدین کے فرار پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔" اپنے سر کو جھکائے ہی جھکائے نور الدین نے اینجیلینا کی اس مبارک باد کا جواب دیا۔ پھر اس نے نگاہوں میں برستے دکھ کے ساتھ اینجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے اینجیلینا! تمہارا میرے خیمے میں یوں اکیلے آنا اور پھر میرا کھانا لے کر آتش دان کے پاس میرا انتظار کرنا۔ اس سے میرے لشکر کی اور دیگر لوگ کیا اثر لیں گے؟"

سے نہیں جو حالات کے انتہائے فریب سے گھبرا کر اپنی منزل اور اپنے نقطہ نظر سے ہٹ جاتی ہیں۔

اے امیر! میں نے اگر سرعام نہ کی تھی تو اب علی الاعلان ہاں کہہ کر آپ کی خاطر اپنے جسم و جان کو قربان بھی کر سکتی ہوں۔ اس لیے کہ ایجنیلینا بزدل نہیں ہے۔ اس گفتگو پر نور الدین گردن جھکائے چند ثانیوں تک قبرستان کی دیواریوں کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس نے نرمی اور ملاحظت میں کہا۔ ”اے ایجنیلینا! میرے اوڑھے تمہارے رشتے کی جو بات چلی تھی وہ تو طوائف کی طرح در ماندہ کسی راہ گزر کی طرح بیدار اور پُرانی ہو چکی ہے۔

اے ایجنیلینا! میں تیرے ہونٹوں کی بولتی خاموشیوں، تیری ٹھٹھکی لگا ہوں کی حقیقتِ جمال اور تیرے چہرے پر کبھریں ثبات و سرشاری کے جذبات کو سمجھتا ہوں پر وقت کی بے لحاظ رسومات کی زد کو کون سمیٹے گا۔ کون ان کانٹوں کو چٹنے کا جواب میرے اور تمہارے درمیان مغل سماعیوں کی طرح بکھر پھیل گئے ہیں۔

اے ایجنیلینا! جسم و روح میں حامل ان نغمہ حسرتوں کو کون خاموشی اور چامچوں کی آگ سے آوارہ لمحوں کی طرح حرکت میں لائے گا اور پھر میں اب خود بھی بہت دور نکل چکا ہوں۔ تمہارے انکار کے بعد میں ایک اور دروازے پر دستک دے چکا ہوں اور وہ دروازہ اب میری زندگی کا محور اور میری زسیت کا نشان ہے۔

ایجنیلینا نے نور الدین کی اس گفتگو کا کوئی اثر نہ لیا بلکہ مدھم مدھم روپ بکھیرتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں جانتی ہوں آپ نے کسی اور دروازے پر دستک نہیں دی اور نہ ہی آپ اپنے لیے کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکے ہیں بلکہ میں سمجھتی ہوں یہ بات آپ مجھے میری غلطی کی تہذیب کے طور پر کہتے ہیں۔

اے امیر! میرے اور آپ کے درمیان جو غلط فہمیوں اور رسومات کے کانٹے بکھرے ہیں انہیں میں خود سمیٹوں گی۔ اس لیے کہ میری ہی وجہ سے یہ کانٹے بکھرے تھے۔ قسم خداوند کی اگر ان کانٹوں، ان خاموشیوں کو مجھے اپنی پلکوں سے بھی چننا پڑا

نور الدین کی اس گفتگو پر ایجنیلینا لمحہ بھر کے لیے ماگھ کی کالی سرد تاریک اتوں جیسی اداس، گھور سیاہ جیون جیسی بے ربطگی کا شکار ضرور ہوئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اپنے چہرے پر دوبارہ اس نے مرصع غزل و پریم رنگوں جیسی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ ”میرے یوں آپ کے خیمے میں اکیلے آنے سے کوئی کچھ بھی اثر نہیں لے سکتا۔ اس لیے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ امیر تمویر نے بھرے دربار میں مجھے آپ کے لیے مانگا تھا۔ لہذا میرے اور آپ کے اس رشتے کی خبر سب کو ہے۔ اب اگر کوئی تیا اثر لے سکتا ہے تو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایجنیلینا صرف امیر نور الدین کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ بس اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتی۔“

اس موقع پر نور الدین نے بے انت روتوں کے آن گنت، دکھ بھری آواز میں کہا۔ ”پر اے ایجنیلینا! تم نے تو اس وصال اس رشتے سے انکار کر دیا تھا لوگوں کو جہاں یہ خبر ہے کہ نور الدین کے لیے ایجنیلینا کو مانگا گیا تھا وہاں لوگوں کے علم میں یہ بات بھی ہے کہ ایجنیلینا اس رشتے پر رضا مند نہ ہوئی تھی اور انتہائی حقارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر تم خود ہی سوچو تمہاری اس طرح میرے خیمے میں آمد پر لوگوں کا کیا تاثر ہوگا۔

ایجنیلینا نے فوراً اپنی حیثیت کو واضح کرنے کی خاطر کہا ”اس نفرت کے تعلق جیسے جیون کے جنجالوں میں وصال و ہجر کے لمحات آتے ہی رہتے ہیں۔ زندگی ان سونی سونی راہوں اور قصص حیات کی ان بے ربطگیوں کے درمیان ہاں نہ اثبات و نفی لمحات آتے ہی رہتے ہیں۔ میں اگر کسی موقع پر نہ کر سکتی ہوں تو حالات کو دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کے بعد میں ہاں بھی تو کر سکتی ہوں اور یہ میرا حق ہے میرے اس طرح آپ کے خیمے میں آنے پر لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں نہ کے بعد آپ ہاں کر چکی ہوں۔

اے امیر! میں کھل کر آپ پر یہ انکشاف کر دوں کہ میں ان لڑکیوں میں

توچُن لوں گی۔ میں ان بنجر محلوں کو بھی اپنی چاہتوں سے توڑ کر رکھ دوں گی جو میری اُو
آپ کی راہ میں حاصل ہوں گے۔

اے امیر! میں تسلیم کرتی ہوں کہ ایک بار بھرے دربار میں مجھ سے غلطی ہو
چکی ہے۔ پر وہ غلطی بھی تو نہیں کہ اس کی تلافی تک نہ کی جاسکے۔ دُنیا میں کوئی انسان
ہے جس سے غلطی نہیں ہوتی اور پھر اس غلطی کی تلخیوں کو دُور کرنے کا کوئی راستہ نہیں بکل
آتا کیا؟ آپ جانتے ہیں جس وقت مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا میں نے خلیل کے ساتھ
اپنی نسبت کو کچے دھاگوں کی طرح توڑ پھینکا۔ کاش آپ نے میرے اس رویے پر ترمیم
دی ہوتی۔“

اینجیلینا کی اس گفتگو کے جواب میں نور الدین کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اپنا سلسلہ
کلام جاری رکھتے ہوئے اینجیلینا پھر بول پڑی۔ اے امیر! میں آج کھل کر بتا دوں
کہ آپ ہی میرا تبسم میرا تکلم ہیں۔ میری ~~جو ساری باتیں~~ ~~جو ساری باتیں~~ ~~جو ساری باتیں~~
آپ میری وفاؤں کا حاصل، آئینہ فکر، میرے خیالات کی تصویر، میرے جمال کی کو، میرے
بام وور کی رونق ہیں۔

اے امیر! آپ میرے لیے ایک مسافر نواز درخت کی مانند ہیں۔ جو ہر ایک کی
راحیت و آرام کا باعث بنتا ہے۔ آپ میرے لیے اس ممکنے شاداب کھیت کی مانند ہیں
جو آنکھوں کی پیاس تک بجھا دیتا ہے۔ آپ میرے لیے وہ زندہ حقیقت ہیں جس سے
لب شیریں پر قرض کرتی تشنگی تک جاتی رہتی ہے۔

اے امیر! میری آپ سے التجا اور گزارش ہے کہ مجھے بھگتے ہوئے شوقی کاروان
محلوں کی آوارگی، جدائیوں کے حبس اور احساس ہزیمت کا شکار نہ ہونے دیجئے گا۔
اے امیر! میں اپنے زعم میں اب اپنی ذات، اپنی پہچان کو آپ اور آپ کی
نسبت سے ربط کر چکی ہوں۔ چاہے تو زندانی، فرقت کا اسیر کر دیں۔ چاہے تو میری
حیات، میری کائنات کی تنہائیوں کے اندر گم صم لمحات کی جگہ زیست بھر کی خوشیاں
بھرویں۔

اے امیر! میں نے آج اپنی ذات اپنے دل اور اپنے ضمیر کو کھول کر آپ کے
سامنے رکھ دیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکی ہوں۔ اب فیصلے کی طنائیں آپ
کے ہاتھ میں ہیں۔ آپ اب کھانا کھائیں میں جاتی ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی اینجیلینا
اٹھی اور بڑی تیزی کے ساتھ وہ نور الدین کے خیمے سے نکل گئی تھی۔ نور الدین بچاؤ
چند ثانیوں تک گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر وہ کھانا کھانے لگا تھا۔



کھانا کھانے کے بعد نور الدین نے خالی برتن ایک طرف رکھ دیئے تھے اور
آتش دان کے قریب بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو گرم کرنے کے علاوہ پھر اینجیلینا سے متعلق
سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اتنے میں اینجیلینا پھر اندر آئی۔ نور الدین نے اس کی طرف کوئی
دھیان نہ دیا اور اسی طرح اپنے تفکرات میں کھویا رہا۔ دوسری طرف اینجیلینا نے بھی
اسے پریشان کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ نور الدین سے کچھ کہے بغیر اس نے خالی
برتن اٹھائے اور دروازے کے قریب جا کر ایک بار مڑ کر نور الدین کی طرف تھکی تھکی مگر
پُر امید نگاہ ڈالی۔ پھر وہ ساتھ والے اپنے خیمے کی طرف چلی گئی تھی۔

اینجیلینا کو اپنے خیمے کی طرف گئے ابھی چند ساعتیں ہی ہوئی تھیں کہ ایک سپاہی
بھاگتا ہوا نور الدین کے خیمے کے دروازے پر آیا اور اپنی پھولتی ہوئی سانسوں میں
اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! آقا تیمور اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ان کا لشکر
یہاں خیمہ زن ہو رہا ہے۔ جب کہ وہ خود آپ کے خیمے کی طرف آرہے ہیں۔“

اس سپاہی کی اس اطلاع پر نور الدین اپنے تفکرات سے چونک کر اٹھ کھڑا
ہوا اور جب وہ اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا اس کے خیمے کے سامنے امیر
تیمور اپنے گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ نور الدین بھاگ کر آگے بڑھا اتنی دیر تک
تیمور اپنے گھوڑے سے اتر چکا تھا۔ پھر تیمور نے نور الدین کو گلے لگایا اور اس کی
پیشانی چومنے کے بعد اس نے کہا۔ ”اے فرزند! تو نے کیسی عمدہ معرکہ رانی کی ہے۔“

قسم خداوند کی تو نے شہاب الدین سے کیا خوب پیر محمد کا انتقام لیا ہے۔ یہاں پنج کر مجھے ساری خبریں مل گئی ہیں کہ کس طرح برسات کی رات میں تم نے شہاب الدین کے شب خون کو ناکام بنایا۔

کس طرح تم نے مولیان شہر کے اطراف کی خندق کو عبور کر کے شہر کے مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا۔ اے نور الدین! میں تیرے کارناموں اور تیری ذات پر جتنا بھی فخر کروں بخدا کم ہے۔

اتنے میں اسقف یوحنا، اس کی بیوی ماتھس اور اینجلینا بھی اپنے خیمے سے نکل آئے۔ تیمور نے یوحنا سے پرجوش مصافحہ کرنے کے بعد ماتھس اور اینجلینا کا احوال پوچھا۔ پھر دوبارہ نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گہری مسکراہٹ اور اطمینان میں کہا۔

اے نور الدین! بخدا میں نے تجھے کبھی مشرق کبھی مغرب میں، کبھی شہروں کبھی بستیوں میں، کبھی قریوں کبھی جنگلوں میں۔ پر تو نے ہر جگہ میری آرزوؤں اور خواہشوں کے مطابق ضرب لگاتے ہوئے بڑے سے بڑے جمود پر انتشار طاری کیا بڑی سے بڑی قوت کو تو نے تباہی اور عذاب کے انتظار میں ڈال کر رکھ دیا۔

اے نور الدین! میری نگاہوں میں تو میرے بیٹوں اور پوتوں سے بھی بڑھ کر ہو گیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس شاندار فتح کی خوشی کے موقع پر تم مجھ سے کچھ مانگو اور تمہاری مانگی ہوئی چیز میں تمہیں دے کر خوشی محسوس کروں۔

اے نور الدین! مجھ سے کوئی فرمائش کرو۔ مجھ سے کچھ مانگو۔ بخدا ایک عرصے سے میری یہ خواہش چل آ رہی ہے کہ کب تم مجھ سے کچھ مانگتے ہو۔ اے نور الدین! اس فتح کے موقع پر تم مجھ سے کیا خواہش کرتے ہو۔

تیمور کے سامنے کھڑا نور الدین خاموش تھا اور اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ تیمور کے علاوہ اینجلینا، یوحنا اور ماتھس بھی اسے غور و انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ نور الدین نے اپنی گردن سیدھی کی اور تیمور کو مخاطب کر کے

کہا۔ اے آقا! مولیان کی اس فتح کے موقع پر تو میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ ہاں اس موقع پر آپ کے کہنے کے بموجب میں اپنی ایک خواہش کا اظہار ضرور کروں گا اور وہ یہ ہے آقا! کہ اگر میں آپ کے جیتے جی کسی معرکے میں کام آ جاؤں یا ویسے انتقال کر جاؤں تو آپ مجھے انہی کپڑوں میں دفن کر دینا جو میں اس وقت پہنے ہوئے تھا جب میں پہلی بار ایک غلام کی حیثیت سے سمرقند میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اے آقا! میرے یہ کپڑے میری حویلی میں میرے ذاتی صندوق میں محفوظ ہیں اور اگر میں آپ کے بعد تک زندہ رہا تو پھر اللہ وارث ہے۔

نور الدین کی اس گفتگو پر اینجلینا کی حالت بند مسجد اور دیوان میکہ جیسی طول و غمگین ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پسینہ سکوت و پرسوز لہجہ کا فروغ تھا اور اس کے چہرے پر لاشوں کی بستیوں جیسی دیوانی بکھر گئی تھی۔ یوحنا اور ماتھس احساسِ ہزیمت کی طرح بکھر بکھرے گئے تھے۔ جب کہ تیمور کی حالت صحرا کی وحشت اور سمندر میں فتنہ گرد ادھام کے مارے مینار جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

تیمور نے فوراً آگے بڑھ کر نور الدین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ اے نور الدین! میرے عزیز! ایسی مایوسانہ اور قنوط و نا اُمیدی کی گفتگو نہیں کرتے۔ میری اپنے منعمِ معیقی سے دعا ہے کہ وہ میرے بعد تک تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اے نور الدین! چلو تمہارے خیمے میں چل کر بیٹھتے ہیں اور ساتھ ہی میرے کھانے کا انتظام بھی کرو۔

نور الدین نے ایک سپاہی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ پھر وہ امین تیمور کو اپنے خیمے میں لے جا رہا تھا۔ یوحنا، اینجلینا اور ماتھس بھی ان دونوں کے ساتھ تھے۔



پلنے کے لیے تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ تلمبہ سے شہر شاہنواز کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچے ہی اس نے شہر شاہنواز پر حملہ کر دیا۔ یہ ایک سرسبز شہر تھا۔ تیمور نے اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے اناج حاصل کیا اور باقی کھلیانوں کو آگ لگوا دی تھی۔ اس کے علاوہ تیمور نے اپنے دو چھوٹے سالاروں امیر شاہ اور شیخ کو طلب کیا۔ یہ دونوں سالار تباہی و بربادی پھیلانے اور قتل و خون بہانے میں بڑے شہور تھے۔

تیمور نے اس امیر شاہ اور شیخ محمد کو حکم دیا کہ شہر شاہنواز کے اندر وہ اپنی مرضی کے مطابق خونخواری کا مظاہرہ کر لیں۔ پس یہ امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے دستوں کے ساتھ حرکت میں آئے اور شہر شاہنواز میں تیمور کے ان دونوں سالاروں نے لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر بے حیائی اور قتل و غارت گری کا وہ مظاہرہ کیا اور ایسے ایسے مناظر پیش کیے جنہیں تاریخ کے اوراق کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

اسی دوران تیمور کے ناظرین نے اسے یہ اطلاع دی کہ پیر محمد نے ملتان کو فتح کر لیا ہے۔ پیر محمد کی اس کارکردگی پر تیمور خوش ہوا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے ملتان کی طرف کوچ کیا۔ وہاں سے پیر محمد اور ملتان سے ہاتھ آنے والی مال و دولت کو ساتھ لیا اور اجدھن کی طرف اس نے پیش قدمی شروع کر دی تھی۔



اجودھن اور دیپالپور کے لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ قتل و لارتگری کرتا اور تباہی و خونخواری پھیلاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر جھنڈیر شہر کی طرف بھاگے۔ یہ ایک فصیل بند شہر تھا اور شہر کے اندر ایک مضبوط قلعہ بھی تھا۔ اس شہر سے متعلق مشہور تھا کہ اس شہر کی شہر پناہ کی مضبوطی اور استحکام کے

۱۔ مشہور مورخ قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس تباہی و بربادی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۲۔ موجودہ پاک پتی کا قدیم نام



مولیان میں چند روز تک قیام کر کے تیمور نے وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا پھر وہاں سے اس نے کوچ کیا اور اس کوچ سے پہلے اس نے شہزادہ پیر محمد کو ملتان فتح کرنے کے لیے اپنے آگے آگے روانہ کیا۔ جب کہ نور الدین، محمد سلطان، شہزادہ شاہ رخ اور دیگر لشکر کے ساتھ اس نے مولیان سے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور دریائے جہلم اور چناب کے سنگم پر قلعہ تلمبہ کے سامنے آ نمودار ہوا اور قلعہ تلمبہ کے سامنے وسیع میدانوں کے اندر وہ خیمہ زن ہوا۔

یہاں چونکہ تیمور کے لشکر میں غلے کی کمی ہو گئی تھی۔ لہذا تلمبہ کے قلعہ پر حملہ آور ہونے میں اس نے تاخیر نہ کی کیوں کہ وہ وہاں سے اناج حاصل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لہذا تیر اندازی خوفناک انداز سے قلعہ تلمبہ پر حملہ آور ہوا۔ قلعہ کو فتح کر کے اس نے شہر کو آگ لگا کر برباد کر دیا۔ ساری آبادی کو ترہیج کر کے وہاں کے مال و دولت اور اناج کے ذخائر پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

اس دوران تیمور کو یہ خبر پہنچی کہ شہر شاہنواز کے حاکم اور وہاں کے لوگوں نے شہزادہ پیر محمد کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس وقت وہ ملتان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے وہاں سے گزرا تھا۔ پس شہر شاہنواز کے لوگوں سے پیر محمد کا انتقام

باعث آج تک کوئی بھی حملہ آور اسے فتح نہ کر سکا تھا۔

اس بھٹیئر شہر کا حاکم ایک ہندو راجہ تھا جس کا نام چندول رائے تھا اور یہ چندول رائے پورے ہندوستان میں لشکر کشی اور قلعوں کا بہترین محافظ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عمدہ جنگجو اور بے مثل سورما کی حیثیت سے مشہور تھا۔

اجودھن سے بھاگ کر تیمور کے خوف سے جن لوگوں نے بھٹیئر شہر میں راجہ چندول رائے کے ہاں پناہ لی ان میں حضرت شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے ایک صاحبزادے بھی شامل تھے۔ اجودھن میں داخل ہونے کے بعد تیمور نے اپنے سالاروں کے ساتھ شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے مزار پر حاضری دی اور جو لوگ اجودھن سے بھاگ نہ سکے تھے ان کی جان بخشی کرتا ہوا تیمور بھٹیئر کی طرف بڑھا۔

بھٹیئر میں پناہ لینے کے لیے اس قدر لوگ اس شہر کی طرف لپکے تھے کہ ان لوگ شہر میں داخل نہ ہو سکے اور شہر پناہ سے باہر جو خندق تھی اس کے پاس ہی پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ تیمور نے ہندو اور مسلمان کی تمیز کیے بغیر خندق کے پاس جس قدر لوگ پڑے ہوئے تھے انہیں تہ تیغ کر کے ان کے مال و اسباب پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

شہر کے راجہ چندول رائے کو جب خبر ہوئی کہ تیمور نے شہر کی خندق کے پاس جس قدر لوگ پناہ لیے ہوئے تھے انہیں قتل کر دیا ہے اور یہ کہ اب تیمور نے شہر کے سامنے ایک کھلے میدان میں پڑاؤ کر لیا ہے تو چندول رائے نے شہر سے باہر نکل کر تیمور کا سامنا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پس چندول رائے جو ہندوستان کا سب سے بہادر اور جری راجہ خیال کیا جاتا تھا وہ اپنے راؤ اور راجپوت لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر بھٹیئر سے نکلا اور تیمور کے لشکر کے عین سامنے خمیر زن ہوا تھا۔

مورخ محمد قاسم فرشتہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ماخوذ از تاریخ فرشتہ بسلسلہ ناصر الدین محمود

اس موقع پر تیمور نے نور الدین کو طلب کیا اور جب نور الدین اپنے خیمے سے باہر کھڑے تیمور کے پاس آیا تو تیمور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے نور الدین! تو دیکھتا ہے راجہ چندول رائے اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے سامنے آغیر زن ہوا ہے۔ نور الدین! میں تمہیں لشکر کا سالار اعلیٰ مقرر کرتا ہوں اور خود یہاں کھڑا ہو کر لڑائی کا نظارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ اس چندول رائے کے سامنے تو کیا طریقہ کار استعمال کرتا ہے۔ لشکر کا ہر سالار کیا چیز محمد اور محمد سلطان، کیا خیل اور آق بوغا، کیا امیر شاہ اور خلیج محمد سب تمہارے ماتحت ہوں گے۔ ہاں یہاں میرے پاس میرا بیٹا شاہ رخ رہے گا۔ وہ عمر میں تم سے کافی بڑا ہے بلکہ میں یوں کہوں گا کہ وہ عمر رسیدہ ہوتا چارہا ہے۔ اگر میں اسے بھی تمہارے ماتحت کر دوں تو شاید میرے اس اقدام کو احسن نہ جان کر برا محسوس کرے لہذا وہ میرے ساتھ یہاں رکا رہے گا۔

اے نور الدین! یوں سمجھو کہ یہ تمہاری جنگجو یا نہ زندگی کا امتحان ہے اور میں اس لڑائی سے لے کر قلعہ کی فتح ہونے تک گہری نگاہ سے تمہاری کارکردگی کا جائزہ لوں گا اور سنو! سیف الدین کو اس بار میں نے پڑاؤ سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔

نور الدین نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے آقا! یہ دوسرا موقع ہے کہ آپ مجھے میری پسند کا محاذ سونپ رہے ہیں۔ پہلی بار اس وقت جب کہ آپ نے مجھے لٹھوایا کے حکمران دیو لڈ کے خلاف قلعہ خان اور اید کو کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ اور دوسری بار اب جب کہ آپ مجھے راجہ چندول رائے کے خلاف صف آرا کر رہے ہیں۔“

تیمور نے چھپتی ہوئی نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”اور کیا مولیان شہر میں شہاب الدین کے خلاف تیری پسند کا محاذ نہ تھا۔

نور الدین نے بلا جھجک کہہ دیا۔ ”نہیں ہرگز نہیں۔ وہ محاذ ایک مسلمان کے خلاف تھا اور کسی مسلمان کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے بظاہر میں مطمئن ہوتا ہوں لیکن ایسا کرنے پر اندر سے میرا دل موتا ہے۔ اے آقا! آپ دیکھئے گا اس چندول رائے کے

خلافت میں کیسے حرکت میں آتا ہوں۔

گو تیمور نے نور الدین کی اس گفتگو کو ناپسند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار بھی نمودار ہوئے تھے لیکن اپنے آپ کو فوراً ہی سنبھالتے ہوئے وہ بولا۔

”اے نور الدین! اس سلسلے میں تم سے میں قطعاً اتفاق نہیں کرتا۔ میں جنگ میں اپنے مد مقابل کے سلسلے میں اپنے پرانے، دوست دشمن، مذہب و ملت اور رنگ و نسل کی تفریق و جانبداری بالکل فراموش کر کے رکھ دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں ہر کامیاب سپاہی کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔“

نور الدین بھی شاید اس موقع پر بحث کرنے کی ترنگ میں تھا۔ لہذا بولا۔ اے آقا! آپ یقیناً ایسا کر سکتے ہیں لیکن ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے۔ تیمور شاید اس موضوع پر مزید گفتگو نہ کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ اے نور الدین! دیکھو چندول رائے اب اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے ہیں۔ لہذا تم اس کے خلافت حرکت میں آؤ۔ نور الدین پیچھے ہٹ کر فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

نور الدین نے اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا۔ دشمن کے عین سامنے وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رہا۔ دائیں ہاتھ پر اس نے شہزادہ محمد سلطان کو رکھا اور اسے ہدایت کی کہ وہ صرف دشمن کے بائیں پہلو پر ضرب لگاتا ہوا اس کے وسطی حصے کی طرف بڑھے گا۔ بائیں ہاتھ پر شہزادہ پیر محمد کو رکھا اور اسے بھی ہدایت کر دی کہ وہ دشمن کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہوتا ہوا آگے بڑھے گا۔ اس نے علاوہ اس نے عقب لشکر کے دو برابر حصے کیے۔ ایک حصہ آق بونا کو دے کر اسے محمد سلطان کا نائب مقرر کیا اور دوسرا حصہ اس نے خلیل کے حوالے کیا اور اسے شہزادہ پیر محمد کا نائب مقرر کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ دیا کہ جب دشمن کی طرف پیش قدمی شروع ہو تو سارے عساکر کی اگلی صف اپنے سامنے ڈھالیں تان کر رکھے تاکہ دشمن کی تیر اندازی سے محفوظ رہا جائے اور ہر لشکر کی دوسری صف کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی اگلی صف کے ہر

دو سپاہیوں کے درمیانی حصے سے تیر اندازی کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

پس اپنے لشکر کو ترتیب دینے کے بعد نور الدین چندول رائے کے رد عمل کا انتظار کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چندول رائے کے لشکر میں طبل، دھونے، ڈھول، دملے، نقارے اور ٹوبتیں بجنے لگی تھیں جن کا مطلب یہ تھا کہ چندول رائے جنگ کی ابتداء کرنے والا ہے۔ لہذا نور الدین مستعد ہو گیا اور اپنے لشکر کے اندر بھی اس نے طبل جنگ بجوا دیے۔ پھر ان بجتے طبل و نقاروں کے شور میں دونوں لشکر حملہ آور ہونے کے لیے ایک دوسرے کی طرف بڑھے تھے۔

چندول رائے نے اپنی پوری عیاری سے کام لیتے ہوئے تھوڑا سا آگے بڑھ کر اپنی اگلی صفوں سے نور الدین کے لشکر پر تیروں کی بارش کرادی تھی لیکن نور الدین کی ہدایت کے مطابق اس کے لشکر کی اگلی صفوں نے اپنی ڈھالیں آگے رکھ کر چندول رائے کی اس عیاری کو ناکام بنا دیا تھا۔

جس وقت چندول رائے کے لشکر نور الدین کے لشکر پر اندھا دھند تیر اندازی کر رہے تھے۔ اسی وقت نور الدین کے لشکر کی دوسری صفوں نے بھی دشمن پر تیر اندازی شروع کر دی تھی اور اس تیر اندازی سے چندول رائے کی اگلی کئی صفیں چھڑ کر رہ گئی تھیں اپنے لشکر کی یہ صورت حال دیکھ کر چندول رائے نے اپنے لشکریوں کو فوراً حیرانمانی بند کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

اپنے لشکر کی نشت پر اپنے بیٹے شاہ رخ کے ساتھ کھڑا تیمور نور الدین کی اس پہلی کارکردگی پر مسکرا رہا تھا۔

اور پھر جس وقت چندول رائے اپنی ان اگلی صفوں کو درست کرنے لگا تھا۔ جنہیں نور الدین کے تیر اندازوں نے درہم برہم کر دیا تھا تو نور الدین نے ایک دھنیا نہ انداز اور خوف دہرا اس طاری کر دینے والی آواز میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ لشکر کے پیچھے کھڑے تیمور نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تھا اور ساتھ ہی اس نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو سلاتے ہوئے بلند آواز

میں کہا۔

اے نور الدین تو نے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے کس عمدہ طریقے اور وقت کا انتخاب کیا ہے۔ تو نے دشمن کی اگلی صفوں کی تنظیم خراب کر کے اور پھر اسی وقت تکبیر بلند کر کے اور حملہ آور ہونے کا حکم دے کر بہترین اور احسن ترین اقدام کیا ہے۔ اے نور الدین! قسم خداوند کی مجھے تم سے ایسے ہی رویتے، ایسے ہی ردِ عمل کی امید تھی۔ تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر وہ بڑے غمخوارانہماک کے ساتھ نور الدین کو حملہ آور ہونے دیکھ رہا تھا۔

تیمور کے دیکھتے ہی دیکھتے نور الدین، نفرتوں کی آگ، پیاس کے صحرا، رگوں میں مچلتے خون، نگاہ ہر دم اور موج طوفان کی طرح چندول رائے کی ان صفوں پر حملہ آور ہوا تھا جس کی تنظیم چند ثانیہ قبل اس کے تیر اندازوں کے بگاڑ کر رکھ دی تھی۔ اس حملے کے سامنے چندول رائے نے پوری کوشش کی کہ اینی، بگڑی صفوں کی ترتیب کرے لیکن نور الدین نے اسے ایسا نہ کرنے دیا تھا۔ اس لیے وہ لگاتار تکبیریں بلند کرتا ہوا کچھ ایسے انداز میں اس کی ان بگڑی ہوئی صفوں کے اندر آن گھسا تھا جس طرح زمین کے سفاک عناصر سیاہ کاروں کے زور پر جاوی ہو جاتے ہیں جس طرح نیکی کا طوفان اہل ہوس کے جوش پر غالب آ جاتا ہے۔

ایسی ہی کچھ کیفیت نور الدین کے حملوں نے بھی پیدا کر دی تھی۔ وہ رات کی سیاہ آنکھوں، گرد سفر کی صورت اور نفرت کی بجھی آگ کے دھوئیں کی مانند دشمن کی صفوں کے اندر چھیلتا، بکھرتا چلا گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا آسمان کی نیلی آنکھیں اس کے ان پر جوش حملوں پر مشیت کا اخراج نچھادر کر رہی ہوں۔

اپنے حملوں کی شرر باری سے نور الدین دشمن کی ردحوں کے تخیل بے گشتوں کو پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ عجیب سمرتی و سرشاری میں غرق ہو کر نور الدین نے چندول رائے کے لشکر کے وسطی حصوں کو خاک و خون میں تھیر کر رکھ دیا تھا۔ چندول رائے کے لشکر اب آتش و ان کی مرق آگ اور زندگی کے خاموش او

انہماں تحول کی طرح اس کے سامنے سے سمٹتے اور ہٹتے جا رہے تھے۔ دشمن کو اپنے سامنے مارتا، کاٹتا، دھکیلتا اور پسپا کرتا ہوا وہ انہیں شہر کے اطراف کی خندق تک لے گیا تھا۔

اس موقع پر تیمور نے بھر چلا کر کہا۔ "اے نور الدین! تو نے دشمن کی ظلم و خوت کے خلاف کیا خوب راست اقدام کیا ہے۔ اے نور الدین! تو نے دشمن کی ہر کوشش کو کاوش بے حصول میں تبدیل کر دیا ہے۔ میرے عزیز! تو نے زرد موسم کے خشک پتوں کی طرح اپنے سامنے دشمن کو منتشر کر کے رکھ دیا۔"

تیمور زرا خاموش رہا پھر وہ پہلے کی نسبت اور زیادہ زور کے ساتھ چلنے لگا ہوا بولا۔ "اے شاہ رخ! میرے بیٹے! نور الدین نے اپنے ان حملوں سے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ اگر یہ مجھ سے ناراض ہو کر میرے خلاف سات مرتبہ بغاوت و سرکشی بھی کر دے تو قسم مجھے اپنے خداوند کی میں اس کی ساتوں مرتبہ بغاوت و سرکشی کو بخوشی معاف کر دوں گا۔" جواب میں شاہ رخ بھی اپنے باپ کے اس عہد پر مسکراتے ہوئے خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

شہزادہ محمد سلطان اور پیر محمد بھی دائیں بائیں سے حملہ آور ہوتے ہوئے دشمن کے اندر گھسنا شروع ہو گئے تھے لیکن دشمن کو اپنے سامنے بڑی طرح پسپا کرتے ہوئے نور الدین نے چندول رائے کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی۔ اس لیے چندول رائے نے اپنے لشکر کی زیادہ قوت کو نور الدین کے سامنے لگا دیا تھا۔ اس طرح محمد سلطان اور پیر محمد کے سامنے دشمن کا دباؤ اور زور کم ہو گیا تھا اس لیے ان دونوں کو آگے بڑھنے کا خوب موقع مل گیا تھا۔

طلسمی رات اور اشکوں کے سوز کی طرح دشمن کے قلب کو خون آلود کرنے کے بعد نور الدین اپنے دائیں بائیں اب دُور دُور تک پھیلتے ہوئے حملہ آور ہونے لگا تھا۔

چندول رائے نے جب دیکھا کہ نور الدین نے اس کے لشکر کو ہلا کر رکھ دیا ہے

اور یہ کہ اس کے قلب لشکر کو تباہ کرنے کے بعد اب وہ دائیں بائیں جانب پھیل پھیل کر حملہ آور ہونے لگا ہے تو اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر کے انتہائی احتیاط حرکت کی ہے اور اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور شہر سے باہر دشمن کے ساتھ جنگ کرتا رہا تو اس کے لشکر کا مکمل طوق پر صفایا ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا اس نے اپنے لشکر کو حکم جاری کر دیا کہ فی الفور پیچھا ہو کر اور شہر میں داخل ہونے کے بعد محصور ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لہذا اس کا لشکر فوراً سمٹ کر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کا دواڑہ بند کر دیا جا رہا تھا۔

لیکن نور الدین نے چند دنوں کے اندر اس کو شش کو ناکام بنا دیا۔ چند دنوں کے لشکر جب شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کے محافظوں نے شہر پناہ کا دواڑہ بند کرنا چاہا تو نور الدین نے ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کر دیا اور چند دنوں کے اندر اس کے لشکر کے پیچھے پیچھے وہ بھی بھٹنیر شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

تیمور نے جب دیکھا کہ نور الدین دشمن کا تعاقب کرتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا ہے تو اس نے چلا چلا کر محمد سلطان اور پیر محمد کو حکم دیا کہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ وہ بھی شہر میں داخل ہو کر نور الدین کی مدد کریں۔ اس کے علاوہ تیمور خود بھی بھاگ کر اپنے گھوڑے پر سوار اور گھوڑے کو اس نے شہر کی طرف سرپٹ دے دیا تھا۔ تیمور کا بیٹا شاہ رخ بھی اپنے گھوڑے پر سوار اپنے باپ کے ساتھ ساتھ تھا۔

اب شہر کے اندر خونریزی لڑائی شروع ہو گئی تھی۔ چند دنوں کے اندر بڑی کوشش کی کہ نور الدین اور اس کے لشکر کو وکیل کر شہر سے باہر نکال دینے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور پھر اب تو محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکر بھی شہر میں داخل ہونا شروع ہو گئے اور لمحہ بہ لمحہ نور الدین کی قوت میں بے پناہ اضافہ کرتے جا رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ چند دنوں کے اندر اس کے لشکر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پیر محمد کا زیادہ نور پڑنے پر پیچھے ہٹنا شروع ہو گیا تھا اور جس وقت امیر تیمور اپنے

بیٹے شاہ رخ کے ساتھ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہوا تو سمرقند کے لشکر اور زیادہ رہ پھر بھر کر حملہ آور ہونے لگے تھے۔

چند دنوں کے اندر اس نے جو یہ صورت حال دیکھی تو اپنے لشکر کے ساتھ وہ ایک بار پھر پیچھا ہوا اور بھٹنیر شہر کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ وہ شہر کے اندر اپنے مضبوط و محفوظ قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

تیمور اپنے بیٹے شاہ رخ کے ساتھ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا نور الدین کے پاس آیا اور اپنے گھوڑے کو اس کے گھوڑے کے قریب لاکر اس کا شانہ چھپتھپاتے ہوئے اس نے کہا: "اے نور الدین! تو نے میری امیدوں سے کہیں بڑھ کر دشمن پر ضرب لگائی ہے اور اس کے نتیجے میں تم دیکھ رہے ہو کہ چند دنوں کے اندر اب تمہارے سامنے چھپتا پھرتا ہے۔"

شاہ رخ بھی قریب آیا اور نور الدین کے سامنے اپنے گھوڑے کو روکتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا: "اے نور الدین! بخدا یہ فتح تیری حکمت عملی کی وجہ سے ہے اور اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔"

پھر تیمور نور الدین کے ساتھ مل کر مال غنیمت کے وہ ڈھیر میٹھے لگا تھا جو اس عظیم فتح پر حاصل ہوئے تھے۔

مال غنیمت سمیٹنے اور اسے اپنے قبضہ میں کرنے کے بعد تیمور شہر کے اندر اس قلعہ کی طرف متوجہ ہوا جس کے اندر چند دنوں کے اپنے لشکر کے ساتھ محصور ہو گیا تھا۔ تیمور نے فیصلہ کیا کہ قلعے کی بیرونی دیوار میں نقب لگا کر اسے گرا دیا جائے۔

چند دنوں کے اندر اس نے جب کی خبر ہوئی تو بڑا فکر مند ہوا۔ اپنا ایک قاصد اس نے تیمور کی خدمت میں روانہ کیا اور اس قاصد کے ذریعے اس نے استدعا کی کہ صرف ایک دن کی مہلت دی جائے اور دوسرے روز وہ قلعہ چھوڑ دے گا۔

تیمور نے چند دنوں کے اندر اس پر اعتماد کر کے اسے ایک دن کی مہلت دے دی لیکن چند دنوں کے اندر اس نے دھوکہ دہی سے کام لیا۔ وعدہ خلافی کی اور دوسرے روز

گیا۔ اب ہندوستان کا مرکزی شہر اس سے قریب ہی تھا اور شاید اس پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس نے وہاں دریائے جمنہ کے کنارے کچھ دن سستانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

○

امیر تیمور دریائے جمنہ کے کنارے اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت اس کے ساتھ اس کے خیمے میں سیف الدین، شاہ رخ، محمد سلطان اور پیر محمد بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور ان کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ نور الدین خیمے میں داخل ہوا اور تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے استقامت انداز میں پوچھا۔ ”اے آقا! کیا آپ نے مجھے طلب کیا؟“

تیمور نے اپنے قریب خالی نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”ہاں میں نے تمہیں بلا لیے۔ آؤ یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔“

نور الدین جب آگے بڑھ کر تیمور کے پہلو میں بیٹھ گیا تو تیمور نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”اے میرے عزیز! میں تم لوگوں کو ایک انتہائی اہم خبر کے بارے میں آگاہ کرنے والا ہوں اور اس خبر کے رد عمل کے طور پر جو میں نے فیصلہ کیا ہے اور عملی قدم اٹھایا ہے اس بھی میں تم لوگوں سے ذکر کرتا ہوں۔“

اے میرے عزیزو! گزشتہ شب سمرقند سے میرا ایک ناظر یہ خبر لایا تھا کہ شاری ملک پھر کہیں سے نمودار ہو کر شاہی حرم میں رہنے لگی ہے اور اس ناظر نے مجھ سے اس خدشے کا ذکر بھی کیا تھا کہ خلیل نے شاری ملک سے شادی کر لی ہے۔ مجھے خلیل کی اس حرکت کا سخت صدمہ ہوا ہے۔ گو میں نے اسے یلدا کر اس کے ساتھ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی میں کروں گا لیکن میں نے گزشتہ شب ہی اپنا ایک قاصد سمرقند روانہ کر دیا تھا۔ اس قاصد کے ہاتھ میں نے اپنا ایک تحریری حکم نامہ بھی ارسال کر دیا ہے جس میں شاری ملک کو میں نے فوراً قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔“

تیمور ذرا کا پھر وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔ ”اے میرے عزیزو! شاری ملک کے قتل کا حکم جاری کر کے اپنے زعم میں ایک بہترین اور مناسبت فیصلہ میں نے کیا ہے۔ کیا تم میں سے کسی کو میرے اس فیصلے کے خلاف کوئی اعتراض ہے؟“

قلعہ سے باہر نہ آیا۔ اس پر تیمور نے قلعہ کی دیوار میں نقب لگانے کا حکم دے دیا تھا اس پر قلعہ کے اندر محصور لوگ دیوار پر چڑھ کر رونے اور واہلا کرنے لگے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے چند دنوں رائے کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ شیخ فرید الدین شکر گنج کے جو صاحبزادے اس کے پاس بھٹنیر میں پناہ لیے ہوئے تھے انہیں ساتھ لے کر وہ قلعے سے باہر آیا۔ تیمور کی خدمت میں وہ پیش ہوا اور عمدہ عمدہ تحائف کے علاوہ تیمور کو اس نے قیمتی کپڑے اور تین سو عراقی گھوڑے پیش کیے۔ تیمور نے اس کی جاں بخشی کرتے ہوئے اسے خلعت سے نوازا اور قلعے کے اندر محصور لوگوں کو اس نے وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا تھا۔

لیکن چند ہی دنوں بعد تیمور کو خبر ہو گئی کہ چند دنوں رائے اور اس کا بیٹا شہر کے لوگوں کو تیمور کے خلاف بغاوت بھڑکا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ لہذا تیمور اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے حرکت میں آیا۔ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے انہیں چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ شہر کو آگ لگا کر مکمل طور پر تباہ کر دیا اور پھر وہاں سے اس نے کوچ کر لیا تھا۔ بھٹنیر سے نکل کر فتح آباد کو مسار کیا۔ اس کے آگے بڑھتے ہوئے اس نے توہنہ اور ہردونی کے قلعوں کو آگ لگا کر برباد کیا۔ یہاں تک کہ سمانہ پر قبضہ کرتا ہوا کیتھل کے مقام پر اقامت گزیرا۔ چند دن کیتھل میں گزارنے کے بعد اس نے پھر پیش قدمی شروع کی اور پانی پت کے میدان میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں بھی اس نے چند روز تک قیام کیا اور دوبارہ حرکت میں آئے ہوئے اس نے دریائے جمنہ کو پار کیا اور ہندوستان کے کنارے ہندوؤں کے عظیم قلعہ لونی کے سامنے نمودار ہوا۔

اس قلعے میں صرف دو ہی طرح کے لوگ رہتے تھے۔ ایک ہندو اور دوسرے آتش پرست۔ تیمور نے بڑی دشمنی لونی کو فتح کیا اور دریائے جمنہ کے کنارے خیمہ زن ہو

یہ ایک بڑی گہری ندی تھی جسے سلطان فیروز شاہ تغلق نے دریا کا پانی کو کاٹ کر نکالا اور اسے لونی کے مقام پر دریائے جمنہ میں ڈال دیا تھا۔

تیمور کے اس سوال پر سب خاموش اور تجسس لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پر تیمور کے اس سوال کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ اس صورت حال پر تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: ”تم سب لوگوں کی خاموشی بتاتی ہے کہ تم میرے اس فیصلے سے متفق ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاری ملک ایک بدی کی صورت میں میرے گھرانے میں داخل ہوئی اور اگر اس بدی کا قلع قمع نہ کیا گیا تو پھر یہ اور پھیل اور بکھر جائے گی۔ بہر حال میں خوش ہوں کہ تم میرے اس فیصلے سے اتفاق کرتے ہو۔ اب شاری ملک کی مرگ کا فیصلہ جاری کرنے کے بعد مجھے کوئی ڈکھ اور غم نہیں نہ ہوگا۔ چند ثانیوں تک تیمور خاموش رہا۔ پھر اس بار اس نے نورالدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے نورالدین! یہاں سے نکلنے کے بعد تم سیدھے یوحنا کے خیمے میں جانا اس کی بیوی مانتھس سخت بیمار ہے۔ گو میرے ذاتی طبیب اس کا علاج کر رہے ہیں لیکن وہ جانبر نہیں ہو رہی۔ میرا اپنا اندیشہ ہے کہ وہ اس بیماری سے بچ نہ سکے گی۔ تمہارا وہاں جانا بے حد اہم اور ضروری ہے۔ اور اگر تم وہاں نہ گئے تو انہیں شکوہ اور گلہ ہوگا۔ اس لیے کہ وہ ان گنت توقعات تم سے وابستہ رکھتے ہیں۔ لہذا تم ضرور وہاں جاؤ۔ مانتھس بے چاری بھٹیئیر سے پڑاؤ کے دوران ہی بیمار ہو گئی تھی گو اس کا علاج جاری رہا لیکن یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کی بیماری زور پکڑ گئی ہے اور دواؤں کے علاوہ اب اسے دواؤں کی زیادہ ضرورت ہے میرے او۔ سیف الدین کے علاوہ محمد سلطان اور پیر محمد بھی مانتھس کی تیمارداری کر چکے ہیں اور جو بھی ان کے ہاں جاتا ہے، یوحنا اور انجیلینا اس سے تمہارا ضرور پوچھتے ہیں۔

مانتھس کا من کہ نورالدین فکر مند سا ہو گیا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے کہا: ”میں اب یوحنا کے خیمے کی طرف ہی جاتا ہوں اور وہاں مانتھس کا حال دریافت کرتا ہوں۔“

تیمور کے خیمے سے نکلنے کے بعد نورالدین نے حدنگاہ تک پھیلے ہوئے

خیموں کو ایک بار غور سے دیکھا۔ پھر تیمور کے خیمے سے صرف چند ہی خیمے چھوڑ کر وہ یوحنا کے خیمے میں داخل ہوا۔ مانتھس اس وقت آتش دان کے قریب کھجور کی چٹائی پر لگے ہوئے ایک بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ جب کہ یوحنا اس کے سر ہانے اور انجیلینا پاؤں کی طرف بیٹھی اپنی ماں کی ٹانگیں اور پاؤں دبا رہی تھی۔

نورالدین کو اپنے خیمے میں دیکھ کر مغموم اور ملول بیٹھی ہوئی انجیلینا یکسر بدل گئی تھی۔ نورالدین کے آنے پر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے غم زندگی سے بھرپور شب کو طلوع صبح نصیب ہو گئی ہو۔ شفق زاروں کی طرح اس کے اعلیٰ تراش کے لب ہلکے کٹھے تھے اور ان گنت گلوں کے ہجوم کی مانند اس کا رخ دمک اٹھا تھا۔ مجموعی طور پر انجیلینا چاک گر بیان سے آفاق کی گنگناہٹوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔

اپنی ماں کے پاؤں دباتے دباتے نورالدین کو دیکھتے ہی وہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس موقع پر یوحنا نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”اے امیر نورالدین! آج آپ کو اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے قسم خداوند کی میں اپنے آدھے غم بھول گیا ہوں۔

بے سدھ سی پڑی ہوئی مانتھس نے بوجھل بوجھل آنکھیں اٹھا کر نورالدین کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر دُونا بھر کے غموں میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ نورالدین نے آگے بڑھ کر مانتھس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی عقیدت کے انداز میں پوچھا: ”آپ کیسی ہیں؟“

نورالدین کے اس سوال کا مانتھس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس بے چاری مغموم سے انداز میں وہ نورالدین کو دیکھ جاتا رہی تھی۔ اس موقع پر نورالدین نے بلند آواز میں یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

”مجھے آپ لوگوں سے بڑا شکوہ اور شکایت ہے۔ آپ لوگ کم از کم مجھان کی بیماری سے متعلق ہی اطلاع کر دیتے تو میں ان کا حال پوچھنے بہت پہلے کا حشر ہو چکا ہوتا۔“

یوحنا نے پُرشوق آواز میں کہا۔ "اے نور الدین! قسم خداوند کی مجھے اپنی زندگی کا بترین انتظار تھا کہ کب تم کبھی میرے خیمے میں بھی آؤ گے۔ اب جب کہ تم خود آ گئے ہو تو مجھے تم سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں رہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرے اس خیمے کا ماحول ہی یکسر بدل کر رہ گیا ہو۔" یوحنا کی اس گفتگو پر قریب کھڑی اینجیلینا یوں خوش ہو کر مسکرا رہی تھی۔ جیسے کسی نے سحر کے ماتھے پر شبنم چھڑک دی ہو۔

نور الدین نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ مانتھس کی بیماری کی وجہ سے مصروف تھے تو کم از کم آپ اینجیلینا کو ہی بھیج کر مجھے اطلاع کر دیتے۔ اگر آپ کو نیا نہ رہا۔ تو اینجیلینا خود بھی آ کر مجھے اس کی اطلاع کر سکتی تھی۔"

اینجیلینا، نور الدین اور یوحنا کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس موقع پر وہ نور الدین سے کچھ کہنا چاہتی تھی پر یوحنا نے خود ہی اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اے نور الدین! جس وقت ہندوستان بدھ حملہ آور ہونے کے لیے ہم لشکر کے ساتھ سمرقند سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت ہی اینجیلینا نے میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ ان جنگوں کے دوران وہ نہ صرف تمہارے خیمے کی صفائی سکھرائی بلکہ تمہارے کھانے کا خیال بھی خود رکھا کرے گی اسی لیے میں امیر تمہارے کہہ کر تمہارے حصے کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا اور میرا خیمہ تمہارے خیمے کے برابر میں نصب ہونے لگا تھا۔ لیکن اے نور الدین! اس دن اینجیلینا کچھ مجھ سے گئی تھی جب شہاب الدین کو شکست دینے اور مولیان پر قابض ہونے کے بعد تم اپنے خیمے میں داخل ہوئے تو وہاں اینجیلینا تمہارا کھانا لے کر تمہاری منتظر تھی اور خیمے کی صفائی کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے وہاں آتش دان میں آگ بھی روشن کر رکھی تھی۔"

اے نور الدین! اس روز جو تم نے اینجیلینا سے یہ کہا کہ "اے اینجیلینا! تمہارا میرے خیمے میں اکیلے آنا اور پھر میرا کھانا لے کر آتش دان کے پاس میرا انتظار کرنا۔ اس سے میرے لشکر کی اور دیگر لوگ کیا اثر لیں گے؟ اے نور الدین! اینجیلینا نے وہاں تمہاری باتوں کا جواب تو ضرور دیا لیکن اس روز سے سنجیدہ اور خاموش سی ہو گئی تھی قسم خداوند کی اس روز کے بعد آج پہلی بار میں اپنی بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ اور اطمینان دیکھ

رہا ہوں۔ جس روز تم نے کھلے میدان میں راجہ چنڈول رے کو شکست دی اور پھر بھٹنیر شہر پر قبضہ کیا۔ اس روز بھی میں نے اینجیلینا سے کہا۔ "کہ جاؤ امیر نور الدین کو اس فتح پر مبارک باد دے کر آؤ لیکن یہ بات کو ٹال گئی اور نہیں گئی اور قسم خداوند کی اس روز مجھے اپنی بیٹی کی حالت پر بہت دکھ ہوا تھا۔"

یوحنا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ پر اینجیلینا نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ "اے میرے باپ! آپ بھی کیسی گفتگو لے بیٹھے ہیں۔ کیا امیر نے ہمارے خیمے میں آکر میری شکایتیں سارے شکوے دور نہیں کر دیئے۔ پھر جین اینجیلینا نے براہ راست نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر! میں آپ کے لیے کھانے کے لیے کچھ لاؤں؟"

نور الدین نے بھی اس بار خوش طبعی میں کہا۔ "گو میں نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں سے ہو کر کھانا اپنے خیمے میں جا کر کھاؤں گا لیکن اب تم لے آؤ۔ ایسا نہ ہو میرے انکار پر تم پھر سنجیدگی اور خاموشی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے گھر کا ماحول خراب کر دو۔" نور الدین کے ان پر اینجیلینا اور یوحنا کھل کر ہنس دیئے تھے۔

اینجیلینا تیکھی رنگا ہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسرت اور خوشی میں سرور وہ قلابچیں بھرتی ہوئی خیمے کے دوسرے کمرے میں داخل ہوئی اور وہاں ایک طشت میں نور الدین کے لیے خشک اور تازے پھل تازہ بھنا ہوا گوشت، پنیر اور کچھ خمیری روٹیاں لے آئی تھی۔

طشت نور الدین کی گود میں رکھتے ہوئے اینجیلینا نے اپنی آواز میں دُنیا بھر کی مٹھاس اور چاہتوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "لیجیے کھائیے میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔" پھر اینجیلینا دوبارہ اٹھی اور پانی کا ایک پیالہ بھر لائی اور نور الدین کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

اس موقع پر یوحنا جب اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو نور الدین نے کہا۔ "آپ بیٹھیں نا آپ بھی تو کھائیں۔"

یوحنانے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے۔ میں کھا چکا ہوں بیٹے! تم کھاؤ اتنی دیر تک میں ماتھس کے لیے طبیب سے دوا لے آتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یوحنانہ کھانے سے باہر نکل گیا اور نورالدین طشت اپنی گود میں رکھے خاموشی سے کھانے لگا۔

جب نورالدین کھا چکا تو اینجیلینا نے ہاتھ منہ صاف کرنے کے لیے اسے ایک انگوچھا لاکر دیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی کھلی کرائی اور طشت و پیالہ اٹھا کر نیچے کے دوسرے کمرے میں رکھ آئی اور دوبارہ نورالدین کے قریب آکر بیٹھ گئی تھی اس موقع پر ماتھس نورالدین کو مخاطب کرتے ہوئے نجیف و نزار سی آواز میں بولی۔

’اے نورالدین! اپنے کان میرے قریب کر دو۔ میں بھی تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔‘

نورالدین جھجک گیا اور اپنا چہرہ اس نے ماتھس کے قریب کر لیا تھا۔

ماتھس نے انتہائی نرم اور ڈوبی ڈوبی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ’اے نورالدین! میرے بیٹے! میں تسلیم کرتی ہوں کہ اینجیلینا سے تمہیں ٹھکرا دینے کی غلطی ہو گئی تھی اب وہ اپنی غلطی کو تسلیم بھی کرتی ہے۔ تم اسے معاف کر دو بیٹا! اس کی تمہیں غلام ابن غلام کہنے کی غلطی فراموش کر دو کہ اب تو یہ تمہیں دیوانگی اور جنون کی حد تک پسند کرتی ہے۔ اب تم ہی اس کی زندگی کا محور و منزل ہو اور اے نورالدین! اگر تم نے اینجیلینا کو ٹھکرا دیا تو میں سمجھتی ہوں یہ پاگل لڑکی کچھ کر بیٹھے گی اور اپنے آپ کا خاتمہ کر لے گی۔ میں اس کی حساس طبیعت کو خوب جانتی ہوں۔‘

اے نیک دل فرزند! میری زندگی کا آب کوئی اعتبار نہیں ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے میں اب چند ہی دنوں کی ممان ہوں۔ اس موقع اینجیلینا نے تڑپ کر اپنا ہاتھ ماتھس کے منہ پر رکھ دیا تھا۔

نورالدین نے نگاہ اٹھا کر اینجیلینا کی طرف دیکھا۔ وہ بے چاری اپنی سسکیوں اور ہچکچوں کو روکتی ہوئی بڑی طرح رو رہی تھی۔ اس کے آنسو تواتر کے ساتھ موتیوں کی طرح اس کی گود میں گر رہے تھے۔ وہ بے چاری اپنی ماں کے منہ پر ہاتھ ہی

رکھ کر رہ گئی تھی۔ منہ سے کچھ نہ کہہ سکی تھی کہ اس کی آواز تو اس کی ہچکچوں میں ڈوب رہی۔ نورالدین ہمدردی اور درمندی سے بھرپور آواز میں کہا۔ ’اینجیلینا! اینجیلینا! اپنی ماں کے منہ سے ہاتھ ہٹا دو اور اسے اپنی بات مکمل کرنے دو۔‘

نورالدین کی بات مانتے ہوئے اینجیلینا نے فوراً ماتھس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ پھر اس بے چاری نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اس کا سر اس کے گھٹنوں کی طرف جھک گیا تھا اور وہ بڑی طرح رونے لگی تھی ماتھس اپنی گفتگو جاری رکھنے کی خاطر پھر کہہ رہی تھی۔

’اے نورالدین! اپنی موت کے بعد جب میں اپنی بیٹی کی زیست اور اس کے مستقبل کی طرف نگاہ دوڑاتی ہوں تو مجھے اشکوں کے سوز، احساس کمتری کی آگ، دکھی رُوحوں کے نوحے اور تابوت کی سہی تنہائیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میرے بعد یوحنانہ کی طرف وہ توجہ اور دھیان نہ دے سکے گا جس قدر اس کو ضرورت ہوگی اور جس قدر اس کا حق ہوگا۔ اور میرے بعد اس بے چاری کی حالت دل پر قطرہ قطرہ گرتے گرم آنسوؤں، لمحوہ تکلیف و انداز میں گزرتی ہوئی رات اور زخمیہ صدمہ جیسی ہو کر رہ جائے گی۔ آہ بے چاری اینجیلینا، دنیا کی ان لمبی راتوں پر یہ کس قدر بے آسرا اور کیسی لاچار و مجبور ہوگی۔‘

اپنی ماں کی اس گفتگو پر اینجیلینا بے چاری بے ضبط سی ہو گئی اور دھاڑیں مار مار کر وہ رونے لگی تھی۔ ذرا رک کر ماتھس پھر کہہ رہی تھی۔ ’یوحنانہ کے بعد اگر اینجیلینا کے سلسلے میں کسی پر میں بھروسہ و اعتماد کر سکتی ہوں تو اے نورالدین! مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اے نورالدین! میرا تم پر ایسا اعتماد ہے کہ اگر اینجیلینا برسوں تک تمہاری پناہ میں پڑی رہے تب بھی میں تمہارے اور اس کے تقدس کی قسم کھا سکتی ہوں۔‘

اے نورالدین! میری دلی خواہش ہے کہ تم اینجیلینا کی ماضی کی ساری زیادتیوں کو فراموش کر کے اسے اپنانے کا عہد کر لو۔ میں تمہیں وعدہ دیتی ہوں کہ اینجیلینا تمہیں

یادوں کی خوشبو جیسا خوش، باتوں کی لاگ جیسا پرسکون رکھے گی۔ اس لیے کہ انجیلینا دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند کرتی ہے اور اپنی اسی محبت و چاہت کے بل بوتے پر وہ تمہاری زندگی کو لذتوں سے شرابور کر کے تمہارے دل کے نہاں خانوں میں اطمینان و سکون کے شیش محل کھڑے کر کے رکھ دے گی اور اے نور الدین! اگر تم انجیلینا سے شادی نہ کرنا چاہو تب بھی تم اسے اپنے ہاں بیوی کی حیثیت سے نہیں تو ایک لوطی و خادمہ کی حیثیت سے ہی رکھ لینا۔

اے نور الدین! میرے عزیز! انجیلینا کی اگر کہیں اور شادی کرنے کی کوشش کی گئی تو میں جانتی ہوں کہ یہ ضرور خودکشی کر لے گی اور یہ بات اس کا باپ یوحنا بھی جانتا ہے۔ پس کہی اور کے گھر جانے کے بجائے یہ تمہارے ہاں خادمہ کی حیثیت سے زیادہ خوش رہے گی۔

یہ گفتگو سننے کے بعد انجیلینا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور دھڑکیں مار مار کر روتی ہوئی وہ خیمے کے اندر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

نور الدین نے ہمدردی سے مانتھس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر درمندی سے بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”اس حالت میں ایسی گفتگو آپ کے لیے اچھی نہیں ہے۔ یوحنا طبیب سے دوا لے کر آتے ہی ہوں گے۔ میری دعا ہے خداوند آپ کو شفا عطا کرے۔“

مانتھس کے پاس سے اٹھ کر نور الدین خیمے کے دوسرے کمرے کی طرف گیا اس نے دیکھا وہاں انجیلینا اپنی سسکیوں اور ہچکیوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے رورہی تھی۔ نور الدین نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”انجیلینا! انجیلینا! اٹھ کر ماں کے پاس بیٹھو۔ میں اب جاتا ہوں۔ شاید تمہارے بابا بھی تھوڑی دیر تک طبیب سے دوا لے کر لوٹ آئیں۔“

نور الدین کے جانے کا سن کر انجیلینا بے چاری نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ چونک کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی آنکھیں اس نے خشک کر لیں۔ پھر اس نے

مدھم اور کبھری سی آواز میں کہا۔ ”آپ بیٹھیں نا۔ بابا اب لوٹنے والے ہی ہوں گے۔ ان کے آنے تک تو رکیں نا۔“

نور الدین نے ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے انجیلینا! میں تمہاری ماں کی خبر گیری کرنے اب آتا ہوں گا۔ اگر میری غیر موجودگی میں کبھی ان کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے تو مجھے ضرور آگاہ کرنا۔ جس طرح اب تک اندھیرے میں رکھا ہے ایسی ہی بے خبری میں نہ رکھنا اور سناو اب تم اپنے آپ کو سنبھالو تمہیں روتی حالت میں دیکھ کر مانتھس کے لیے یقیناً ناقابل برداشت ہو گا۔ میرے سائے اپنے منہ پر چھینٹے دے کر اپنی ماں کے پاس بیٹھو۔“

نور الدین کی اس خواہش پر انجیلینا فوراً حرکت میں آئی۔ طہارت خانے میں جا کر اس نے منہ دھویا اور پھر اپنی ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔ نور الدین اس کی اس حالت پر فدا سا مسکرایا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خلا حافظ کہا۔ پھر وہ خیمے سے نکل گیا تھا۔



سب سے پہلے سیف الدین بوللا اور کہا: "ہمیں اپنے اس پڑاؤ کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنے اس پڑاؤ کی حفاظت کرتے ہوئے دشمن کو آگے بڑھنے کا موقع دیا اور پھر بھرپور طریقے سے اس پر ضرب لگائی جائے۔"

سیف الدین کے خاموش ہونے شہزادہ پیر محمد نے کہا: "میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے پڑاؤ اٹھالینا چاہیے اور فوراً دشمن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس سے ٹکرا جانا چاہیے۔ ہمارے یہاں پڑاؤ کیسے رہنے سے دشمن اسے ہماری کمزوری جانے گا۔ اس طرح اس کے حوصلے بند ہوں گے اور وہ جنگ میں فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔"

محمد سلطان نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے کہا: "میں محترم سیف الدین کے مشورے سے اتفاق کرتا ہوں۔ دشمن کو آگے بڑھنے دیا جائے۔ اس طرح وہ اپنے مرکز سے دُور ہوگا اور اس کے لیے بھی رسد و کمک کے مسائل کھڑے ہوں گے اور ہم باسانی اس پر قابو پالیں گے۔"

محمد سلطان کے خاموش ہونے پر نور الدین نے اپنا مشورہ دیتے ہوئے کہا: "اے آقا! میں امیر سیف الدین اور محمد سلطان کے مشوروں سے کسی حد تک اتفاق کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ان میں کچھ تبدیلیاں بھی چاہتا ہوں۔"

بلکی بلکی مسکراہٹ میں تیمور نے پوچھا: "وہ تبدیلیاں کھل کر کہو جو تم چاہتے ہو۔ نور الدین نے پھر کتنا شروع کیا۔ اے آقا! اول یہ کہ اپنے اس پڑاؤ کے شمال اور مشرقی حصوں میں خندق کھودی جائے۔"

کچھ دوسرے سرداروں نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا: "خندق کھودنے کا کیا فائدہ اور پھر اس میں بھرنے کے لیے پانی کہاں سے آئے گا۔"

اس پر تیمور کے بیٹے شاہرخ نے اپنی خفگی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے نور الدین کو اپنی بات مکمل کرنے دی جائے۔ پھر اس کے مشورے میں اگر کوئی خامی ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔"



چند روز تک دریا کے جہنم کے مشرقی کنارے تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے رکھا۔ پھر اپنے لشکر کے ساتھ اس نے دریا کے جہنم کو عبور کیا اور پیش قدمی کرتا ہوا وہ فیروز آباد کے میدانوں میں خیمہ زن ہوا۔ تیمور کو یہ خبر بھی مل گئی تھی کہ ہندوستان کا بادشاہ ناصر الدین محمود اپنے سپہ سالار ملو خان کے ہمراہ ایک جہاز لشکر کے ساتھ ان کا رخ کر رہا ہے۔ لہذا جنگ کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے تیمور نے اپنے مشیروں، علماء اور سالاروں کا اجلاس طلب کیا۔ جب یہ سارے لوگ اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تب تیمور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے میرے عزیزو! میں نے تمہیں اس لیے طلب کیا ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ ہند کا بادشاہ ناصر الدین محمود اس کا سپہ سالار ملو خان ایک بہت بڑا اور جہاز لشکر کے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں اور میں تم لوگوں کو یہی بتا رہا ہوں کہ اس سرزمین کے اندر اب تک جتنی میں جنگیں ہم نے کی ہیں۔ یہ آنے والی جنگ میرے جنگ میں طرفین کے لیے سب سے زیادہ ہولناک جنگ ہوگی۔ لہذا اے میرے عزیزو! کہو اس رونما ہونے والی جنگ میں کامیاب و سرفراز ہونے کے لیے تم لوگ مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"

پاؤں اکھاڑ کر رکھ دیں گے۔

اور اے آقا! اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ داییں بائیں سے حملہ آور ہونے والے لشکر دشمن کی نگاہ سے اوجھل رہ کر پیش قدمی کریں اور اچانک اس پر ٹوٹ پریں۔ اس طرح دشمن پر ہم سہ طرفہ حملہ کر کے نہ صرف اس کی توجہ تین حصوں میں بانٹ کر رکھ دیں گے۔ بلکہ ہماری طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اس نے اپنے لشکر کی ترقیب دی ہوگی وہ ترتیب دی ہوگی وہ ترتیب و تنظیم بھی ہم بگاڑ دیں گے۔

اس طرح دشمن کو ان سہ طرفہ حملوں کا جواب دینے کے لیے اپنے لشکر کے اندر بنیادی تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور جب تک وہ یہ تبدیلیاں کرے گا، اس وقت تک ہم ان کے پاؤں تلے سے زمین چھینچ کر رکھ دیں گے۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے اپنے بیٹے شاہرخ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے شاہرخ! میرے بیٹے! تم بھی بولو، تمہارا کیا مشورہ ہے۔

شاہرخ نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! میں نور الدین کی تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اس لیے کہ میرے پاس اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے۔ تاہم میں اس موقع پر جن حضرات نے خندق کھودے مہلتے پر اعتراض کیا تھا۔ ان سے ضرور سوال کروں گا کہ اب جب کہ نور الدین اپنی بات مکمل کر چکا ہے۔ اب انہیں نور الدین کی پیش ہوئی تجویز پر کوئی اعتراض ہو تو ضرور بولیں۔

تیمور نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ کسی کو نور الدین کی اس تجویز پر کوئی اعتراض ہو تو کہے۔

سب لوگ خاموش بیٹھے رہے اور کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔ اس پر تیمور نے پڑاٹھیان آواز میں کہا۔ اگر ایسا ہے تو پھر سنو! نور الدین کی اس تجویز سے میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ خندق کھودنے کا کام آج ہی شروع کر دیا جائے گا اور اس میں لشکر کے لیے ذبح ہونے والے جانوروں کے سوا اور پاؤں بھر (حاشیہ صفحہ ۲۵۳ پر)

تیمور نے اپنے بیٹے شاہرخ کی اس خفگی اور ناراضگی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور کہا۔ شاہرخ ٹھیک کتنا ہے۔ پہلے نور الدین کو اپنی بات مکمل کرنے دی جائے اس کے بعد اعتراضات کھڑے کیے جائیں۔ اے نور الدین! اپنی گفتگو جاری رکھو۔

نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ اے آقا! میں کہہ رہا تھا کہ اپنا پڑاؤ ہمیں رکھا جائے اور پڑاؤ کے شمالی اور مشرقی حصوں کی طرف خندق کھودی جائے اور چونکہ خندق میں بھرنے کے لیے یہاں پانی میسر نہیں ہے۔ لہذا اس خندق کے اندر ان جانوروں کے سوا اور ٹانگیں بھری جائیں جو روزانہ لشکر کے لیے ذبح کیے جاتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسی صورت میں دشمن کے سوا اس خندق کو عبور نہ کر سکیں گے۔ اس طرح اپنے اس پڑاؤ کی دو سمتوں کو محفوظ کرنے کے بعد باقی دو سمتوں کی حفاظت کرنا ہمارے لیے آسان اور سہل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ پڑاؤ کی حفاظت پر اپنے لشکر کا کم سے کم حصہ بھی مقرر کر کے ہم اس کی حفاظت کا سامان کر سکیں گے۔

اس موقع پر تیمور کا بیٹا شاہرخ ان چھوٹے سالاروں کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جنہوں نے نور الدین کے خندق کھودنے کے مشورہ پر اعتراض کیا تھا لیکن ان سالاروں کی گردنیں اب جھکی ہوئی تھیں۔

اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ اے آقا! پڑاؤ کی حفاظت کا یہ سامان کرنے کے بعد لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ پڑاؤ کی حفاظت پر رکھا جائے اور باقی تین حصے دشمن کی طرف اس طرح آہستہ آہستہ پیش قدمی کریں کہ دشمن کو اپنے پڑاؤ کے قریب آنے دیں۔ ہمارا ایک حصہ دشمن کے ساتھ نمودار ہو اور جب دشمن دیکھے گا کہ اس کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد سے کہیں کم تعداد کا لشکر آیا ہے تو وہ اس پر حملہ آور ہونے میں دیر اور تاخیر نہ کرے گا اور دشمن جو نہی سامنے والے حصے پر حملہ آور ہو۔ ہمارے باقی دونوں حصے بیک وقت دشمن پر داییں اور بائیں سے زور وار حملہ کر دیں۔ اس طرح ہم لمحوں کے اندر دشمن کے

دیئے جائیں۔ اس طرح دشمن اس خندق کو آسانی سے پار نہ کر سکے گا۔ تیمور ذرا رکا، کچھ سوچا پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

اور سنو میرے عزیزو! نورالدین کی تجویز کے مطابق لشکر کے چار حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ سیف الدین کے پاس رہے گا جس سے وہ اس پڑاؤ کی حفاظت کرے گا۔ دوسرا حصہ میرے پاس ہوگا اور میں دشمن کے سامنے نمودار ہوں گا۔ میرے ساتھ پیر محمد بھی ہوگا اور شاہرخ بھی حسب سابق میرے ہمکاب ہوگا۔ تیسرا حصہ نورالدین کے پاس ہوگا اور یہ دشمن پر دائیں طرف سے جان لیوا فرائی لگائے گا۔ لشکر کا چوتھا حصہ محمد سلطان کے تحت ہوگا اور یہ دشمن کے بائیں پہلو پر حملہ آور ہوگا۔

اور سنو میرے عزیزو! دشمن پر رگوں کی گہری نشاط اور نیند کی بھرپور تھکن کی طرح حملہ آور ہوا جائے گا اور انہیں مکمل طور پر نڈھال کر دیا جائے گا اور جب دشمن ہم سے شکست کھا کر بھاگے گا تو اس کا دہلی شہر تک پُر جوش اور غضب ناک تعاقب کیا جائے گا۔

اور اے میرے عزیزو! کوشش کرنا کہ ہندوستان کے بادشاہ ناصرالدین محمود اور اس کے سالار ملو خان کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ناصرالدین کے لشکر میں ہاتھی بھی ہوں گے اور اس کے علاج کے لیے میں اپنے تیرا نڈول کو استعمال کروں گا۔

ذرا رکا کہ تیمور پھر کہہ رہا تھا اور سنو میرے عزیزو! اس سرزمین کے اندر ناصرالدین محمود اور اس کے سالار ملو خان کے ساتھ ہماری جنگ فیصلہ کن جنگ ہوگی۔ اس لیے کہ اگر ہم ان دونوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہندوستان

رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۵۳ تاریخ فرشتہ کا موقف بھی اس خندق اور اس میں جانوروں کے سراؤں پاؤں بھرے جانے کا ذکر کرتا ہے۔

کے اندر کوئی ایسی بڑی قوت باقی نہ رہے گی جس کی طرف سے ہمیں خطرہ و خدشہ لاحق ہو۔ اس کے ساتھ ہی تیمور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کہا۔ ”اؤ اب نورالدین کی تجویز کے مطابق اپنے پڑاؤ کی حفاظت کے لیے خندق کھدوانے کا انتظام کریں۔“ پھر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تیمور کے ساتھ اس کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

○

تیمور اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے ناصرالدین محمود اور اس کا سپہ سالار ملو خان ایک جہاز لشکر کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوئے اور اس لشکر میں سو کے قریب وہ ہاتھی بھی شامل تھے جنہیں باقاعدہ جنگی تربیت دی گئی تھی۔ تیمور کو بھی ناصرالدین اور ملو خان کی اس پیش قدمی کی اطلاع ہو گئی تھی۔ لہذا تیمور نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ سیف الدین کے حوالے کر کے اس کے پڑاؤ کی حفاظت پر مامور کیا۔ دوسرا حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور اس حصے میں شاہرخ اور پیر محمد بھی شامل تھے۔ تیسرا حصہ نورالدین کے حوالے کیا گیا اور آق بونا کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ چوتھا حصہ شہزادہ محمد سلطان کی کمانداری میں رکھا گیا اور شہزادہ خلیل کو اس کا نائب بنایا گیا۔

تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اپنے پڑاؤ سے روانہ ہو کر آگے بڑھا جب کہ نورالدین اور محمد سلطان اپنے اپنے لشکر کے ساتھ دائیں بائیں دور دورہ کر پیش قدمی کر رہے تھے تاکہ دشمن انہیں دیکھ نہ سکے اور جنگ کے موقع پر وہ اچانک ضرب لگانے میں کامیاب ہو سکیں۔

تیمور کے ناظر برابر دشمن کی پیش قدمی اور نقل و حرکت سے متعلق اطلاعات فراہم کر رہے تھے اور ان ہی اطلاعات کی بنیاد پر ایک جگہ تیمور نے اپنے لشکر کو روک لیا تھا اور تیز رفتار قاصد نورالدین اور محمد سلطان کی طرف بھیج کر انہیں بھی روک جانے کی ہدایت کر دی تھی۔

یہ اقدام تیمور نے بروقت اٹھایا تھا کیونکہ تھوڑی دیر تک ناصرالدین محمود اور ملو خان بھی اپنے جہاز لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے اور ان کے لشکر کے آگے ایک پہاڑ

کی صورت میں سو ہاتھی تھے۔ ان ہاتھیوں کو خوب سنوارا گیا تھا اور ہر ہاتھی پر مسلح جوان بھی سوار تھے۔

ناصر الدین محمود اور اس کے سپہ سالار ملو خان نے کوئی پس و پیش نہ کی اور آتے ہی انہوں نے جنگ کی ابتداء کر دی تھی۔ تیمور اپنے گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کے اندر بغور ان کا جائزہ لے رہا تھا۔

آن کی آن میں ناصر الدین کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ خود ناصر الدین محمود کے پاس رہا۔ دوسرا حصہ ملو خان کی سرکردگی میں دیا گیا۔ اس طرح دونوں لشکر پہلو بہ پہلو حرکت میں آتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں لشکروں کے آگے آگے ہاتھی تھے جو اپنی چنگاڑوں سے قیامت برپا کیے دے رہے تھے۔

اپنی اپنی دانست میں ناصر الدین اور ملو خان بھی مطمئن اور خوش تھے اس لیے کہ ان کے سامنے تیمور جو لشکر لیے کھڑا تھا، انفرادی لحاظ سے اس کی حیثیت ان کے اپنے لشکر کی نسبت سے کچھ بھی نہ تھی۔

تیمور کے حکم پر اس کے لشکر کی اگلی ساری صفوں نے اپنی کمانیں سنبھال لی تھیں اور جب ہاتھی نزدیک آئے تو ان پر تیر اندازی کر دی تھی لیکن اس تیر اندازی کا کوئی خاص اثر نہ ہوا تھا۔ اس لیے کہ ہاتھیوں کو تیروں سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے اگلے حصوں پر گولیوں والی فولادی زنجیریں ڈال دی گئی تھیں۔

وقتی طور پر تیمور کچھ پریشان سا ہوا لیکن یہ پریشانی عارضی تھی۔ اس لیے کہ تھوڑی ہی دیر بعد واپس طرف سے محمد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا اور سچ کے دد اور زخموں کی جراحت کی طرح وہ دشمن پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس طرح آگے بڑھتے ہوئے ہاتھیوں کو روک دیا گیا تھا۔

اس نئی صورت حال سے ناصر الدین محمود اور ملو خان بھی کچھ پریشان ہوئے تھے، تاہم انہوں نے فوراً اپنی ترتیب درست کر لی اور ملو خان نے آگے بڑھ کر محمد سلطان کے اس حملے کو روک دیا تھا۔

لیکن بہت جلد ناصر الدین محمود اور ملو خان کی پریشانیوں میں اور زیادہ اضافہ اس وقت ہوا جب بائیں طرف سے اچانک نور الدین زندگی کے خاموش لمحوں اور لمبھی فضاؤں کے اندر پر طلسم رات اور روح کے تاریک بھاؤ کے واسطے طوفان کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے حملوں میں سکوت کو مضطرب کرنے اور بے خودی کی کیفیت کو وحشت میں تبدیل کرنے کی ایک درو انگیزی تھی۔

نور الدین نے حملہ آور ہوتے ہی ناصر الدین محمود اور ملو خان کی رد و حمل کی خود لذتی کو جسم کی ایذا دہی اور ان کے شعور کے شیش محل کو کمر جیوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔

حملہ آور ہوتے نور الدین کی طرف تیمور غم و انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا حملہ آور ہوتے وقت نور الدین نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ اس نے آتی ہوئے سرکردگی میں دیا تھا جس کے ساتھ وہ دشمن کے پہلو پر حملہ آور ہوا تھا۔ جب کہ نور الدین باقی آدھے لشکر کے ساتھ ناصر الدین محمود کے ہاتھیوں پر لوٹ پڑا تھا اور اپنے نیزوں اور تلواروں سے اس نے ہاتھیوں کی سونڈوں کو چھلنی کرنا شروع کر دیا تھا۔

اسی وقت تیمور نے اپنے لشکر کو بھی عام حملے کا حکم دے دیا تھا اور اس نے اپنے لشکریوں کو یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ جس طرح نور الدین ہندوستان کے ہاتھیوں پر حملہ آور ہوا ہے ایسے ہی تم بھی ان پر ٹوٹ پڑو۔ نور الدین نے جب یہ دیکھا کہ تیمور کا سارا لشکر اب اپنے نیزوں اور تلواروں سے ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑا ہے تو اس نے لڑتے لڑتے اپنا رخ بدل لیا اور اب اس نے اپنی ساری ضربیں دشمن کے پہلو پر لگانی شروع کر دی تھیں۔ اب جنگ اپنے عروج پر آ گئی تھی۔ بڑے بڑے سوار گولوں کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے جیسے دیودار کے جنگل میں طوفانوں کے باعث درخت گرتے ہیں۔ خون کی صورت میں مٹی کو اس کا رس اور ست بلنے لگا تھا۔ سوار گولوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ پس و پیش کی ہولناکیاں اور زلیست کی دیوانیاں دل کے گداز اور محبتوں کی تاز

پر غالب آنے لگی تھیں۔ انسانیت بڑی تیزی سے آدمیت کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وقت کے بدلچاٹ غلام اپنی خونی رسومات کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے تھے۔ انسانی حیات کا محمد تاریک ہو کر مادہ پرستانہ تمناؤں کے ہیجان کا شکار ہو گیا تھا۔

نفس کی یہ بندگی، انحاشات کا یہ اعصابی طوفان، کبر خود پرستی کے یہ منظر جلد ہی روپوش ہونا شروع ہو گئے کیوں کہ تیمور کے لشکریوں نے ہاتھیوں کی سونڈوں پر تلوا ریں اور نیزے مار مار کر ان کی حالت بُری کر دی تھی اور اب وہ اپنے ہی لشکریوں کو روندتے ہوئے واپس بھاگنے لگے تھے۔

اسی لمحے سلمے کی طرف سے تیمور نے چھوٹی مہتا بیوں اور ہواؤں میں بھل پام دینے والے گبولوں کی طرح پوری قوت سے حملہ کر دیا تھا۔ دائیں طرف سے محمد سلطان عجیب جادو و سحر اور جراثیموں کے طوفانوں کی طرح دشمن پر ٹوٹا تھا اور بائیں جانب سے نور الدین جنگل کی وحشت ناک آگ اور صحرائے بسیط کی طرح دشمن کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا۔ ان کے اندر تک گھٹا چلا گیا تھا۔

اب تین اطراف سے ناصر الدین اور ملو خان کا لشکر بُری طرح پسنے لگا تھا۔ دُستِ گوزہ گری سہی تیزی کے ساتھ زمین سُرخ ہونے لگی تھی اور مرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔

ناصر الدین نے جب یہ دیکھا کہ شکست سے بچنے کی اب کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تو اس نے اپنے لشکر کو پسا ہونے کا حکم دے دیا تھا اور وہ ایسا نہ کرتا۔ تو تھوڑی دیر بعد تک اس کے لشکر کا قتل عام شروع ہو جاتا۔ ناصر الدین کا خیال تھا کہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنے کے بعد وہ دہلی میں محصور ہو جائے گا اور باعزت شرائط پر تیمور کے ساتھ صلح کی کوشش کرے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو وہ اپنی قوت میں اضافہ کرتا ہوا دہلی میں محصور پڑا رہے گا لیکن اس کی ساری سوچیں بیکار اور تمام تدبیریں ناکارہ ثابت ہوئیں۔

تیمور، نور الدین اور محمد سلطان نے ایسا ہولناک ان کا تعاقب کیا کہ ناصر الدین

کو یقین ہو گیا تھا کہ جس وقت وہ اپنے لشکر کے ساتھ دہلی میں داخل ہو گا تو دشمن بھی اس کے ساتھ شہر میں داخل ہو جائے گا اور پھر شہر کی حالت جہنم سے مختلف نہ ہوگی۔

تیمور اور اس کے سارے کے لگے دہلی کی طرف بھاگتے ہوئے ناصر الدین محمود نے اپنے سارے سابقہ فیصلوں کو اپنے ذہن سے نکال دیا۔ اب اس نے ایک نیا اور سودمند فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ لشکر کو اپنے حل پر چھوڑتے ہوئے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر کسی محفوظ مقام کی طرف بھاگ جائے گا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ اگر وہ تیمور کے ہاتھ لگ گیا تو وہ اسے کسی بھی صورت زندہ نہ چھوڑے گا اور اس کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا۔ اسی خدشے اور خطرے کے تحت ناصر الدین محمود اپنے محافظوں اور جاں نثاروں کے ساتھ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ ملو خان کو جب خبر ہوئی کہ ہندوستان کا بادشاہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ گیا ہے تو اس نے بھی اپنے چیدہ چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لیا اور برتن شہر کی طرف بھاگ گیا۔

تیمور کو ان کے اس فرار کی اطلاع کافی دیر بعد ہوئی۔ تاہم ان دونوں کے تعاقب میں اس نے اپنے سپاہی لگا دیئے۔ ناصر الدین محمود اور ملو خان تو خیریت کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم ملو خان کے ساتھیوں میں سے ملو خان کے دو بیٹے سیف الدین اور خدا داؤد گرفتار کر لیے گئے۔ اس کے علاوہ تعاقب کر کے ناصر الدین اور ملو خان کے کچھ اور ساتھیوں کا خاتمہ بھی کر دیا تھا۔ تاہم ملو خان برتن شہر اور ناصر الدین گجرات کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہندوستان کے لشکر کو مارتا کاٹتا تیمور دہلی شہر میں داخل ہوا اور شہر پر قابض ہونے کے بعد اس نے اپنے لشکر کو عید گاہ کے میدان میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ یہیں اس میدان میں بڑے بڑے علماء و فضلاء تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جان کی امان چاہی۔ امیر تیمور نے ان سب کو مالا مال کیا۔ اس روز جمعہ تھا اور دہلی کی جامع مسجد میں تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

اسی روز تیمور نے اپنے قاصد فیروز آبلو کے میدانوں کی طرف روانہ کیے۔ اور سیف الدین کے نام پیغام بھجوایا کہ وہ اپنا پڑاؤ اٹھا کر دہلی آجائے۔ پس دودن بعد جب سیف الدین اپنے حصے کے لشکر اور پڑاؤ کے ساتھ وہاں پہنچا تو تیمور نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا۔

سیف الدین تیمور کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور آگے بڑھ کر تیمور کے ساتھ پر جو منشاغہ کرتے ہوئے اسے اس فتح پر مبارک باد دی۔ اس کے بعد سیف الدین نے آگے بڑھ کر نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر کسی قدر بوجھل اور بھاری آواز میں سیف الدین نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اس مبارک باد اور خوشی کے موقع پر میرے پاس ایک مغموم اور دکھی کر دینے والی خبر بھی ہے۔"

تیمور نے پریشان نگاہوں سے سیف الدین کی طرف دیکھا اور کہا: "اے سیف الدین کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" اس پر سیف الدین نے ملول اور غمگین لہجے میں کہا:

"میں آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ استقف یو خان کی بیوی اور انجیلینا کی ماں مالتھس اسی روز مر گئی تھی جس روز آپ لوگوں کا ہندوستان کے لشکر کے ساتھ نکلا ہوا تھا اور ہم نے اسے پڑاؤ کی پشت پر جو بڑا سا ٹیلہ تھا۔ اس پر اسے دفن کر دیا ہے اے امیر! یو خان اور انجیلینا دونوں کی حالت شکستہ اور بے زار ہے اور وہ دونوں ہم سب کی ہمدردیوں اور غم خوار یوں کے حق دار ہیں۔"

تیمور کی گردن جھک گئی تھی اور وہ دکھی دکھی تفکرات میں کھو گیا تھا۔ دوسری طرف نور الدین کی حالت بھی روگ بھرے سنار اور غم کی بازگشت جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

ابھی ان پر ایسی ہی کیفیت طاری تھی کہ انہیں یو خان اور انجیلینا دونوں باپ بیٹی اپنی طرف آتے دکھائی دیئے تیمور کی سرکردگی میں سب نے آگے بڑھ کر یو خان اور

انجیلینا کے ساتھ تعزیت اور غم گساری کا اظہار کیا۔

اس موقع پر انجیلینا بے چاری چپکلیوں اور سسکیوں میں رونے لگی تھی۔ جب کہ تیمور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی و تسفی دے رہا تھا۔ پھر وہ انہیں شہر کے اندر لے جا رہے تھے۔



دہلی شہر سے تیمور کو اس قدر مال و اسباب ہاتھ لگا جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا اس مال و متاع کے علاوہ انواع و اقسام کے قیمتی ہیرے، جواہرات، الماس، یاقوت اور مروارید وغیرہ بھی ان گنت تعداد میں تیمور کے ہاتھ لگے۔ دہلی شہر پر قبضہ کے بعد اس شہر کی بدقسمتی سے دہلی کے کچھ لوگوں نے تیمور کے کچھ سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ جس پر تیمور ایسا برا فروختہ ہوا کہ اس نے علماء و مشائخ کو چھوڑ کر اپنے لشکر پر سب کا خون معاف کر دیا اور تیمور کے اس فیصلے پر اس کے لشکر بھگے و زندوں کی طرح شہر پر ٹوٹ پڑے اور خوب دل کھول کر شہر کی لوٹ مار کی۔ کسی اور بادشاہ کے عہد میں کبھی اس قسم کا بھیانک منظر دیکھنے میں نہ آیا۔ دہلی شہر سے تیمور نے ایک سو بیس ہاتھیوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور یہ شکاری جانور سلطان فیروز شاہ کے پروردہ تھے۔

دہلی شہر میں تیمور کو سلطان محمد تغلق کی بنائی ہوئی مسجد بے حد پسند آئی اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ایسی ہی ایک مسجد سمرقند واپس جا کر تعمیر کرے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے کچھ کاری گریز بھی اپنے لشکر میں شامل کر لیے تھے۔

تیمور نے پندرہ دن تک دہلی شہر میں قیام کیا۔ پھر اس نے واپس سمرقند جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس طرح دہلی اور اس کے اطراف کے علاقوں کی قیمت کا فیصلہ کرنے کے بعد تیمور دہلی شہر سے نکلا اور فیروز آباد کے ان ہی میدانوں میں آکر اس نے قیام کیا جہاں اس نے دہلی شہر پر حملہ آور ہونے سے قبل پڑاؤ کیا تھا۔



ایک روز صبح ہی صبح سمرقند شہر میں شور مچ گیا کہ امیر تیمور ہندوستان کی سرزمین میں فتوحات پر فتوحات حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہے اور یہ کہ قاصد کوئی اہم پیغام بھی لے کر آیا ہے۔ اس کے علاوہ شہر میں یہ خبر بھی پھیل گئی تھی کہ یہ پیغام تیمور نے اپنی بیوی اور شاہ رخ کی ماں ملکہ سرائے خانم کے لیے بھیجا ہے۔ اس خبر پر تیمور کی بیوی ملکہ سرائے خانم اور تیمور کی بہو اور شہزادہ خلیل کی ماں خاندادہ بھی محل سے ملحقہ باغ میں اکھڑی ہوئی تھیں۔

ہندوستان سے آنے والا قاصد یہیں پر ملکہ سرائے خانم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دُور ہی وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ پہلے وہ سرائے خانم اور خاندادہ کی خدمت میں آداب بجالایا۔ پھر اس نے ملکہ سرائے خانم کی خدمت میں تیمور کا پیغام پیش کیا اور یہ پیغام بانس کے ایک خول کے اندر بند تھا۔

بانس کے اس خول سے ملکہ سرائے خانم نے تیمور کا پیغام نکالا اور جب اس نے وہ پیغام پڑھا تو اس کی حالت گم صم لمحات اور نگاہوں کے اندر آوارہ گرد جذبے رقص کرنے لگے تھے۔ پھر سرائے خانم نے وہ پیغام شہزادہ خلیل کی ماں خاندادہ کو بھرا دیا تھا۔ خاندادہ نے بھی جب وہ پیغام پڑھا تو اس کی حالت سن کے ٹوٹے تاروں اور معیشت کے فقیر جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی قریب کھڑی کنیزوں کو مخاطب کرتے ہوئے ملکہ سرائے خانم نے دُکھ کی بازگشت پیدا کرتی اور طوفانی دھاروں کے بہاؤ جیسی آواز میں کہا۔
”شاری ملک کو حاضر کیا جائے۔“

یہ آواز سُنتے ہی کچھ کنیزیں بھاگتی ہوئیں حرم سرائے کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھیں اور پھر ان کنیزوں نے شاری ملک کو اپنے ساتھ لاکر ملکہ سرائے خانم اور خاندادہ کے سامنے لاکھڑا کیا۔

سرائے خانم نے اپنے شوہر تیمور کا پیغام خاندادہ سے لے لیا اور شاری ملک کو بھرتے ہوئے اس نے حکمانہ سی آواز میں کہا، ”ہندوستان سے تمہارے لیے

امیر تیمور کا حکم آیا ہے۔ اپنی قیمت کا فیصلہ ہونے سے قبل اسے پڑھ لو۔ وہ پیغام پڑھنے کے بعد شاری ملک نے واپس سرائے خانم کو بھرا دیا۔ اس کی حالت پچھلے آنچلوں کے پرچم جیسی اُداس، رور و کر خشک ہو جانے والی لگیوں جیسی افسردہ، کسی مدقوق جیسی مایوس کن، قید و زندان جیسی خوفناک اور دار و سن جیسی مہموم ہو کر رہ گئی۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی سرائے خانم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے کم بخت! نہ جانے کس کو کھانے تجھے جنا، نہ جانے کس صحن میں تو جوان مٹی اے بد بخت! نہ جانے کس دیس سے تو چلی رہ جانے وہ کیسا نحوس وقت تھا جب تو سمرقند شہر میں داخل ہوئی تھی۔ اب ہر زبان تیرے خلاف بولے گی۔ اس شہر میں نہ تیری افتاد رہے گی نہ انتہا۔ سمرقند میں اب تو نہ اچلی ہوگی نہ آشنا۔ نہ تجھ سے کوئی خوش ہو گا نہ خفا۔ کہ تیری زندگی میں اب میکدول کی دیوانیاں اور آتش کدوں کی تارکیاں بکھر جائیں گی۔“

سرائے خانم کی اس گفتگو پر شاری ملک کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس نے دوسوں سے حرکت نہ کی ہو۔ اس کی آنکھوں میں کھوئے کھوئے پیغامات اور ان گنت مصائب رقص کر رہے تھے اور اس کے ہونٹ پھٹ پھٹانے لگے تھے۔

پھر شاری ملک اچانک ہی بڑی سرعت کے زمین پر بیٹھ گئی۔ ملکہ سرائے خانم کے دونوں پاؤں اس نے پکڑ لیے پھر روتی آواز اور منت کرنے کے انداز میں اس کے کہا۔ ”اے خانم! میری زندگی میری موت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آج میں آپ پر وہ انکشاف کرتی ہوں جس کا ابھی تک کسی کو علم نہیں ہے۔“

اے خانم! میں حلفیہ کہتی ہوں کہ شہزادہ خلیل نے میری طرف بڑھنے میں پہل کی تھی۔ میری طرف کوئی ابتداء نہ ہوئی تھی اور نہ میں ایسا کرنے کی جرأت و جرات کر سکتی ہوں۔ شہزادہ خلیل نے مجھ پر محبت و مہربانی کی ابتداء کی۔ میں ان کے فیصلے

کے آگے ایک کنیز کی حیثیت سے جھک گئی اور انہوں نے اپنے دوستوں کی موجودگی میں میرے ساتھ خفیہ مگر باقاعدہ شادی کر لی اور اے خانم! میں آپ پر یہ راز بھی آشکارا کر دوں کہ شہزادہ خلیل کی بیوی کی حیثیت سے میں ان کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔

شاری ملک کے اس انکشاف پر ملکہ سرائے خانم کی حالت چشم حنارت سے معصوم حرارت میں بدل گئی تھی اور اس کی روح کی وحشت صبح دم ساز میں بدل کر رہ گئی تھی۔ پھر سرائے خانم نے کسی قدر نرم آواز اور دھیمے لہجے میں کہا۔ ”اے شاری ملک! میں سمجھتی تھی کہ توبے حیائی کی ساری حدیں پھلانگ کر اس انجام کو پہنچی ہے۔ لیکن اگر تو شہزادہ خلیل کے ساتھ باقاعدہ شادی کر چکی ہے اور تو اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو پھر فکر مند نہ ہو بلکہ مطمئن ہو جا کہ کوئی تجھے قتل نہیں کر سکتا۔ اب تو حرم سرا میں چلی جا اور شہزادہ خلیل کی سب سے بڑی فکر اور پُرمان زندگی بسر کر۔ امیر تیمور کی واپسی پر میں اُن سے بات کر لوں گی۔ اور میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتی ہوں کہ میں امیر کا یہ فیصلہ بدل کر رہوں گی۔“

شاری ملک نے جھک کر سرائے خانم کا شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔ شاری ملک کے جانے پر ملکہ سرائے خانم نے تیمور کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اب جاؤ اور آج کا دن آرام کرو۔ کل صبح پھر ہمارے پاس آؤ اور ہمارا ایک پیغام امیر کے نام لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔“

وہ قاصد جھک کر تعظیم بجا لایا۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس موقع پر خزانہ نے آگے بڑھ کر ملکہ سرائے خانم کا ہاتھ تھام لیا اور تشکر آمیز جذبات بھرپور آواز میں اس نے کہا۔ ”اے خانم! میں آپ کے اس حمدلانہ فیصلے کی ممنون ہوں۔ آپ نے یقیناً میرے بیٹے خلیل کی منکوحہ شاری ملک کو دوسری زندگی دی ہے۔ شاید میں کبھی بھی آپ کا یہ احسان اتار نہ سکوں گی۔“

اس پر سرائے خانم نے خازنہ کے کندھے پر شفقت کے انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تو کیا امیر کے پوتے کی حیثیت سے خلیل مجھے عزیز نہیں ہے؟“

جواب میں خازنہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ اور آنکھوں میں سکون کچھ

گیا تھا۔ پھر وہ دونوں حرم سرا کے اندرونی حصے کی طرف جا رہی تھیں۔



دہلی شہر سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلنے کے بعد تیمور پھر فیروز آباد کے میدانوں میں نیمہ زن ہو گیا تھا۔ جس روز لشکر وہاں پہنچا، اسی روز جب میدان کے اطراف میں ایک بلند ٹیلے پر انجیلینا اپنی ماں کی قبر پر گئی تو اس نے دیکھا۔ اس کی ماں کی قبر پر تازہ پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

انجیلینا جستجو اور تجسس میں پڑ گئی تھی کہ قبر پر پھول کس نے رکھے ہیں۔ وہ ابھی ان ہی خیالات میں غرق تھی کہ اس کی نگاہ ٹیلے کے دامن میں نور الدین پر پڑی۔ وہ ٹیلے سے نیچے اس طرف جا رہا تھا جہاں اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تھا۔ انجیلینا بھی ٹیلے سے اتر کر اس کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

نور الدین نے بھی اسے بھاگ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ اپنے گھوڑے کے پاس رُک کر اس کا انتظار کرنے لگا تھا۔ انجیلینا بھاگتی ہوئی نور الدین کے پاس آئی اور پھولی ہوئی سانسوں میں اس نے پوچھا۔ ”یہ ماں کی قبر پر پھول آپ نے ڈالے ہیں؟“

نور الدین منہ سے تو کچھ نہ بولا، تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ انجیلینا نے نور الدین کے اور قریب ہوتے ہوئے اپنی گھنٹیاں بجاتی اور رس برساتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”یہ پھول آپ نے کہاں سے لے لیے؟“

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں نور الدین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ پھول میں نے دہلی شہر سے روانہ ہوتے وقت اسی مقصد کے لیے خریدتے تھے کہ میں انہیں تمہاری ماں کی قبر پر ڈالوں گا۔ ان کا انتقال میری موجودگی میں ہوا اور میں انہیں ایک عقیدت کے طعنہ پر یہی پیش کر سکتا تھا۔“

انجیلینا نے بات کو طول دینے اور نور الدین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی نیت سے کہا۔ ”در اصل میں دوسری سمت سے چکر کاٹ کر آئی ہوں۔“

نور الدین نے اپنے گھوڑے کی باگ سنبھالتے ہوئے کہا: "میں تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اپنی توہین کیوں محسوس کروں گا۔ پھر وہ دونوں پیدل ہی پڑاؤ کی طرف جا رہے تھے۔"



تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک فیروز آباد کے میدانوں میں قیام کیا۔ یہاں ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ اور مسلمان روساء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ راجہ ناتھراں میدانوں میں حاضر ہوا۔ دوسفید ہاتھی تختہ تیمور کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنی اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت دیا۔ مسلم روساء میں سے خضر خان جو تیمور اور ناصر الدین کی جنگ کے زمانہ میں میوات کے کوہستانی سلسلے کی طرف بھاگ گیا تھا وہ بھی تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ اور تیمور نے اسے اپنے ساتھ رکھا۔

فیروز آباد کے میدانوں سے نکل کر تیمور پانی پت کے میدانوں میں پہنچا اور اپنے ایک سالار امیر شاہ کو اس نے ایک مختصر سا لشکر دے کر میرٹھ کا قلعہ فتح کرنے کو بھیجا۔ اس لیے کہ میرٹھ کا یہ قلعہ ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ لہذا تیمور نے اسے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

تیمور کا سالار امیر شاہ جو اپنے ظلم و ستم اور تباہی و بربادی پھیلانے کے عمل میں بے دخل تھا۔ جب وہ میرٹھ کے قلعے کے سامنے خیمہ زن ہوا تو قلعے کے حاکم ایاس اعوانی مال نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ایسے کئی آئے اس قلعہ کو فتح کرنے والے۔ ہر کوئی ناکام ہوا اور اپنا سامنہ لیے کر چلتے بنے۔

امیر شاہ نے قلعہ کو تسخیر کرنے کے لیے کئی جتن کیے لیکن ناکام رہا اور اپنی اس ناکامی کا انتقام لینے کی خاطر اس نے حاکم قلعہ کا وہ پیغام تیمور کی طرف بھجوا دیا۔ تیمور جب یہ پیغام ملا تو وہ بڑا براغزوختہ ہوا اور ارادہ کر لیا کہ وہ حاکم قلعہ کو اس کے ایک آمیز الفاظ کی ضرور سزا دے گا اور میرٹھ کا قلعہ ہر صورت میں فتح کر کے لے

میرا ارادہ تھا کہ میں اطراف میں گھوم کر جنگلی پھول تلاش کروں گی اور اپنی ماں کی قبر پر ڈالوں گی۔ اس لیے دوسری سمت سے آنے کی وجہ سے میں آپ اور آپ کے گھوڑے کو نہ دیکھ سکی تھی۔"

نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا: "یہ کوئی سرفرد تو نہیں جہاں تمہیں اطراف و اکناف میں آن گنت جنگلی پھول مل جائیں گے۔ یہ وہی ہے اور جہاں ہم کھڑے ہیں یہ ان چٹیل میدانوں کے اندر چند ویران و سنان ٹیلے ہیں۔ یہاں جنگلی پھول تمہیں کہاں ملیں گے۔ کیا تمہارے ساتھ تمہارے بابا بھی آئے ہیں؟"

اینگلیٹا نے پیارے انداز میں اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا: "نہیں تو، میں اکیلی ہی آئی ہوں۔ اور"

"اور تمہارا گھوڑا کہاں ہے؟" نور الدین نے پھر پوچھا تھا۔ انگلیٹا نے پھر اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں تو پیدل آئی ہوں۔ میں کوئی اتنی نازک اندام بھی نہیں ہوں کہ اس قدر بھی نہ چل سکوں۔"

اینگلیٹا کی اس گفتگو سے غمگین ہوتے ہوئے نور الدین بولا: "میں نے کب کہا کہ تم ایک نازک اندام سی لڑکی ہو۔ تم تو ماشاء اللہ حفاکش ہو، جری ہو، ہادر ہو، بے باک ہو، جرات مند ہو، جوان ہو، ٹنڈ اور نڈھال کر دینے والی ہو۔"

اینگلیٹا نے اس بار کھل کر ہنستے ہوئے کہا: "ایسی بھی نہیں ہوں جس قدر آپ تعریف کر رہے ہیں۔"

نور الدین نے اس بار بات کا رخ بدلا اور پوچھا: "کیا تم ابھی قبر پر ہی رہو گی یا واپس میرے ساتھ پڑاؤ کی طرف چلو گی؟"

اینگلیٹا نے غور اور برشوق نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے کسی قدر دھیمی سی آواز میں کہا: "اگر آپ میرے ساتھ چلنے پر اپنی توہین محسوس نہ کریں۔ تو میں ضرور آپ کے ساتھ پڑاؤ کی طرف چلوں گی۔"

گا۔ اس مقصد کے لیے تیمور نے پانی پت کے میدانوں سے میرٹھ کی طرف کوچ کر لیا تھا اور طوفانی یلغار کرتا ہوا وہ میرٹھ کے قلعہ کے عین سامنے اس جگہ آخیمہ زن ہوا۔ جہاں امیر شاہ نے پہلے سے پڑاؤ کر رکھا تھا۔

تیمور نے ایک بارسیف الدین، نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے ساتھ دشمن کی تیر اندازی سے دور رہ کر بغور قلعہ کا جائزہ لیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "امیر شاہ احمق ہے جو اب تک اس قلعہ کو فتح نہ کر سکا۔ میرے عزیزو! دیکھو میں اس قلعے کی محافظوں کی کیا حالت کرتا ہوں؟"

پھر تیمور پیچھے ہٹا اور ڈھالوں کی اوٹ میں رہ کر اس نے قلعے کے قریب ایک دمدہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ دمدہ تیار ہو گیا تو تیمور نے قلعے کی طرف سرنگ کھودنے کا حکم دے دیا۔ لہذا اس دمدے کی اوٹ میں رہ کر اور دشمن کی تیر اندازی سے بچتے ہوئے تیمور کے لشکر کی سرنگ کھودنے لگے تھے۔

جب یہ سرنگ پندرہ گز کے قریب تیار ہو گئی۔ تب قلعہ کا حاکم ایسا اعوان عالی فکر مند ہوا اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس سرنگ کے ذریعے قلعہ کو ضرور فتح کر لیا جائے گا۔

اس موقع پر ایسا اعوان نے ایک حماقت کی۔ اس نے سرنگ کا کام روکنے کے لیے شہر کا دروازہ کھولا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے تیمور پر حملہ کر دیا تھا۔

تیمور نے یہاں اپنی فطری سپاہیانہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے سیف الدین اور نور الدین کے ساتھ ایسا اعوان عالی کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ جب کہ محمد سلطان و پیر محمد کو اس نے حکم دیا کہ وہ کندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھیں اور قلعے پر قبضہ کر لیں۔ پس ایسا ہی ہوا۔ تیمور، نور الدین اور سیف الدین نے ایسا اعوان عالی کو اپنے ساتھ مصروف جنگ رکھا جب کہ محمد سلطان اور پیر محمد کندوں اور رستیوں کی پیڑھوں کے ذریعے فصیل پر چڑھنے کے بعد شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس طرح ایسا اعوان عالی کا لشکر گھر کر رہ گیا اور اس کا قتل عام کر کے رکھ دیا گیا تھا۔

تیمور نے جو حالت بھٹنیر کے قلعے کی تھی ویسی ہی ابتر حالت اس نے میرٹھ کے قلعے کی بھی کی۔ قلعہ کی چار دیواری اور برج گرا دیئے گئے۔ بڑی بڑی عمارتیں زمین بوس کر دی گئیں۔ اس قلعے میں قتل و غارت اور تباہی و بربادی پھیلانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ کوہستان سالک کی طرف بڑھا اور راستے میں پڑنے والی ہر سستی، ہر قبضے اور ہر شہر کی اس نے غارت گری کر کے رکھ دی تھی۔

اس کے بعد تیمور نے دریائے گنگا کو پار کیا اور دواک میں داخل ہوا۔ یہاں بھی اس نے لوٹ مار کا مظاہرہ کیا اور لوگوں کے مال و متاع پر اس نے قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ جموں تک یلغار کرتا چلا گیا۔ جموں کے راجہ نے خود سری اور مقابلے کا ارادہ کیا لیکن تیمور کا اس پر ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے نہ صرف تیمور کی اطاعت کر لی بلکہ اسلام بھی اس نے قبول کر لیا تھا۔

تیمور نے اپنی طرف سے ایک شخص شیخا کھکھر کو لاہور کا حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ حاکم بننے کے بعد اس شخص کے ذہن میں کبر و نفس پرستی نے گھر کر لیا۔ جموں کے بعد جب سمرقند واپس جانے کے لیے تیمور پنجاب میں داخل ہوا تو اس شیخا کھکھر کا غرور و کبر ایسا بڑھا کہ تیمور جس وقت پنجاب میں داخل ہوا تو اس شخص نے نہ ہی اس کا استقبال کیا اور نہ ہی اس سے ملاقات کی۔ پس تیمور کو لاہور کے حاکم شیخا کھکھر کا یہ رویہ انتہائی ناپسندیدہ اور ناگوار ہوا اور اس نے شیخا کھکھر کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

شیخا کھکھر کی سرکوبی کے لیے تیمور نے نور الدین کو روانہ کیا اور شہزادہ محمد سلطان کو اس کا نائب بنا کر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخا کھکھر کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ تیمور اس کے خلاف حرکت میں آ رہا ہے اور یہ کہ تیمور اب چونکہ اس کے خلاف انتقامی ہو چکا ہے۔ لہذا اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔

اس بنا پر شیخا کھکھر نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور لاہور کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ محصور رہ کر جنگ کو طویل دیکھا اور تیمور چونکہ اب

زبیں جا رہے لہذا وہ آقا عرصہ انتظار نہ کرے گا اور اسے اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے سمرقند کی طرف کوچ کر جائے گا۔

لیکن شیخا کھکھر کی ساری ہی امیدیں اکارت گئیں۔ اس لیے کہ نور الدین جس رات لاہور پہنچا اسی رات اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے شہزادہ محمد سلطان کو دے کر قلعے پر شب خون مارنے کو کہا۔

پس جب محمد سلطان نے شب خون مارا اور شیخا کھکھر دفاع میں مصروف ہو گیا تو قلعے کے دوسری سمت سے نور الدین لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ فہیل پر چڑھ گیا اور قلعے پر اس نے قبضہ کر لیا۔ یہاں نور الدین نے امن وامان قائم رکھا کسی کو نا جائز قتل نہ کیا اور شیخا کھکھر کو گرفتار کر کے وہ لاہور سے کوچ کر گیا۔ شیخا کھکھر کو جب تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو تیمور نے اسے قتل کر دیا اور پنجاب کا حاکم خضر خان کو مقرر کرنے کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ آندھی اور طوفان کی طرح کابل کے راستے سمرقند کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



ہندوستان سے سمرقند کی طرف جاتے ہوئے تیمور نے سبز شہر سے گزر کر تخت قرچہ میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا جب لشکر کے خیمے نصب ہو گئے تب تیمور نے نور الدین کو طلب کیا اور جب نور الدین اس کے خیمے میں داخل ہوا اس وقت تیمور اپنے خیمے میں اکیلا اور تنہا تھا۔ نور الدین کو اپنے قریب بٹھانے کے بعد تیمور چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر نور الدین سے اس نے پوچھا۔ ”اے نور الدین! میرے بیٹے! جہنتے ہو۔ آج یوں تنہائی میں تمہیں میں نے کیوں بلایا ہے؟“

نور الدین نے فوراً سے تیمور کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اے آقا! میں اندازہ نہیں لگا سکا کہ آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟“

اس پر تیمور پھر بولا۔ ”سنو نور الدین! سمرقند میں داخل ہونے سے قبل میں ایک معاملہ تمہارے ساتھ طے کرنا چاہتا ہوں۔ سنو نور الدین کابل میں پڑاؤ کے دوران اسقف یوحنا نے مجھ سے کہا کہ اب چونکہ اس کی بیوی مر گئی ہے اور اس کی اپنی زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں کہ وہ کب گزر جائے۔ لہذا وہ اپنی بیٹی انجیلینا کی شادی کر دینا

کھڑے ہو جہاں سے چلے تھے۔

اس پر نور الدین فوراً بول پڑا۔ میں نے یوں ہی کہنا نہ شروع کر دیا تھا کہ میں اپنے لیے کسی اور لڑکی کا انتخاب کر چکا ہوں۔ وہ لڑکی سمرقند شہر کے اندر ایک زندہ حقیقت ہے اور اس سلسلے میں کسی غلط بیانی سے میں نے کام نہیں لیا۔ اے آقا! جس لڑکی کا میں انتخاب کر چکا ہوں وہ ایک زندہ حقیقت ہے۔

تیمور اپنی گردن جھکائے چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا پھر دوبارہ بولا۔ اے نور الدین! تم جانتے ہو، اینجلینا ایک انتہا درجے کی خوبصورت اور پرکشش لڑکی ہے میں سمجھتا ہوں کہ سمرقند میں کوئی ایسی لڑکی نہ ہوگی جو حسن و جاذبیت اور اپنی جسمانی تاثیر و کشش میں اینجلینا جیسی ہو

اے نور الدین! اینجلینا اگر آج تمہارے علاوہ کسی اور کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو جائے تو قسم خداوند کی بڑے بڑے شہزادے اور رؤساء سے حاصل کرنے کے لیے لگ دو شروع کر دیں اور تم ہو کہ اس نعمت کو جھٹلارہے ہو۔ اے نور الدین! میری مانو اور اس نعمت کو نہ ٹھکراؤ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم خوش قسمت ہو، اینجلینا خود اپنے لیے تمہارا انتخاب کر رہی ہے اور فرضِ راہ کی طرح تمہارے آگے اچھی جا رہی ہے۔

اے نور الدین! زندگی میں ایسا حسین ساتھی تمہیں کہیں نہ ملے گا اور پھر اس پر مضراویر کہ کابل کے پڑاؤ کے دوران اینجلینا میری اور مولائے تبریزی کی موجودگی میں مولائے میرسید کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکی ہے، لمحہ بھر کو نور الدین چونکا اور اس الکاثات پر اس کی گردن جھک گئی تھی۔

پر جلد ہی تیمور کی اس گفتگو پر نور الدین نے ایک طرح سے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ اے آقا! میں تسلیم کرتا ہوں کہ اینجلینا جمیل و شکیل ہے لیکن میں آپ کی اس رائے اتفاق نہیں کرتا کہ زندگی میں اینجلینا جیسا کوئی بہم سفر نہ ملے گا اور یہ کہ سمرقند میں اس جیسی کوئی حسین لڑکی ہی نہیں ہے۔ اے آقا! جس لڑکی کا انتخاب میں کر چکا ہوں وہ

چاہتا ہے۔

تیمور کے خاموش ہونے پر نور الدین نے فوراً کہا۔ "محترم یوحنا کا خیال بہت اچھا ہے۔ اسے ضرور اینجلینا کی شادی کر دینی چاہیے۔ اس طرح نہ صرف اسقف یوحنا اپنے فرض سے سبک دوش ہو جائے گا بلکہ اینجلینا بھی اپنی ماں کا غم بھول کر ایک نئی اور خوش گوار زندگی بسر کرنے میں لگ جائے گی۔"

تیمور پھر بولا۔ "لیکن اینجلینا کی شادی کے سلسلے میں یوحنا تمہارا عندیہ لینا چاہتا ہے۔"

نور الدین نے چونک کر تیمور کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "اینجلینا کی شادی کے سلسلے میں میرا عندیہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔"

تیمور نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ "دراصل یوحنا اپنی بیٹی اینجلینا کی مرضی و خواہش کے مطابق اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دینا چاہتا ہے اور اس کے لیے کہا تمہارا عندیہ لینا ضروری نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ماضی میں جو کچھ ہوا اسے بھول کر تم اینجلینا سے شادی کر لو اور یہی اینجلینا کی رضامندی اور خوشی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تمہارے اور اینجلینا کے درمیان ماضی کی پہلے جیسی تلخیاں نہیں رہیں۔ اس لیے کہ میں نے اسے کئی مواقع پر خوش و خرم اٹھتے بیٹھتے اور تمہاری طرف آتے جلتے دیکھا ہے۔"

نور الدین کی گردن جھک گئی اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ بات کو آگے بڑھانے کی خاطر تیمور نے خوشگوار کی حالت میں گرہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اے نور الدین! تم کن سوچوں میں کھو گئے ہو۔ خداوند کی قسم اگر میں جوان ہوتا اور تمہاری جگہ ہوتا تو ایک لفظ کے بغیر اینجلینا سے شادی کر لیتا۔"

اے نور الدین میں تو سمجھا تھا کہ تم اب اینجلینا سے شادی کرنے پر فی الفور راضی ہو جاؤ گے اور اینجلینا کو جلانے کی خاطر جو تم نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ تم اپنے لیے کسی اور لڑکی کو پسند کر چکے ہو اب اس معاملے کو ختم کر دو گے لیکن تم تو وہی

اگر حسن و خوبصورتی میں انجیلینا سے زیادہ نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔

اے آقا! اپنے حسن و جمال اور اپنی جہانی ساخت اور اعضاء و جوارح کی کشش میں وہ لڑکی تلوار بدست قاتل ہے۔ وہ قبائے ظلمت میں ایک نور ہے۔ اس کا جسم بونے گل کی قتان اور اس کا چہرہ رنگ گل کے حریر جیسا ہے۔ وہ اس چاند جیسی تہا ہے جسے کسی اور کی ضرورت ہو کہ وہ اسے اپنی چاندنی سے منور کر سکے۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے بساط کائنات میں اس جیسی کوئی قیمتی متاع ہی نہ ہو۔

اے آقا! اس کا حسن بادۂ ناب، اس کی بات میں لکنت نہیں۔ اس کی آنکھوں میں بے باکی نہیں۔ وہ جب گفتگو کرتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ قدم قدم فریوس کھڑا کر دے گی اور کائنات کے دل کی دھڑکنیں اس کی اسیر ہو کر رہ جائیں گی۔

اے آقا! مجموعی طور پر وہ لڑکی بچوں کی مسکراہٹ جیسا نغمہ، رنگوں کے پیراہن جیسی دل نشین خوشبو کی تیلیوں جیسی نشاط انگیز ہے۔ وہ جب میرے سامنے آتی ہے تو بدن چڑا کر کھڑی ہو جاتی ہے جیسے وہ موج کوثر اور شاخ طوبی ہو۔

اے آقا! اگر آپ اس لڑکی سے متعلق مجھ سے کھل کر ہی سننا چاہتے ہیں، تو منیبہ وہ میری آرزوئے تفسخہ لمبی ہے۔ میری صبح وصال، میرے بدن کی خوشبو ہے۔ میرا تصور ہے تخیل ہے۔ یقین ہے، شوق ہے۔ امید ہے تمنا ہے۔ میرے لیے وہ شام و سحر کی گلابی ہے۔

اے آقا! پھر ابی لڑکی کے ہوتے ہوئے میں کیوں کسی اور کے فریب محبت کے درد اور فربہ وعدہ کے زہر کا اسیر ہو جاؤں؟

نور الدین کی یہ گفتگو سن کر تیموریوں چونکا جیسے اس کے سارے خواب بیدار ہو اچانک بیدار ہو گئے ہوں۔ اے نور الدین! اگر ایسا ہے تو اس لڑکی کا چہرہ بناؤ! یہ بھی کہو کہ اس کا کیا نام ہے۔ اگر وہ سمرقند میں ہی ہے تو کس سردار اور رئیس کی بیٹی ہے تاکہ میں اس سے تمہاری شادی کا انتظام و انصرام کروں؟

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں نور الدین نے کہا۔ اے آقا! میں پیسے ہی کہہ چکا

ہوں کہ ابھی اس لڑکی کو ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا۔ جب ایسا کرنے کا مناسب وقت آیا تو میں سب کچھ آپ سے کہہ دوں گا اور اس لڑکی کو مزید اسرار کا رنگ بنا کر نہ رکھوں گا۔

تیمور نے عجیب طرح سے گھورتے ہوئے کہا۔ "پراسے نور الدین! وہ مناسب وقت کب آئے گا؟"

نور الدین نے پہلے کی طرح مسکراتے ہوئے کہا، "کسی بھی وقت آ سکتا ہے میرے آقا! اچانک، یک بیک پھر آپ حقیقت کو جان کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔" تیمور نے امید بھری نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، "اچھا اگر تم مناسب وقت کا ہی انتظار کرنا چاہتے ہو تو کرو۔ میں اس معاملے میں مکمل طور پر تمہارے ساتھ ہوں۔ پر تم اس لڑکی کا نام تو بتا دو نا جس کی انجیلینا کے مقابلے میں تم نے اس قدر تعریف و توصیف کر کے رکھ دی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں تم عام زندگی میں ایسی گفتگو کرنے کے عادی نہیں۔ وہ لڑکی حقیقتاً کمال ہی ہوگی جس کی تم نے اس انداز میں گفتگو کی ہے۔"

نور الدین کی گردن جب جھک گئی تو تیمور نے پھر کہا۔ "دیکھو نور الدین! تم مجھے اس لڑکی کا نام بتانے سے انکار نہ کرنا۔"

نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر کہا۔ "اے آقا! اس لڑکی کا نام اریہ ہے۔ اب آپ اس سے متعلق مزید کچھ نہ پوچھیے اور نہ ہی میں مزید کچھ بتاؤں گا۔ اے آقا! گو اس لڑکی کے خمدار ابروؤں کے اشاروں میں طوفان، تیکھی رنگا ہوں میں گلچیں کے گلے اور صیاد کے شکوے ہیں۔ ماضی میں کسی رجز خواں ببل کی طرح آزاد نہ تھی بلکہ خاک میں بکھرے ٹوٹے ہوئے شیشوں کے نجوم جیسی تھی۔ پر اب میں نے اسے اس حالت سے نکال کر اسے حسین چہروں کے جنگل میں اطلس و دیبا کے لباس کی سرسراہٹ بناتے ہوئے اس کے تن مفلوج میں شکستی بھری ہے۔"

تیمور نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "کیا وہ لڑکی کسی کی لونڈی تھی جو تو نے اسے

آزاد کر کر جز خواں بمل جیسا آزاد بنا دیا ہے۔
 نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا: اے آقا! اب میں اریہ سے متعلق مزید کچھ نہ کہوں۔ کیوں کہ آپ اس سے متعلق اندازے لگانے شروع ہو گئے ہیں۔ بہر حال وہ کسی کی لونڈی نہ تھی اور نہ ہے۔

تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے قریب پڑی چرمی تھیلی نور الدین کی گود میں رکھتے ہوئے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر یہ لوہ جو کچھ اس تھیلی میں ہے یا اریہ کو میری بیٹی جان کر اس کے حوالے کر دینا۔ اگر تمہارے مناسب وقت تک میں زندہ رہا، تو اریہ کو اپنی بیٹی جان کر یہ چیزیں خود اسے پہناؤں گا اور اگر میں پہلے ہی کسی جنگ یا کسی معرکے میں کام آگیا۔ تو پھر جب تم اریہ سے شادی کرو یہ چیزیں اسے میری طرف سے پہنا دینا۔

نور الدین نے وہ چرمی تھیلی کھول کر دیکھی اس میں چار طلائی کرے تھے۔ جن میں ہیرے اور جواہرات بڑے ہوتے تھے۔ کانوں نے چار آویزے تھے جو شاید الماس کے تھے۔ دو طلائی ہار تھے جن میں مروارید نکلے تھے اور دو سی جھومر تھے جن کے اندر یا قوت لگے ہوئے تھے۔

سب چیزوں کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد نور الدین نے مسکراتے ہوئے اور تھیلی کا منہ بند کرتے ہوئے کہا: آپ نے ہر چیز یوں دہری دہری مجھے دی ہے جیسے میں ڈوبو یا کرنے والا ہوں۔

تیمور نے سنجیدگی میں کہا: اے نور الدین! اریہ کو جب میں اپنی بیٹی کہہ چکا ہوں تو اس کے لیے ہر چیز دہری ہوتی چاہیے۔ سنو نور الدین! یہ چیزیں دہلی میں میرے ہاتھ چار چار کی صورت میں لگی تھیں۔ دو دو میں تمہیں اریہ کے لیے دے دی ہیں اور دو دو میں نے اپنی بیوی سرانے خانم اور اپنی بہو یعنی شامرخ کی بیوی کے لیے رکھ لی ہیں۔

خیمے کے اندر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی رہی۔ پھر تیمور دوبارہ نور الدین

کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: اے نور الدین! تھوڑی دیر تک شاید اسقف یوحنا میرے خیمے میں آئے۔ اب تمہاری اس گفتگو کے حوالے سے میں اسے کہہ دوں گا کہ نور الدین اینجلینا کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں ہے۔ لہذا وہ اینجلینا کی شادی جہاں چاہے کر دے اور اس کے بعد میں لشکر کو یہاں سے کوچ کا حکم دے دوں گا۔ اس لیے کہ سمرقند میں ہمارے آنے کی اطلاع پہنچ چکی ہے اور لوگ دریائے جیحون کے کنارے تک ہمارا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہوں گے۔

نور الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ اسقف یوحنا کو ایسا جواب دے دیں۔ وہ اینجلینا کی شادی کسی بھی مناسب و بہتر شخص سے کر دیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ بلکہ میں پوری سرگرمی کے ساتھ اس کی شادی میں شرکت کروں گا۔

اس کے ساتھ ہی نور الدین تیمور کے خیمے سے نکل گیا تھا۔ اس لمحہ تیمور کی حالت ایسی تھی جیسے وہ اپنی زندگی کی بہت بڑی جنگ ہار گیا ہو۔ شاید یہ دکھ نور الدین اور اینجلینا کے حوالے سے ہو۔



حسین اینجلینا اپنے خیمے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں رنگ برنگے پھولوں کے گلے تھے۔ اس نے دیکھا اس کا باپ یوحنا خیمے کے اندر شاید اسی کا منتظر بیٹھا ہوا تھا اینجلینا کو دیکھتے ہی یوحنا نے مایوس سی آواز میں پوچھا: تو کہاں چلی گئی تھی بیٹی! اینجلینا نے گہری خوشی اور مسکراہٹ میں ڈھیر کی صورت میں پھول اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: اے میرے باپ! میں لشکر کی دیگر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ پڑاؤ کے اطراف سے پھول چننے چلی گئی تھی۔ اے میرے باپ! یہ وادیاں بڑی حسین اور پرکشش ہیں اور ہمارے آمد نے انہیں اور زیادہ جاذب نظر بنا کر رکھ دیا ہے۔ اطراف و اکناف میں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے ہر یالی اور پھول می پھول دکھائی دیتے ہیں۔ اے میرے باپ! جی چاہتا ہے کہ ان ہی وادیوں کے اندر ہمارا کوئی گھر ہو

اور ہمیں پرہم اپنی ساری زندگی گزار دیں۔ یہاں فطرت اور اس کے عناصر اپنے عروج پر محسوس ہوتے ہیں۔

اینگلیٹا کی اس گفتگو پر یوحنا نے کوئی اثر نہ لیا اور وہ بدستور سنجیدہ و متین مغموم و ملول اور رنجیدہ و اُداس بیٹھا رہا۔ یوحنا کی اس حالت پر اینگلیٹا متفکر ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "اے میرے باپ! کیا وجہ ہے آپ دلگیر و آزرده اور پریشان و فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کسی نے آپ کا دل دکھایا ہے کیا کسی کے ساتھ آپ کی تیغ کلامی ہوئی ہے؟"

یوحنا نے بوجھل اور بھاری سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اے میری بیٹی! کابل میں پڑاؤ کے دوران میں نے امیر تیمور سے کہا تھا کہ ماتھس کی مرگ کے بعد میں اپنی بیٹی اینگلیٹا کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں اور میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اس سلسلے میں نورالدین سے بات کریں۔ اگر وہ اینگلیٹا سے شادی پر رضامند ہو جائے تو سمرقند پہنچنے کے چند ہی دن بعد یہ شادی کر دوں گا۔

اے میری بیٹی! ابھی تھوڑی ہی دیر قبل امیر تیمور نے اسی سلسلے میں مجھے بلایا تھا اور میں وہیں سے مایوس و نامراد لوٹ رہا ہوں۔ نورالدین نے تمہارے ساتھ شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کاش میں مرچکا ہوتا۔ یا زمین میں ہی کسی جگہ سما چکا ہوتا۔ مجھے نورالدین کے اس جواب اور رویے سے سخت مایوسی ہوئی ہے۔

میں سمجھتا تھا۔ شاید وہ اب تک تمہیں معاف کر چکا ہو گا اور ماضی کی تینوں کو بھلا کر وہ تمہیں اپنلے پر رضامند ہو جائے گا۔ پر شاید میں اپنے خیالوں میں اُدوں کے تیر اور روٹی کی شمیریں چلاتا رہا ہوں۔ شاید میری خواہشیں اور میری آرزوئیں کسی دیوانے کے ارمانوں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھیں۔

آہ! میرے مقدرات ہی میرے لیے کفن فروش اور گور کن ثابت ہو رہے ہیں۔ میں نے نورالدین سے جس قدر اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اے اینگلیٹا! اے میری بیٹی! میری وہ ساری ہی اُمیدیں اک قطرہ خونِ جگر کی طرح بہ گئی ہیں۔"

یوحنا کی گفتگو سننے کے بعد اینگلیٹا نے ایک بھر پور مقدمہ لگایا۔ اس پر یوحنا نے چونک کر اور غور سے کچھ ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا گویا اسے شک ہو گیا ہو کہ اس خبر پر اینگلیٹا کہیں پاگل تو نہیں ہو گئی لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ نہیں اینگلیٹا اپنے شعور اور اپنے حواس میں ہے تب اس نے مطمئن انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میری بیٹی! میں فکر مند ہوں اور تو میری پریشانی پر ہنستی اور خوش ہوتی ہے۔" اس پر اینگلیٹا ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور پوچھا۔ "اے میرے باپ! نورالدین نے اچھا کیا جو انکار کر دیا۔ اس لیے کہ جو کام کسی قاعدے اور کلیے کے مطابق نہ کیا جائے اس کے نتائج اس سے مختلف نہیں ہوا کرتے۔" یوحنا نے اس بار غور سے اینگلیٹا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"اے میری بیٹی! تیرا اشارہ کس طرف ہے۔ کون سا کام قاعدے اور کلیے کے مطابق نہیں ہوا؟"

اینگلیٹا نے اور زیادہ سنجیدگی اور متانت میں یوحنا کو مخاطب کیا۔ "اے میرے باپ! نورالدین کے ساتھ میری شادی کی گفتگو امیر تیمور کے ساتھ کرنے سے قبل کیا آپ نے مجھ سے پوچھا۔ میرا مشورہ لیا؟"

یوحنا نے اس سے انداز میں یوحنا نے کہا۔ "نہیں بیٹی!" اینگلیٹا بولی۔ "تو پھر یہی کام بے قاعدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ آپ کم از کم مجھ کو اس معاملہ میں مشورہ کرتے۔ پھر میں ہرگز اس سلسلہ میں امیر تیمور سے بات کرنے کی اجازت نہ دیتی۔ اس لیے کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس موضوع پر بات کی جاسکے۔" یوحنا نے انتہائی بے بسی کے عالم میں پوچھا۔ "اے میری بیٹی! تو پھر وہ وقت کب آئے گا جب اس موضوع پر گفتگو کی جاسکے گی۔"

اینگلیٹا ایک ماہر دانشور کے سے انداز میں بولی۔ "اے میرے باپ! کبھی آپ نے کوھو سے سرسوں، زیتون یا ایسی ہی دوسری اشیاء کا تیل اور جوہر نکالتے دیکھا۔ اگر دیکھا ہے تو پھر آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ وہ جوہر کس قدر تنگ و دُر

محنت اور مشقت و ریاضت کے بعد وہ جوہر حاصل ہوتا ہے۔ اے میرے باپ! میرے اور امیر نور الدین کے تعلقات بھی ان دنوں کوٹھو میں پس رہے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ ان کا کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا۔ آپ نے چونکہ بے وقت بات کی ہے لہذا آپ کو مایوسی ہوئی۔ اس لیے میں آپ سے یہ کہوں گی کہ آئندہ آپ کبھی میری شادی کی بات کسی سے نہ کریں۔ تاوقتیکہ میں خود آپ کو ایسا کرنے کے لیے نہ کہوں۔ انجیلینا ذرا رُکی، کچھ سوچا پھر اپنے باپ یوحنا کو مخاطب کرتی ہوئی وہ پھر کہہ رہی تھی۔

اے میرے باپ! ساری رات انتظار کرنے کے بعد کہیں طلوع سحر نصیب ہوتی ہے۔ شمع خود ساری رات اپنے ہی درد میں چل کر امداد کی لائٹ بنائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔ میرے اور نور الدین کے درمیان بھی اے میرے باپ! شمع کا درد رات کی تاریکیاں، راز سرِ تہ کی چھاؤں اور لمحوں کی بے ربطگی حائل ہے اور میں اسی درد کو دُور کرنے، انہی تاریکیوں کو ترک کرنے، انہی چھاؤں کو چھلنی اور انہی بے ربطگیوں کو ربط کرنے میں مصروف ہوں۔

اے میرے باپ! کابل کے پڑاؤ کے دوران جہاں آپ نے میری اور امیر نور الدین کی شادی کی بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہاں کابل کی انہی فضاؤں کے اندر اے میرے باپ! میں نے بھی ایک فیصلہ کیا تھا اور جو فیصلہ میں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ میں نے امیر تیمور، لشکر کے عالم دین میر سید اور ملک الاطباء مولائے تبریزی کو مہلک میں اسلام قبول کر لیا ہے۔

اے میرے باپ! میں اب نصرانی نہیں مسلمان ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ میری اس تبدیلی مذہب پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اے میرے باپ! قسم مجھے خداوند کی میں نے نور الدین کو اپنی طرف مائل کرنے اور اس کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ میں خلوص دل سے اسلام قبول کر چکی ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ عم سیف الدین کی وجہ سے میں ایک مدت پہلے سے ہی اسلام کی طرف مائل رہی ہوں۔

اپنی بات ختم کر کے انجیلینا خاموشی اور توجہ سے یوحنا کی طرف دیکھنے لگی اور اس کے تاثرات کا اندازہ کرنے لگی تھی۔ جب یوحنا کے چہرے پر اسے کوئی نمایاں تبدیلی دکھائی نہ دی تب اس نے پوچھا۔ اے میرے باپ! کیا آپ کو میرے اسلام بول کرنے پر تعجب اور ایک طرح کی پریشانی نہ ہوئی؟

یوحنا نے ہلکی ہلکی اور خوشگوار سی مکلاہٹ میں کہا۔ پریشانی کیسی میری بچی۔ تمہارے اسلام قبول کرنے پر حیرت تو مجھے اس وقت بھی نہ ہوئی تھی جب امیر تیمور اور مولائے تبریز نے مجھے کابل میں ہی اس سے متعلق بتا دیا تھا اور پھر میں ایک عرصے سے یہ اُمید اور توقع کر رہا تھا کہ ایک روز تم ضرور اسلام قبول کر لو گی اور ایسا ہی ہوا جیسی میں اُمید لگائے ہوئے تھا۔ پھر اس پر میں کیوں پریشان اور فکر مند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں امیر سیف الدین نے جو اسلامی خطوط پر تمہاری تربیت شروع کر رکھی تھی تو ان کی تربیت ہی یہ رنگ لا کر رہی ہے۔

انجیلینا نے آگے بڑھ کر یوحنا کے دونوں ہاتھ تقام لیے اور فطرتِ مسرت میں اس نے کہا۔ اے میرے باپ! آپ غلط ہیں۔ میں آپ کی مذہبی رواداری، فراخ دلی اور آپ کی عظمت کو سلام کرتی ہوں۔ آج کے بعد یہ کیسی عجیب اور نئی چیز ہوگی کہ ایک ہی گھر میں باپ نصرانی اور بیٹی مسلمان ہوگی۔

اے میرے باپ! میرے ساتھ وعدہ اور عہد کیجئے کہ آپ آج کے بعد آپ نہ تو امیر نور الدین اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ میری شادی کے سلسلے میں بات کریں گے۔ اے میرے باپ! اس معاملے کو میں خود ہی نٹاؤں گی اور ایسے حسن طریقے سے نٹاؤں گی کہ اس میں میری ماں کی خواہش یا رضامندی دونوں میں سے ایک ضرور پوری ہو جائے گی۔ مجھے اپنی ماں کے وہ آخری الفاظ یاد ہیں جو انہوں نے امیر نور الدین سے کہے تھے۔

یوحنا چند ثانیوں تک حیرت و تعجب میں انجیلینا کی طرف دیکھتا رہا پھر چونکتے ہوئے اس نے پوچھا۔ اے انجیلینا! میری بیٹی! تیری ماں کی کیا خواہش اور رضامندی تھی اور اس نے مرنے سے پہلے امیر نور الدین سے کیا گفتگو کی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے ماتھس کی باویں انجیلینا

یو خابے چارہ جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکا اور خاموش ہو رہا۔ اینجیلینا نے اس کے سامنے پڑے ہوئے پھول اٹھالیے اور جب وہ خمیے سے باہر نکلنے لگی تو یوحنا نے پوچھا۔ ”اب تم ہاں جا رہی ہو بیٹی؟“

اینجیلینا نے مڑ کر دیکھا اور کہا۔ ”اے میرے باپ! میں امیر نور الدین کے پاس جا رہی ہوں اور ان سے آپ کے اس روپے کی معذرت کروں گی جو میری شادی کے سلسلے میں آپ لے امیر تمہارے بات کی۔“ یوحنا جواب میں کچھ کہہ نہ سکا اور اینجیلینا خمیے سے نکل گئی تھی۔



اینجیلینا، نور الدین کے خمیے کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ اندر نور الدین اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے پر رکتے ہوئے اینجیلینا نے پوچھا۔ ”اے امیر! کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟“ نور الدین نے خور سے اینجیلینا کی طرف دیکھا پھر کہا۔ ”اندر آنے کے لیے تمہیں اجازت لینا کی تو ضرورت نہیں ہے۔“ اینجیلینا اندر داخل ہوئی۔ سارے پھول اس نے ایک ڈھیر کی صورت میں لکھ دیئے اور دوبارہ گول اور شکووں سے بھر پور آواز میں اس نے کہا۔ ”اے امیر! کیا میں ہاں بیٹھ بھی سکتی ہوں؟“

نور الدین نے تعجب اور نئے پن سے اینجیلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اے اینجیلینا! یہاں بیٹھنے کے لیے بھی تمہیں میری اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اینجیلینا وہاں نور الدین کے سامنے بیٹھ گئی اور قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتی نور الدین نے کہا۔ ”اے بنت یوحنا! تم نے خمیے میں داخل ہونے اور پھر یہاں بیٹھنے کے لیے پہلے کبھی ان اجنبیوں کی طرح اجازت تو نہ لی تھی۔ کیا آج اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔“

اینجیلینا نے اس پر ٹوٹتی آواز اور شکستہ اور بکھرے بکھرے انداز میں کہا۔ ”اے امیر! یہاں ہر کوئی ایک دوسرے کے لیے اجنبی و نا آشنا ہے۔ انسان کے مقدرات میں کبھی ایسے لمحات بھی آ جاتے ہیں جب اپنے بھی شناسائی اور پہچان تک فراموش کر لے ہیں۔ اے امیر! میں آپ کا زیادہ وقت برباد نہ کروں گی۔ میں دراصل اپنے باپ کے

اُداس سی ہو گئی تھی۔ ہر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔ ”اے میرے باپ! جس روز دریائے جہنم کے کنارے ہمارے شکر نے پڑاؤ کر رکھا تھا اور امیر نور الدین ہمارے خمیے میں آئے تھے اور آپ تھوڑی دیر تک ان کے پاس بیٹھنے کے بعد ماں کے لیے طبیب سے دوا لینے چلے گئے تھے۔ اسی روز آپ کے جانے کے بعد ماں نے امیر نور الدین کو اپنے پاس بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اے نور الدین! میری دلی خواہش ہے کہ تم اینجیلینا کی ماضی کی ساری زبائیر کو فراموش کر کے اسے اپنانے کا عہد کر لو۔ میں تمہیں وعدہ دیتی ہوں کہ اینجیلینا تمہیں یادوں کی خوشبو جیسا خوش، باتوں کی لاگ جیسا پُر سکون رکھے گی۔ اس لیے کہ اینجیلینا دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند کرتی ہے اور انہی اسی محبت و چاہت کے بل بوتے پر وہ تمہاری زندگی کو لذتوں سے شہر آباد کر کے تمہارے دل کے نہاں خافوں میں اطمینان و سکون کے شیش محل کھڑے کر کے رکھ دے گی۔“

اے نور الدین! اگر تم اینجیلینا سے شادی نہ کرنا چاہو تب بھی تم اسے اپنے ہاں بڑی کی حیثیت سے نہیں تو ایک لونڈی اور خادمہ کی حیثیت سے ہی رکھ لینا۔ اے نور الدین! میرے عزیز! اینجیلینا کی اگر کہیں اور شادی کرنے کی کوشش کی گئی تو میں جانتی ہوں یہ ضرور خودکشی کر لے گی اور یہ بات اس کا باپ یوحنا بھی جانتا ہے۔ پس اے نور الدین! اینجیلینا کسی اور کے گھر جانے کے بجائے تمہارے ہاں خادمہ کی حیثیت سے زیادہ خوش رہے گی۔“

اینجیلینا فرار کر بولی۔ ”اے میرے باپ! یہ میں وہ الفاظ جو میری ماں نے اپنی زندگی کی آخری گھڑیوں میں امیر نور الدین سے کہے تھے۔ اے میرے باپ! آپ کہیں بھی میری شادی کی بات کرنے کا خیال ترک کر دیں۔ اگر میں انہی ملک و دو میں کامیاب ہو گئی کہ امیر نور الدین مجھے اپنائیں تو اس طرح میری ماں کی خواہش کی تکمیل ہو جائے گی اور اگر میں ایسا کرنے میں ناکام رہی تو پھر میں ایک خادمہ ایک زرخیز لونڈی کی حیثیت سے امیر نور الدین کے ہاں کام شروع کر دوں گی اور میرے ایسا کرنے میں یقیناً میری ماں کی رضا مندی شامل تھی۔“

رویتے پر آپ سے معذرت طلب کرنے آئی تھی۔

نور الدین نے پریشانی میں چونکتے ہوئے پوچھا۔ ”اے انجیلینا! تمہارے باپ نے کیا کیا ہے جس کے لیے تم مجھ سے معذرت طلب کرنے آئی ہو۔“

اس موقع پر انجیلینا کی گردن جھک گئی اور دُکھ سے لبریز آواز میں اس نے کہا ”اے امیر! میرے باپ نے امیر تیمور سے میری اور آپ کی شادی کی بات کی تھی جس پر آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اے امیر! میں ایسی زحمت کی معذرت طلب کرنے آئی ہوں۔ اے امیر! بخدا! ایسی گفتگو کرنے سے قبل میرے باپ نے مجھ سے مشورہ نہیں کیا۔ اگر وہ مجھ سے پوچھتے تو قسم خداوند کی میں ہرگز انہیں امیر تیمور کے ساتھ اپنے اور آپ سے متعلق رشتے کی گفتگو کرنے کی اجازت نہ دیتی۔ اے امیر! میں بس اسی کی معذرت طلب کرنے آئی ہوں۔ میں کسی کی نگاہ میں گری ہوئی اور حقیر نہیں بننا چاہتی۔ امید ہے کہ آپ میرے باپ کے اس رویے کو درگزر کر کے فراموش کر دیں گے۔“

نور الدین نے بڑی نرم آواز اور مہمردانہ لہجے میں کہا۔ ”اے انجیلینا! میں نے قطعاً محترم یوحنا کے اس رویے کو ناپسند نہیں کیا۔ اس لیے تمہیں اس پر معذرت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہا میرا تمہارے ساتھ شادی کرنے سے انکار تو اس کے لیے میں یہ کہوں گا کہ میں ایک پست پرواز انسان ہوں۔ میں اُن لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا جو بلند پروازی کے پرودہ ہوں۔ اے انجیلینا! میں ایک غلام تھا۔ سو میں نے اپنے لیے ایک ایسی ہی لڑکی کا انتخاب کر لیا ہے جو ایک پست پرواز رکھنے والے غلام کے لیے مناسب ہو سکتی ہے۔“

دُکھ اور غم میں انجیلینا کی گردن جھک گئی تھی۔ پھر اس نے روتی اور بین کرتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا آپ اپنی اس گفتگو سے مجھے حدت بنانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ غلام کے اس لفظ پر میں آپ سے معذرت بھی کر چکی ہوں اور آپ مجھے معاف بھی کر چکے ہیں۔“

نور الدین نے فوراً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ ”تم نے غلط اندازہ لگایا ہے انجیلینا! میرا مطلب تمہاری دل شکنی نہ تھا۔ بخدا! میں ایسا حقیقت کا اظہار کرنے کے لیے کیا ہے۔“

انجیلینا پھر بولی۔ ”چلو حقیقت کے اظہار کے طور پر ہی سہی پھر بھی میں آپ کی اس منطق کو قبول نہیں کرتی۔“

اے امیر! آپ نے کبھی شاہین کو شکار کرتے دیکھا ہے۔ جب وہ بلندی کی سمت شکار دیکھتا ہے تو تیر کی طرح پستی سے بلندی کی طرف لپکتا ہے اور جب وہ پستی کی طرف اپنا شکار دیکھتا ہے تو آندھی کے سے انداز میں وہ بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے۔ اے امیر! آپ اگر کبھی پستی میں تھے بھی تو اپنے کارناموں کی بدولت اب جو رفعت خداوند کی طرف سے عطا ہوئی تو کیا اس پر دہلی سے دجلہ تک اور کابل سے سمرقند تک لوگ رشک نہیں کرتے۔ اے امیر! میرا مطلب اپنی صفائی پیش کرنا اور آپ کی گفتگو پر طنز کرنا نہیں بلکہ حقیقت پھر بھی حقیقت ہے اور اس کا اظہار ضرور کرنا چاہیے۔

انجیلینا کی اس گفتگو پر نور الدین چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر وہ دوبارہ بولا۔ ”اے بنتِ یوحنا! میں تمہیں اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ انکشاف مجھ پر امیر تیمور نے کیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک تم میرے خیمے میں نہ آتی تو میں خود تمہارے خیمے میں آکر اس پر تمہیں مبارک باد دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اب تم بنتِ یوحنا کے علاوہ بنتِ سمرقند اور بنتِ اسلام بھی ہو۔“

اے انجیلینا! میری نگاہوں میں اب تمہارا قد بہت اونچا اور تمہاری قدردانی بہت پہلے سے کئی گنا زیادہ بلند ہو کر رہ گئی ہے۔

انجیلینا چند ثانیوں تک رکنے کے بعد دوبارہ کہہ رہی تھی۔ ”اے امیر! آپ اگر کل غلام تھے تو آج اُن گنت لوگوں کے امیر بھی ہیں۔ اے امیر! اگر میں بے بس ولاچار لڑکی ماضی میں آپ کو غلام ابن غلام کہنے کی گندگار ہوئی تھی اور آج میں ہی آپ کو امیر کہہ کر مخاطب کر رہی ہوں۔“

اے امیر! آج اگر میں حالات و وقت کے ہاتھوں اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کے باعث لاچار اور مجبور ہوں تو کل کو میری یہ لاچارگی اور مجبوری ختم بھی ہو سکتی ہے۔ آج اگر میں ساگر کی تہ بنی ہوئی ہوں تو کل کو میں اکبر کہ ساگر کی سطح پر بھی نمودار ہو سکتی

کے ساتھ سمرقند پہنچا۔ لوگوں نے دریائے جیحون کے کنارے تک آکر لشکر کا استقبال کیا تھا اور ان کا استقبال کرنے والوں میں مقامی امراء و رؤسا، باہرے آئے ہوئے سوداگر و رؤسا بھی شامل تھے۔

مرد و عورتوں کا ایک حجم غیر تھا جو استقبال کے لیے دریائے جیحون کے کنارے جمع ہو گیا تھا اور ان استقبال کرنے والوں میں ملکہ سرائے خانم اور شہزاد محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل کی ماں خانزادہ بھی شامل تھی۔

خانزادہ اپنے بیٹوں میں سے چونکہ خلیل کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ اس لیے وہ اس جگہ پر تھی کہ امیر تیمور شہزادہ خلیل کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ پر ایسا ہوتا اسے دکھائی نہ دے رہا تھا۔

ملکہ سرائے خانم اور خانزادہ کی طرف سے امیر تیمور، شہزادہ محمد سلطان، پیر محمد اور خلیل پر موتی پھاند کرنے کے علاوہ حسب معمول سونے کا ٹوڑا بھی پھینکا گیا۔ ملکہ سرائے خانم جب امیر تیمور کے نزدیک آئی تو تیمور نے رازداری کے ساتھ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اپنے قاصد کے ہاتھ تمہارا خط مجھے ہندوستان کی سرزمین میں مل گیا تھا اور بقول تمہارے اگر شاری ملک واقعی خلیل کے بچے کی ماں بننے والی ہے تو پھر میں اسے معاف کرتا ہوں۔ ورنہ قسم خداوند کی میں نے پختہ عزم کر لیا تھا کہ اسے قتل کر کے ہی چھوڑوں گا۔ بہر حال اب وہ عزم میں رہ سکتی ہے۔"

ملکہ سرائے خانم نے گہری مسکراہٹ میں کہا۔ "سمرقند کے اندر آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے ولی عہد سے متعلق بھی چرچے ہو رہی ہیں۔ کیا میں جان سکوں گی کہ آپ کے اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ کیوں کہ خانزادہ خلیل کے لیے بھی دلی عہد کی امیدوار ہے۔"

امیر تیمور کے ہونٹوں پر اس لمحہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔ "گو ابھی تک میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ میرا ولی عہد کون ہو گا لیکن یہ امر طے شدہ ہے کہ یہ مقام کسی بھی صورت خلیل حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسا اس وقت بھی ناممکن ہوتا اگر میرا کوئی بیٹا اور

اس لیے کہ انجام بے رحم راستے کہیں نہ کہیں جا کر تو کسی بڑی شاہراہ سے ہم کنار ہو رہی جلتے ہیں۔

اے امیر! یہ زندگی پانی کے بہاؤ کی مانند ہے جس کے اندر کہیں لہریں اٹھتی ہیں، کہیں منجمد ہار پیدا ہوتے ہیں اور کہیں بہہ یہ بہاؤ پتھر سکون ہوتا ہے۔ اے امیر! انسانی زندگی بھی اس بہاؤ جیسی ہی ہے۔ لہذا اس کے اندر رفعت و پستی، نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری ہے۔"

انجیلینا کے خاموش ہونے پر نور الدین نے کہا۔ "اے انجیلینا! تم تو اپنی باتوں اور اپنی گفتگو میں فلسفہ بھرنے لگی ہو۔"

انجیلینا نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں جواب دیا۔ "اے امیر! وقت اور حالات انسان کو سب کچھ ہی بنا دیتے ہیں۔ یا یہ کہیے کہ بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لہذا میں وقت اور حالات کے تابع ہوں اور کائنات کے یہ دونوں مجھ پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ نور الدین نے اس بار بات کا نسخ بدلا اور پوچھا۔ "اور یہ پھولوں کے ڈھیر مجھے کس خوشی میں پیش کیے گئے ہیں۔"

انجیلینا نے فوراً صفائی پیش کر دی۔ "اے امیر! آپ پریشان نہ ہوں، یہ پھول آپ کو کوئی مطلب نکالنے کے لیے نہیں پیش کیے گئے بلکہ میں لشکر کی دیگر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ اپنے پڑاؤ کے اطراف کی وادیوں میں گئی تھی اور وہیں سے یہ پھول تھام کر لائی تھی اور پھر۔"

انجیلینا کتے کتے خاموش ہو گئی کیوں کہ لشکر کے اندر کوچ کے تقاریر بچنے لگے تھے۔ انجیلینا فوراً کھڑی ہو گئی اور کہا۔ "میں اب جاتی ہوں کیوں کہ لشکر اب کوچ کرنے والا ہے۔" پھر نور الدین کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ دہاں سے چل گئی۔ تھوڑی دیر بعد لشکر دہاں سے سمرقند کی طرف کوچ کر رہا تھا۔



موسم بہار اپنے عروج پر تھا جب ہندوستان کو زیر کرنے کے بعد تیمور اپنے لشکر

پتا ہی نہ ہوتا

ملکہ سرہے غالم چونکہ خود اپنے بیٹے شہزادہ شاہ رخ کے لیے دلی عہد کی امید دار تھی لہذا امیر تیمور کے اس جواب پر وہ مطمئن اور خاموش ہو گئی تھی اور لشکر استقبال کرنے والوں کے ہجوم میں سمرقند شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

یہ آٹھواں موقع تھا کہ امیر تیمور ایک فاتح کی حیثیت سے سمرقند میں داخل ہوا تھا۔ اور اس بار اس کے ساتھ چونکہ ہندوستان سے حاصل کیے ہوئے ہاتھی بھی تھے لہذا سمرقند کے لوگ حیرت و تعجب کے ساتھ ان کوہ پیکر حوانوں کو دیکھ رہے تھے جن کے جسم پر طرح طرح کے رنگ ملے ہوئے تھے اور جھومتے جھاتے آگے بڑھ رہے تھے۔

ہندوستان سے امیر تیمور اپنے ساتھ چونکہ دہلی کی جامع مسجد کا نقشہ اور دو موعار اور مناع بھی اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ لہذا سمرقند میں داخل ہونے کے بعد ہی روز بعد اس نے سمرقند میں جامع مسجد دہلی جیسی ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا تھا۔



ہندوستان سے واپسی کے بعد گو تیمور بظاہر سمرقند کی جامع مسجد کی تعمیر میں مصروف دکھائی دیتا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ بے پناہ جنگی تیاریوں میں مصروف تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے لشکر کو آرام کا موقع بھی فراہم کر رہا تھا۔

در اصل اب وہ ترکی کے بادشاہ بایزید یلدرم کو اپنے سامنے زیر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ تین قوتوں کو اپنے سامنے سرنگوں کرنا چاہتا۔ ایک ترکی کا سلطان بایزید یلدرم دوسرا مصر کا سلطان برقوق اور تیسرا بغداد کا سلطان احمد اور وہ اس پر کہ تیمور نے بغداد فتح کر کے اس پر اپنا حاکم مقرر کیا تھا لیکن اس کے بغداد سے جانے کے بعد بایزید یلدرم اور سلطان برقوق کی شہ پر بغداد کا سلطان احمد جو تیمور کے حملے سے پہلے بغداد چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، بغداد پر حملہ آور ہوا۔ تیمور کے حاکم کا اس نے خاتمہ کر دیا اور بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد وہ سلطان بغداد کی حیثیت سے پھر سامنے اکھڑا ہوا تھا۔

بایزید کے خلاف تیمور کے دل میں نفرت پیدا ہونے کی دوسری اور بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ تیمور کے کچھ سردار اس کی خشک مزاجی، تنگ دلی اور ظلم و تتم سے تنگ آ کر اس کے ہاں سے بھاگ گئے اور بایزید یلدرم کے پاس جا کر پناہ لے لی۔ تیمور نے بایزید سے اپنے ان سرداروں کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن بایزید نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا تب

لازار کے بیٹے اسٹیفن نے خود بایزید کی خدمت میں پیش ہو کر نہ صرف صلح کی درخواست کی بلکہ اس نے اپنی خوب صورت اور حسین ترین بہن ڈیسیپنا کو بھی بایزید کے عقد میں دینے کی پیشکش کی۔

اس طرح بایزید اور سرویا کے بادشاہ لازار کے درمیان صلح ہو گئی جس کے نتیجے میں سرویا کی شہزادی ڈیسیپنا کی شادی بایزید سے کر دی گئی۔ اس کے علاوہ لازار اور اسٹیفن نے چاندی کی کانوں کی آمدنی کا ایک حصہ ہر سال بایزید کو خراج کے طور پر دینا بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح بایزید کی یورپ کے اندر ایک حکمران کی حیثیت سے پہلی کامیاب اور نفع بخش یلغار تھی۔

سرویا کے اندر کامیاب یلغار کے بعد یورپ میں دریائے ڈینیوب کے کنارے ولاچیہ کے شہزادے مارچ نے بایزید کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بایزید کو جب مارچ کے ارادوں کی خبر ہوئی تو وہ قدرت کی غضب ناک انگریزائی اور صحرائی گہری پیاس کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ ولاچیہ کی طرف بڑھا۔ اس نے ولاچیہ کو زیر و بر کر کے رکھ دیا اور شہزادہ مارچ کو اپنے سلمے سر جھکانے اور اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مارچ کی اس ہم سے بایزید ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ ایشیا میں کریمیا کے شہزاد نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اب بایزید کا رخ یورپ سے ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح ایشیائے کوچک کی طرف بڑھا اور اپنے دشمنوں اور باغیوں کو اس نے خس و خاشاک کی طرح اڑا کر رکھ دیا۔ اب وہ ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں کے علاوہ باسفورس سے ڈینیوب تک کے علاقوں کا حکمران تھا۔

عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ جس کی حالت گو ایک کٹھ پتلی ہی کی سی تھی لیکن وہ مصر میں قاہرہ کے اندر موجود تھا اور اب بھی روحانی اقتدار کا مالک تھا۔ اسی خلیفہ نے نہ صرف بایزید کی ان فتوحات کو سراہا بلکہ بایزید کو سلطان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ عثمانی ترکوں کے اندر بایزید پہلا حکمران تھا جسے یہ اعزاز حاصل ہوا۔

تیمور نے بایزید کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا اور اسے یقین تھا کہ بایزید کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد مصر کے سلطان برقوق اور بغداد کے سلطان احمد کو مار بھگا نا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

تیمور اور بایزید میں کوئی بھی قدر مشترک نہ تھی۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد تیمور نے مسلم علاقوں کو ہی روند کر ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی پوری زندگی میں اس نے اسلام دشمن قوتوں کے خلاف کوئی معرکہ نہ کیا تھا۔ وہ مذہب و ملت کی فلاح کو یک سر فراموش کر کے صرف اپنی سلطنت وسیع کرنے میں لگا رہا تھا۔

بایزید یلدرم کی حالت تیمور سے مکمل طور پر مختلف تھی۔ اپنے باپ مراد کی مرگ کے بعد بایزید ترکی کا حکمران بنا اور اس سال اس نے یورپ کو اپنا مدد بنایا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ سرویا پر حملہ آور ہوا۔ سرویا کا بادشاہ لازار اور اس کا بیٹا اسٹیفن دونوں ہی اس حملے کی تاب نہ لاسکے۔ بایزید طوفانی انداز میں سرویا کے اندر فوجیں بھیج کر چلا گیا تھا۔ اس نے سرویا کی چاندی کی کانوں پر قبضہ کر لیا جو یورپ کی بہت بڑی اور قیمتی کانیں سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ بایزید نے یورپ میں اس کے مقام پر ایک ترک نوآبادی بھی قائم کر کے رکھ دی تھی یہاں تک کہ بایزید یلغار کرتا دیکھ کر تک جا پہنچا تھا۔

سرویا کے بادشاہ لازار اور اس کے بیٹے اسٹیفن نے جب دیکھا کہ بایزید سے مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے تو انہوں نے بایزید سے صلح کی درخواست کی اور

۱۔ اس کا موجود نام اسکو بلچ ہے اور یہ بلغراد سے دوسو میل کے فاصلے پر دریائے دردار کے کنارے واقع ہے۔

۲۔ آج کل یہ شہر شمال مغربی بلغاریہ میں دریائے ڈینیوب کے کنارے یوگوسلاویہ کی سرحد پر واقع ہے۔

سلطان بائزید یلدرم کی ان فتوحات سے پورا یورپ حبل اٹھا اور انہیں ایساں ہو گیا تھا کہ اگر پورپ کے اندر سلطان بائزید یلدرم کی یلغار کو روکا نہ گیا تو پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ سارا یورپ ایک لاش کی طرح سلطان کے سامنے پڑا ہوگا اس لیے جب سلطان بائزید یلدرم نے قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ مینوئل کو مجبور کر کے نہ صرف قسطنطنیہ میں ایک مسجد کی تعمیر کا اہتمام کرایا اور اس مسجد سے متصل ایک اسلامی درس گاہ کی تعمیر ہوئی اور کٹر عیسائیت کے دامن میں اس جگہ کو مسلمانوں کی رہائش کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ اس علاقے میں جو مسلمانوں کا علاقہ کہلانے لگا تھا۔ ایک مسلمان قاضی کا تقرر بھی عمل میں آیا تاکہ اس علاقے میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو سکے۔ یہ ساری خبریں جب یورپ پہنچیں تو یورپ کے حکمرانوں اور پادریوں کے سلطان بائزید یلدرم کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ ہنگری کا بادشاہ سمبند ایک درخواست لے کر پاپائے اعظم قبیس نہم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے التجا کی کہ وہ یورپ میں سلطان بائزید یلدرم کے خلاف صلیبی جہاد کا اعلان کرے۔ پس پاپائے اعظم قبیس نہم نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا اور تمام یورپی حکمرانوں سے اس نے مطالبہ کیا کہ اس صلیبی جنگ میں حصہ لینے کے لیے وہ اپنے اپنے لشکر روانہ کریں۔

پس پاپائے اعظم قبیس نہم کے اس مطالبے پر فرانس نے اپنا ایک جہاز لشکر اپنے عظیم سپہ سالار نیور کی کمانداری میں روانہ کیا اور اس لشکر میں شہنشاہ فرانس کے تین بھتیجے بھی شامل تھے۔

ان کے علاوہ اٹمائس کافلیپ، کاؤنٹ آف یو، کانسٹیبل آف فرانس اور بہت سے دیگر فرانسیسی سورا شامل تھے۔ دوسرا لشکر مارچ کے کاؤنٹ نے تیار کیا۔ تیسرا لشکر برشلون کے ناٹ آف سینٹ جان پرتھل تھا، چوتھا لشکر بواربوں

پرمینی تھا اور ان کا سپہ سالار الیکٹر پلٹائن تھا۔ پانچواں لشکر دلاچی کے سوراؤں نے تیار کیا۔ چھٹا لشکر بلغاریوں نے تیار کیا اور اس لشکر کا سالار عظیم بلغاریہ کا ایک بے مثل جنگ جو سیمان تھا۔

پس یہ متحدہ لشکر جس کی تعداد کا کوئی اندازہ ہی نہ کیا جاسکتا تھا۔ سلطان بائزید یلدرم کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ سر دیا کے بادشاہ لازار اور اس کے بیٹے اسٹیفن نے چونکہ سلطان بائزید یلدرم سے صلح کا عہد کر لیا تھا اور سر دیا کے بادشاہ نے اپنی بیٹی ڈیسنپا سلطان کے عہد میں دے رکھی تھی لہذا اس متحدہ لشکر نے اپنے انتقام کی آگ بجھاتے ہوئے سب سے پہلے سر دیا ہی کو پامال کیا۔ سر دیا کا بادشاہ کہیں روپوش ہو گیا اور اپنے بیٹے اسٹیفن کو اس نے سر دیا کا بادشاہ بنا دیا۔ اس متحدہ لشکر کی یلغار کے سامنے اسٹیفن بھی اپنے منٹھی بھر جان نثاروں کے ساتھ گناہ کو ہتانی سلسلوں میں جا چھپا تھا۔

اس متحدہ لشکر نے سر دیا کو خوب روندنے کے بعد ویدین اور اسوا کے مقام پر ترکی کی جو نو آبادیاں اور فوجی قلعہ جات تھے ان کا رخ کیا۔ ایک منہ زور سیلاب کی طرح صلیبی لشکر ان دونوں نو آبادیوں پر حملہ آور ہوا اور وہاں جس قدر ترک تھے انہیں انہوں نے قیدی بنا لیا۔

ان فوجی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد عین ناکو پولس شہر کے سامنے یورپ کے اندر ترکوں کے دو بڑے قلعوں سسٹورا اور سسٹریا کی طرف بڑھے۔ ناکو پولس پر بھی چونکہ ترکوں کا قبضہ تھا لہذا ان تینوں قلعوں کا اس صلیبی لشکر نے محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں کو اُمید تھی کہ ترکوں کے ان تینوں قلعوں کو وقت ضائع بغیر فتح کر لیں گے لیکن لیکن ان قلعوں کے اندر عرصہ ترک جنگجوؤں نے کمال جرات مندی کا مظاہرہ کیا اور سیلاب جیسے اس لشکر کو انہوں نے روکے رکھا اور قلعے فتح کرنے نہ دیے۔ ساتھ ہی

انہوں نے سلطان بایزید یلدرم کو بھی ان تکلیف دہ حالات کی خبر کر دی تھی۔

صلیبی سپہ سالار بھی جان گئے تھے کہ ان قلعوں کے ترک محافظ اس وقت انہیں اُلجھانے کا ارادہ رکھتے ہیں جب تک سلطان بایزید اپنے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو نہ پہنچ جائے۔

صلیبی سالار سلطان بایزید یلدرم کے اس طرف آنے کو مضحکہ خیز قرار دینے لگے اور ڈھینگیں مارتے ہوئے وہ یہ تک بھی کہنے لگے کہ نائکو پولس کی طرف آنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ سلطان بایزید یلدرم یورپ کے متحدہ لشکر کے آنے کی اطلاع پا کر وہ وائیل کو ہی عبور کرنے کی جرات نہ کرے گا۔ اور صلیبی سالار ایسی ڈینگیں مارنے میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ ان کے متحدہ لشکر میں پورے یورپ کی بہترین عسکری قوت جمع ہو گئی تھی اور کوئی عام سالار اس لشکر کا مقابلہ کرنا تو دور کی بات اس کا سامنا کرنے سے بھی ہر مصرت میں گریز ہی کرتا۔

اپنے اسی زعم میں صلیبی لشکری خوب شراب پی پی کر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے۔ جنہیں وہ یورپ سے بحری جہازوں میں بھر کر دریائے ڈینیوب تک لائے تھے۔ اپنے اپنے شراب کے جام بھرتے ہوئے اور داو عیش دیتے ہوئے صلیبی لشکری اور سالار نعرہ مارنے کے انداز میں فخر و کبر کے ساتھ کہتے کہ ان کے لشکر کی قوت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر ان پر آسمان بھی گر جائے تو وہ اُسے اپنے نیزوں کی انیوں پر روکتے سکتے ہیں اور یہ کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت بایزید کو تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ انہوں نے ترکوں کے قلعوں نائکو پولس ہسٹوا

۱۰ ماخوذ از سلاطین ترکیہ۔

۱۱ صلیبیوں کی ڈھینگوں اور عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت اور بد کاریوں کا ذکر اسٹینلین پول تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔

۱۲ بقول لین پول یہ الفاظ ہنگری کے بادشاہ سمجمنڈ کے کہے تھے۔

اور سلطربا کا محاصرہ بڑی آرام طلبی سے کر رکھا تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ ان شہروں اور قلعوں نے ایک رمضان کے آگے تسخیر ہونا ہی ہے۔

یورپ کے اس متحدہ لشکر اور اس کے سالاروں کو یقین ہو چکا تھا کہ سلطان بایزید یلدرم کسی بھی صلیبی لشکر کا سامنا کرنے کے لیے ورہ وائیل کو عبور نہ کرے گا اور جب تھوڑی دیر کے بعد صلیبی لشکر کے خبر یہ خبر لائے کہ چھ گھنٹوں کے بعد سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ جلتے صحرا اور درو کی تحریروں کی طرح یلغار کرتا ہوا نائکو پولس پہنچ جائے گا تو عیش و عشرت اور خوش فہمیوں میں مشغول صلیبی سپاہ نے انتہائی نفرت و حقارت سے تہمتے لگاتے ہوئے کہا۔ کہ اس خبر میں کوئی سچائی ہو ہی نہیں سکتی اور مارشل یوسی کالٹ نے تو دھمکی آمیز انداز میں یہ تک کہہ دیا کہ اگر اس قسم کی غلط افواہیں پھیلائی گئیں تو ایسی خبریں لانے والے مجرموں کے کان کاٹ دیئے جائیں گے۔

یورپی اور صلیبی سپاہ ابھی انہی خمینوں اور خوش فہمیوں میں مصروف تھی، کہ سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ وقار و استقامت، ساحلوں کے پاساں آفاق آشنائیت اور آندھی کے ویران کر دینے والے جھکڑوں کی طرح ان کے سامنے نمودار ہوا۔

سلطان کی اس اچانک آمد پر صلیبی تھوڑی دیر کے لیے بدحواس ہوئے لیکن جلد ہی وہ سنبھل گئے اور مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ صلیبیوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ جن قدر ترکوں کو انہوں نے ویدین اور اسوا کے قلعوں پر قبضہ کر کے قیدی بنایا تھا سب سے پہلے ان ترک قیدیوں کو انہوں نے سلطان بایزید کے سامنے قتل کر دیا۔

اس موقع پر سلطان نے بند آواز میں ایک طرح سے عہد کرتے ہوئے کہا 'اے صلیبیو! واللہ! تم میرے انتقام سے بچ نہ سکو گے۔ تمہیں ان شہید ترکوں کے خون کا حساب دینا ہو گا۔ قسم خداوند کی! میں تمہیں اس سے بھی بدترین

اور ہولناک انداز میں قتل کروں گا۔

ترک قیدیوں کو قتل کرنے کے بعد دیوانگی اور جنون کی حالت میں صلیبی لشکر نے سلطان بایزید کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ چاروں طرف ماتم سرائے دہراور جنگ کا طوفان خیز شور مٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سلطان بایزید کے لشکر کے اگلے حصے پر جب صلیبی لشکر حملہ آور ہوا تو سلطان کے لشکر کا یہ حصہ اپنے دائیں اور بائیں جانب پیچھے ہٹ گیا۔ لشکر کے اس حصے کے پیچھے مینی چری تھے۔ صلیبی جب مینی چریوں پر حملہ آور ہوئے تو مینی چری بھی دائیں بائیں پھٹتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ اب صلیبی لشکر کے سامنے سلطان بایزید لیدیم کے لشکر کا وہ حصہ تھا جسے سپاہی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا اور اس لشکر کے اندر خود سلطان بایزید بھی موجود تھا۔ وہ اپنے توانا گھوڑے پر چاک و چوبند اور پرسکون اس شاہین کی طرح بیٹھا ہوا تھا جو اپنے شکار کا منتظر ہو۔

سلطان بایزید کے لشکر کے اگلے دو حصوں کے پیچھے ہٹنے پر صلیبی بھی سمجھے کہ انہوں نے اپنے بھرپور حملوں سے سلطان کے ان حصوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

اسی زعم میں جب صلیبی سلطان کے اس لشکر پر حملہ آور ہوئے جو سپاہی کہلاتا تھا اور جس کے اندر سلطان بذات خود موجود تھا۔ پوری قوت کے ساتھ صلیبی اس حصے پر حملہ آور ہوئے لیکن اس وقت ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہ اس اس لشکر کو شش سے مس نہ کر سکے تھے اور سلطان ان کے سامنے ایسے انداز میں اپنے گھوڑے پر بیٹھا تھا جیسے کوئی زہناک سانپ دس لینے کا عزم نہ چکا ہو۔ جیسے منیڈا شکار پر جبت لگانے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ جیسے کوئی شاہین پرواز کے لیے پر کھول چکا ہو۔

پھر سلطان نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور پھر مسلمان لشکریوں کی اللہ اکبر کی آواز سے پوری رزم گاہ گونج اٹھی تھی۔ بالکل ایسے انداز میں جیسے قیامت بدوش

سوچوں کا زہر فضاؤں میں گھل گیا ہو۔ جیسے نقابہ نقیب کی صداقت تکبیر کے تہ طمانچوں میں نوائے سروش کی طرح بلند ہو گئی ہو۔ تکبیر کی یہ صدائیں یوں اطراف و اکناف میں بکھری تھیں جیسے ابر ٹوٹ کر برسا ہو، جیسے سنگتی ریت کے سمندر وقت کا ہولناک سمندر نکل کر رہ گیا ہو۔

ان تکبیروں کے سائے میں سلطان بایزید لیدیم نے حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا اور اس حملے میں سلطان خود اپنے اس لشکر کی راہنمائی کر رہا تھا جسے سپاہی کہہ کر پکارا جاتا تھا اور یہ حملہ کوئی عام ساحلہ نہ تھا۔ ترک اپنے سلطان کے ہمراہ اللہ اکبر کی رجز خوانی کرتے ہوئے ایسے انداز میں صلیبیوں پر حملہ آور ہوئے تھے جیسے آندھی کے ہیبت جھکڑوں، سیال کی صودت بجلیوں کی کڑک اور طوفانوں کے زور نے اچانک کسی کو آدو چا ہوا اور صاعقہ بدوش ترک سنگین حصار کا روپ دھار کر کربائی کشش کی طرح جلوہ در جلوہ، سنگ در سنگ دھیرے دھیرے چپکے چپکے لاوے، شعلے اور شہرے کی طرح صلیبی لشکر کے اندر تک گھسنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ ایسا شوریدہ مزاج، اعصاب شکن، طغیانی و جرات سے لبریز اور تشدد و تباہ کاری سے بھرپور حملہ تھا کہ یورپ کے اس صلیبی لشکر کو اپنے سارے جو دستم کو بھول کر نجات رسوائی کی طرح ایک ٹیلے کے اوپر اور اس کے اطراف میں پناہ کی خاطر جمع ہونا پڑ گیا تھا۔

اس ٹیلے پر چڑھ کر جب صلیبیوں نے اپنے آپ کا جائزہ لیا تو انہیں انتہا درجہ کی حیرت و مایوسی ہوئی۔ سلطان کے لشکر کا پہلا اور دوسرا حصہ جو مینی چریوں پر شتمل تھا اور جسے اپنے زعم میں صلیبی دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے سلطان کے خاص لشکر تک پہنچے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہٹنے والے سلطان کے یہ عساکر بھی اب نیزوں کے جنگل کی صورت اختیار کیے پوری خود شناسی و خود آگاہی کے ساتھ بیکراں طلسم، راز شیدت، منزلوں کی بشارت اور روشنی کے سفر کی طرح اب ان پر حملہ آور ہوا ہونے کو آگے بڑھ رہے تھے۔ سلطان کے صرف ایک اللہ اکبر کے نعرے کے جواب میں ترکوں نے چاروں طرف سے صلیبیوں پر حملہ کر دیا تھا۔

و آبرو اور اپنی عفت و ناموس مسلمانوں کے حوالے آپ کر رہے ہو۔

اس پر سارے نائٹوں نے اور ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور لوگوں نے بھی ہتھیار اٹھا لیے اور اپنے سامنے وہ ترکوں پر ٹوٹ پڑے لیکن ترکوں نے جب شعلہ فشاں اور برق ساماں ہو کر اور جوانی حملہ کرتے ہوئے ان کے سارے کس بل اور سارے طنون و شکوک نکال دیئے۔ تب صلیبی لشکر کے اندر ایک بھگدڑ مچ گئی اور ہر کوئی اپنی جان بچانے کی خاطر جدھر منہ اٹھا اُدھر ہی بھاگنے لگا۔

اسی بھاگ دوڑ اور افراتفری میں ہنگری کا بادشاہ سمبندٹ، ایڈمارٹل اور دیگر کئی یورپی سالار اور نائٹ ترکوں کی تلواروں کا نشانہ بن کر اپنی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے صلیبی لشکر کے اس فرار سے چاروں طرف شور و قیامت کی سی گونجیں بلند ہونے لگی تھیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی جان بچانے کی خاطر بخت رسوائی کی طرح انتہائی ذلت و نکبت کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ جب کہ ترک حلقہ در حلقہ رقص درویش کی طرح ان کے تعاقب میں تھے اور کڑے وقت کے پورے جہر اور قہر آمیز رنگوں کے ساتھ وہ ان کی قطع و برید اور تحریف و تلبیس کرتے جا رہے تھے۔

اس فرار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے صلیبی بھاگنے میں بھی کامیاب ہو گئے اور جو اس میں ناکام رہے انہیں قیدی بنا لیا گیا اور ان قیدیوں میں یورپ کے بڑے بڑے سالار اور سورا بھی تھے۔

صلیبیوں کے خلاف سلطان بایزید کی اس شاندار اور عظیم فتح کی خبر جب میلان، ہنگ کے قریب ہی ونس اور دیگر ممالک کے بحری بیڑوں کو ہوئی تو وہ فوراً وہاں سے بھاگ بھگتے۔ پھر میدان جنگ کے اندر سارے جنگی قیدیوں کو جمع کیا گیا اور ان میں سے اس قدر جنگی قیدی علیحدہ کر دیئے گئے تھے جن قدر صلیبی سوراؤں نے جنگ کی ابتدا کرنے سے قبل ترک قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

پس سلطان بایزید پلیدرم نے یورپ کے سارے قیدی سالاروں کو وہاں جمع کیا اور ان کی موجودگی میں علیحدہ کیے جانے والے صلیبیوں کی گردنیں کاٹ دی گئی تھیں،

ترکوں کے جگر جگر کرتے نیزے، تخت تخت کرتی تلواریں، رگوں میں خوف کا رقص اور ذہن میں نسیان کا سر و سمندر طاری کرنے لگی تھیں۔ ترک ایسے زخم لگا رہے تھے جن کا کوئی چارہ گر ہی نہ تھا۔ وہ غذا بنانک لمحوں کی طرح لمحہ بہ لمحہ شجاعت اور قدم بہ قدم ہزات مندی کی داستانوں کو عروج عطا کرتے جا رہے تھے۔ اپنے کرنوں کے ہجوم اور سرفرازی کے رقص جیسے عملوں میں ترکوں نے اپنے یونانیوں کے اوج و عروج، فرانسیسیوں کے کس جہ و جلال، بلقانیوں کی عظمت، بلغاریہ کی یورش، گھھیاریوں کے فنا، اسٹاریوں کی استقامت، ہنگریوں کی عزت، ہاریوں کی بیباکی اور دلاچوں کی ہزات کو بدبختی اور خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔

اپنے معجزہ کار حملوں سے رزم گاہ کے اندر ترکوں نے اہل یورپ کی حالت نزال کی شام، پتے گمراہی، تنگی، ٹہنیوں اور ساحلوں سے پسپا ہوتی لمحوں جیسی کر کے رکھ دی تھی۔ صلیبیوں نے یہ بھی دیکھا کہ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

نائٹکو پولس شہر کے سامنے کھلے میدانوں کے اندر کافی دیر تک ترکوں کے ہاتھوں یورپ کے اس متحدہ لشکر کا قتل عام ہوتا رہا۔ کافی دیر تک قتل عام جاری رہا۔ یہاں تک کہ یورپ کے اس صلیبی لشکر نے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بڑے بڑے بہادروں، نائٹوں، گرینڈ ماسٹروں، سوراؤں اور صلیب کے لیے جان دے دینے کی قسم کھانے والوں نے اپنے آپ کو اپنے ہتھیار پھینکتے ہوئے سلطان بایزید پلیدرم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

یورپ کے اندر بے انت اور بے انداز صلیبی لشکر کے مقابلے میں سلطان بایزید کی یہ ایک شاندار فتح تھی۔ ایسی فتح جس نے یورپ کی کمر توڑ کڑکھڑی تھی۔

اس وقت جب کہ یورپ کے بڑے بڑے سورا ہتھیار ڈال رہے تھے اچانک یورپ کے مشہور جنگجو ایڈمارٹل جین ڈی وائٹنی نے صلیبی لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اے یورپ کے سوراؤ! سن رکھو، تم مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی عزت

پھر سلطان نے بند آوازیں کہا۔ ”اے یورپ کے اسیرو! سن رکھو یہ جو تمہارے ساتھی قتل کیے گئے ہیں یہ ہمارے ان ترک بھائیوں کے انتقام میں قتل کیے گئے ہیں۔ جنہیں تم لوگوں نے جنگ کی ابتدا کرنے سے قبل دخیانہ انداز میں قتل کر دیا تھا۔ اس موقع پر کاؤنٹ آف نیور اور شلڈ برگ جو قیدیوں کی حیثیت سے کھڑے تھے ان کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

ان کے علاوہ قوی ہیکل فرانسیسی ٹائٹ، اسکوئر، جو مینی، بوہری، اٹارٹی اور منگری کے جنگجو جن کی حیثیت اب ایک قیدی کی سی تھی سب گردنیں جھکائے اپنے اپنے فعل پر نادم کھڑے تھے۔ کسی کے پاس کچھ کہنے کو نہ تھا۔ اس لیے کہ جنگ سے قبل ظلم کی ابتداء تو انہوں خود ہی کی تھی اور اب وہ اپنی ذات کی اندھی گنہگاروں میں فکر و احساس کے اندر ڈوبے کھڑے تھے

ہر کوئی اسی فکر اور سوچ میں تھا کہ شاید اگلے ہی لمحے سلطان ان کی گردنیں بھی کاٹ دینے کا حکم دے دے گا لیکن سلطان نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ان سب کو معاف کر دیا اور پھر سلطان بائزید ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا اور خوب اُدھنچی آواز میں اس نے صلیبی قیدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میں خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ اپنے اپنے ملک کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ہو، میں اگر چاہوں تو تم سب کی گردنیں بھی کاٹ سکتا ہوں کیونکہ حملہ آوروں کے ساتھ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ حق بجانب ہوتا ہے لیکن میں تم لوگوں کو معاف کر چکا ہوں۔ ممکن ہے تمہاری اس پہلی بہادرانہ کوشش کی ناکامی اور شکست پر یورپ کے لوگ تمہیں مجرم ٹھہرائیں اور تم وہاں ان لوگوں کے سامنے سبکی محسوس کرو۔

اور ناکامی کے اس داغ اور شکست کے ان ذلت آمیز دھبوں کو دھو ڈالنے اور اپنے کھوٹے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کرنے کا اگر تم ارادہ کرو تو پہلے کے مقابلے میں ایک زیادہ منظم اور طاقتور لشکر لے کر میرے مقابلے پر آنا۔ انشاء اللہ تم مجھے ہر وقت اور ہر جگہ اپنے سامنے جنگ کے لیے تیار پاؤ گے۔ اگر تم صلیبیوں سے مجھے کسی قسم کا شبہ اور

خوف ہوتا کہ کہیں ایسا نہ ہو تم پھرے خلاف ایک بڑا لشکر لے کر آ جاؤ گے تو تم جانو میں تم سب کا یہیں پر قتل عام کر سکتا تھا لیکن میں تو صرف اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب اور ساری کائنات کا دارث اور شہنشاہ ہے۔ مجھے یہ جو دنیاوی بادشاہت ملی ہوئی ہے یہ میرے رب کی طرف سے مجھ پر ایک بار امانت ہے اور میرے امتحان میری آزمائش کا ذریعہ ہے۔

اے یورپ کے صلیبیو! تم اگر سارے یورپ کو اکٹھا کر کے میرے مقابلے پر لے آؤ تب بھی تم لوگوں سے میں خوف زدہ نہ ہوں گا کہ میں تمہارے مقابلے میں اپنے رب ہی کو اپنا کارساز سمجھتا ہوں اور اسے ہی اپنی مدد کے لیے پکارتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ نہ کوئی کارساز ہے نہ ہٹی پکارے جانے کے قابل ہے۔ میری جگہ یہاں کوئی اور فاتح ہوتا تو وہ ضرور تم لوگوں سے تمہاری ہی مذہبی کتاب پر ہاتھ رکھوا کر یہ حلف لیتا کہ آئندہ تم اس کے خلاف آمادہ جنگ نہ ہو گے لیکن میں تمہارے سالاروں اور تمہارے لشکریوں سے اس قسم کا کوئی بھی قول و قرار نہیں لے رہا۔ بر خلاف اس کے جب بھی لوگ میرے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کرو۔ بخوشی میری طرف آؤ اور جتنی تعداد میں چاہو لشکر لے کر آؤ مجھے تم لوگ ہمیشہ میدان جنگ میں فوج آمدید کتنے ہوئے پاؤ گے۔

اور یہ باتیں جو میں تم لوگوں سے کہہ رہا ہوں۔ یہ تم یورپ میں جسے چاہو جا کر کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں جنگی کارناموں اور یورپ کے اندر مزید فتوحات حاصل کرنے کی قوت رکھتا ہوں۔

سلطان بائزید یلدرم کے یہ پیشکودہ الفاظ سب قیدی صلیبی سالار جھکائے طرور اور توجہ سے سنتے رہے۔ اس کے بعد سلطان نے انہیں معاف کرتے ہوئے چلنے کی اجازت دے دی تھی اور معاف کیے جانے والے یہ سارے صلیبی جب تک زندہ رہے وہ سلطان کے انہی الفاظ پر غور کرتے رہے اور وہ نائیکوپولس کی اپنی اس بدترین اور ذلت آمیز شکست کو کبھی بھی فراموش نہ کر سکے اور آئندہ ان میں

کسی نے بھی کبھی سلطان بایزید یلدرم کے مقابلے میں صفت آرا ہونے کی جرأت نہ کی تھی۔

جنگ نائیکو پولس نے سلطان بایزید کی عسکری قوت اور شہرت کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اب وہ وجہ و فرات سے لے کر ڈینیوب اور یونان تک ایک با عظمت اور صاحب اقتدار سلطان تسلیم کر لیا گیا تھا۔

نائیکو پولس کے میدان میں یورپ کی متحدہ عسکری قوت کو بُری طرح کیلنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ یورپ کے اندر مزید پیش قدمی کی اور تھربا پل کے رستے وہ جنوب کی طرف بڑھا اور راستے میں آنے والی ہر یونانی قوت کو روندتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے نما پولس، ایٹھنر اور ایکرو پولس کو فتح کر کے ان شہروں پر اپنے ہلالی پرچم نصب کر دیئے تھے۔

یونان اور یورپ کے ایک حصے کو اپنے سامنے زیر اور سرنگوں کرنے کے بعد سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کا طرف بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ کا محاصرہ اس وقت تک رکھوں گا جب تک وہ فتح نہیں ہو جاتا۔

قسطنطنیہ کے یونانی بادشاہ مینوئل کو جب خبر ہوئی کہ سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کا محاصرہ اور اس پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے بڑھا ہے تو مینوئل قسطنطنیہ

کا دفاع اپنے سپہ سالار کے سپرد کرنے کے بعد خود مدد حاصل کرنے کے لیے یورپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب تک وہ مدد حاصل نہیں کر لیتا۔ اس وقت تک اس کا سپہ سالار قسطنطنیہ کا دفاع کرتا رہے گا اور یوں وہ یورپ سے مدد و کمک حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو سلطان بایزید سے بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

مینوئل نے یورپ کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن یورپ کا کوئی بھی بادشاہ اس کی مدد کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر کوئی سلطان بایزید سے خوفزدہ اور لڑہ برانداز تھا۔ مینوئل اور پاپائے اعظم قبیس نہم کے تعلقات ایک عرصہ سے کشیدہ چلے آ رہے تھے لیکن مینوئل نے سلطان بایزید کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو اس حد تک گما دیا کہ وہ عاجزانہ طور پر پاپائے اعظم قبیس نہم سے امداد کا طالب ہوا لیکن پاپائے اعظم نے بھی اس کی مدد کرنے یا سلطان بایزید کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ گزشتہ صلیبی جنگ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگلی صلیبی جنگ کا انجام اس سے بھی ہونا تک ہوگا۔ اب ایک طرف مینوئل یورپ سے مدد حاصل کرنے میں سرگرداں تھا۔ جب کہ سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کا محاصرہ تنگ سے تنگ کرنے چلے جا رہے تھے۔



۱۔ یونان کا جنوبی حصہ جو چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے جسے خشکی کی ایک پتلی سی پٹی خاکنائے کو انتھ سے ملائی ہے۔ جزیرہ نما بلوپ کہلاتا ہے۔

۲۔ یونان کا دارالحکومت جسے ایران کے بادشاہ زکیر نے بڑی مشکلات کے بعد فتح کیا تھا لیکن بایزید یلدرم نے بغیر کسی رکاوٹ کے خسر کو فتح کر لیا تھا۔

۳۔ ایکرو پولس یونان کا سب سے بلند شہر تھا۔ یہ شہر ایک بلند کوہ تانی چوٹی پر تھا جس پر سوائے ایک طرف سے حملہ نہ کیا جاسکتا تھا لیکن سلطان نے کمال حکمت سے اسے بھی فتح کیا۔ اس شہر میں قدیم پارٹھین قوم کا معبد بھی تھا۔

سلطان بايزيد يلدرم کے ایک سرحدی شہر سیدواس کی طرف بڑھا۔ اس شہر کا حاکم سلطان بايزيد مومناہر بیٹا سلیمان تھا۔

اس شہر سے باہر تیمور نے پڑاؤ کیا اور اپنے بیٹے شاہرخ اور سارے پوتوں کو اس نے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب شاہرخ، محمد سلطان، پیر محمد اس کے خیمے میں جمع ہو گئے تب تیمور نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے میرے عزیزو! اس وقت ترکوں کا سیدواس شہر ہمارے سامنے ہے اور تھوڑی دیر تک ہم اس کا محاصرہ کر لیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد اس شہر کو ہم فتح کر دیں گے۔ جب بايزيد کو اپنے شہر کے سقوط کی خبر ہوگی تو وہ ضرور قسطنطنیہ کا محاصرہ ترک کر کے ادھر کا رخ کرے گا لیکن اس کا بندوبست کرنے کے لیے بھی بہر حال میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہے اور وہ یہ کہ بايزيد کا لشکر اس وقت زیادہ تر دو گروہوں پر مشتمل ہے۔ ایک عثمانی ترک اور دوسرے سلجوقی تاتار جو ہماری ہی نسل سے ہیں۔

پس میں آج ہی اپنے لشکر سے چند سلجوقی سالاروں کو روانہ کروں گا۔ یہ بايزيد کے لشکر میں شامل سلجوقیوں کو اس امر پر آمادہ کریں گے کہ جب ہماری اور بايزيد کی جنگ ہو تو وہ بايزيد کا ساتھ چھوڑ کر ہم سے آملیں اور اس مقصد کے لیے میں بايزيد کے لشکر میں شامل سلجوقی سالاروں کو بہت بڑا لالچ بھی دوں گا۔ اس طرح مجھے اُمید ہے کہ ہم اپنا کام نکلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

تیمور چند لمحوں کے لیے رکا پھر راز دارانہ آواز میں بولا۔ ”اے میرے بیٹے شاہرخ!

۱۔ اس کا قدیم نام سباسکلے تھا۔ پہلے ایران کا ایک صوبہ تھا۔ پھر رومنوں نے چھین لیا۔ رومنوں سے آخر کار ترکوں نے حاصل کر کے انچی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۲۔ تاتاریوں میں اس سلیمان کا نام اطرغل بھی لکھا گیا ہے۔

۳۔ لین پول بھی تصدیق کرتا ہے کہ تیمور نے ایک سازش کے تحت عین جنگ کے موقع پر سلجوقیوں، تاتاریوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔



سلطان بايزيد يلدرم ابھی قسطنطنیہ شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا کہ تیمور نے ملت فروشی، فروشی، اسلام دشمنی، اخوت کشی اور مسلم بیزاری کا مظاہرہ کیا اور اس نے عیاری کا ہلکا دھوکہ دہی اور فریب کاری سے کام لیتے ہوئے سلطان بايزيد يلدرم کی سلطنت پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تیمور اپنی پوری مالی اور عسکری قوت سے سلطان بايزيد کی مدد کرتا کہ وہ اسلام کے فروغ کے کام میں مصروف تھا لیکن تیمور اُلٹا اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس ظالم اور فریب کار انسان نے سلطان بايزيد کی مملکت پر حملہ آور ہونے کی بھی اس وقت ٹھانی جب قسطنطنیہ کے محاصرہ میں آگے بڑھتے ہوئے سلطان بايزيد يلدرم ایک ایسے نقطہ پر پہنچ چکا تھا، جہاں قسطنطنیہ اس کے سامنے سرنگوں ہو سکتا تھا۔

سلطان بايزيد کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کرنے کے لیے تیمور نے سلطان کے لشکر سے کئی گنا بڑا لشکر تیار کر کے پیش قدمی کی اور ایشائے کوچک میں

۴۔ ایشیائے لین پول بھی نصرانی ہو کر تسلیم کرتا ہے کہ اگر تیمور حملہ آور نہ ہوتا تو سلطان بايزيد بلا یقیناً قسطنطنیہ کو فتح کر چکا تھا۔

اور اے میرے پوتو! جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اس کی خبر کسی کو نہ ہونے پائے۔ چھوٹے سالار تو ایک طرف، سیف الدین، نور الدین اور آق بونا تک کو بھی اس کی خبر نہ ہونے پائے اور انہوں میں سے غلیل کو بھی ہمارے ان انتظامات کی خبر نہ ہو ورنہ وہ بھی بات کو آگے نکال سکتا ہے۔ اس لیے کہ غلیل صیغ میرے ہی لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے بھی قابل بھروسہ نہیں ہے۔

اس لیے یہ راز کہ ہم بائزید کے خلاف اس کے لشکر کے سلجوقیوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ میرے اور تم تینوں کے درمیان ایک سنگین اور مدفون راز ہو کر رہ جانا چاہیے۔ اب تم تینوں کے یہاں سے جانے کے بعد میں اپنے چند بھروسے کے سلجوقی سرداروں کو طلب کروں گا اور انہیں بائزید کے خلاف سرکرت میں لاؤں گا۔

اے میرے عزیزو! یہ بھی سن رکھو۔ بائزید یونان کے علاقہ یورپ کے ایک حصے کو اپنے سامنے کھنگال چکا ہے۔ بڑے بڑے صلیبی لشکروں کو اس نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے اور اگر ہم نے اس کے خلاف کسی اندرونی سازش اور مفید تدبیر سے کام نہ لیا تو یاد رکھو بائزید کے ہاتھوں ہماری حالت یورپ کے صلیبیوں سے مختلف نہ ہوگی گو ہمارے پاس ایک ایسا لشکر ہے جو عدوی لحاظ سے بائزید کے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم نے کسی سازش سے کام نہ لیا تو عدوی برتری کے باوجود بائزید ہمیں رگید کر جھس کر دے گا۔ لہذا جس کام کی ہم ابتدا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے لیے ضروری اور اہم ہے۔

یہ معاملہ تو اب طے ہو چکا ہے۔ اے شاہرخ! میرے بیٹے! تم یہاں سے نکلنے کے بعد نور الدین کو اپنے ساتھ بلا کر سیواس شہر کا محاصرہ کر لو اور شہر کو فتح کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے لشکر کو شہر کے مغرب میں رکھنا۔ نور الدین کو شمال میں۔ محمد سلطان کو مغرب اور پیر محمد کو جنوب میں رکھنا۔ یک بارگی شہر پر حملہ کر کے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اور جب شہر پر تمہارا قبضہ ہو جائے تو شہر کے اندر مرد و عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور علماء و فقیہا کی تمیز کیے بغیر شہر کے اندر قتل عام کر دو۔ نور الدین اس قتل عام کے خلاف

اگر کوئی مداخلت کرے تو اس کے ساتھ ہرگز نہ الجھنا بلکہ اسے آرام اور پیار سے مطمئن کر کے خاموش کر دینا۔ میں جانتا ہوں مسلمانوں کے خلاف ہماری جنگیں اسے گراں گزرتی ہیں۔ لیکن وہ ایک ایسا جرنیل ہے جس کے بغیر میں اپنے آپ کو ادھورا سمجھتا ہوں۔

ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں شاہرخ نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! آپ نور الدین سے متعلق زیادہ فکر مند نہ ہوں۔ اول تو مجھے اُمید ہے کہ سیواس کے قتل عام کے خلاف وہ کوئی زوردار احتجاج کرے گا ہی نہیں اور اگر اس نے کیا بھی تو میں اسے پیار اور شفقت کے ساتھ سمجھا بکھا کر خاموش کرادوں گا۔ اگر ہم سیواس شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ایک طرح سے ترکوں کے دلوں پر تاتاریوں کا عیوب بیٹھ جائے گا کہ تاتاری ان سے جنگ کرنے کی ہمت و سکت رکھتے ہیں۔

شاہرخ کے خاموش ہونے پر تیمور نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اچھا اب تم جاؤ اور میری ہدایات کے مطابق ترکوں کے شہر سیواس کا محاصرہ کر لو اور جس قدر ممکن ہو اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے ساتھ ہی شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد تیمور کے خیمے سے نکل کر اپنے اپنے لشکر کی طرف جارہے تھے۔

نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد نے چاروں طرف سے سیواس شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ سلطان بائزید کے بیٹے سلیمان نے انتہائی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طریقے سے مغلوب ہونے سے بچالے لیکن اسے ناکامی اور مایوسی ہوئی کیونکہ نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد کے لشکروں کی تعداد اس لشکر سے بیس گنا سے بھی زیادہ تھی، جو سلیمان کے پاس سیواس شہر کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نور الدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد مختلف سمتوں سے سیواس شہر کی فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر اس کے بعد انہوں نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس جنگ میں شاہرخ نے سلطان بائزید کے بیٹے سلیمان کو زندہ گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد شاہرخ نے سیواس شہر کے اندر لوٹ مار کا بازار گرم کرنے اور لوگوں کا قتل عام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

جس وقت شاہرخ کے حکم پر سیواس کے شہریں کا قتل عام ہونے لگا اس وقت نورالدین تیزی کے ساتھ شاہرخ کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔ ”کیا سیواس شہر کے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بجائے ہم انہیں ان کے حال پر نہیں چھوڑ سکتے۔“ نورالدین کے اس سوال پر شاہرخ چونکا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پہلے اپنا بیٹ کا اظہار کرنے کے لیے اس نے نورالدین کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر نرم و شیریں آواز میں اور سمجھانے کے انداز میں اس نے کہا۔ ”اے نورالدین! یہ سب کچھ ایک مجبوری کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اب جب کہ ترکوں کے ساتھ ہماری جنگوں کا سلسلہ شروع ہو ہی گیا ہے تو سن رکھو! اگر کسی شہر کو فتح کر کے ہم وہاں کے محافظوں اور رہنے والوں کو چھوڑتے ہیں تو یہی لوگ بعد میں دوسری جنگوں میں ہمارے لیے مصیبت پریشانی اور ابتلا کی وجہ بنتے رہیں گے۔ لہذا اے نورالدین! تم ان لوگوں کی حالت پر فکر مند نہ ہو۔ ان کا قتل کیا جانا ہی سو مند ہے۔“

شاہرخ کی اس گفتگو کے بعد نورالدین خاموش ہو گیا اور سیواس میں قتل عام شروع ہو گیا۔ شہر فتح ہونے کی خوش خبری سن کر تیمور بھی سیواس شہر کے قریب اس جگہ آیا، جہاں نورالدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد اکٹھے کھڑے تھے اور ان کے ساتھ سلطان بایزید کا بیٹا سلیمان بھی تھا جسے شاہرخ نے جنگ کے دوران گرفتار کیا تھا اور جس کے ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

شکر کے اندر جو عورتیں شامل تھیں وہ بھی ایک بہت بڑے گروہ کی صورت میں فتح ہونے والے اس شہر کو دیکھنے چلی آئی تھیں۔

قریب آ کر تیمور نے نورالدین، شاہرخ، محمد سلطان اور پیر محمد چاروں کو سیواس شہر کی فتح پر مبارک باد دی۔ پھر تیمور نے شاہرخ کے قریب کھڑے سلطان بایزید کے بیٹے سلیمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کون ہے؟ جس کے ہاتھ تم لوگوں نے اس کی پشت پر باندھ رکھے ہیں۔ کیا یہ کوئی خطرناک مجرم ہے؟“

شاہرخ کے چہرے پر تحقیر آمیز سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور سلیمان کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ”اے میرے باپ! یہ خطرناک مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ اس فتح ہونے والے شہر سیواس کا حاکم بھی تھا۔ اے میرے باپ! اس کا نام سلیمان ہے اور یہ سلطان بایزید کا بیٹا ہے۔“

تیمور کے چہرے پر کسی بھڑکے اور شکار پر چھپٹ پڑنے کا ارادہ کر لینے والے چیتے جیسے اثرات ظاہر ہو گئے تھے۔ نورالدین بھی تیمور کی اس حالت کو بھانپ گیا تھا۔ لہذا اس نے فوری طور پر دخل اندازی کی اور تیمور کو مخاطب کر کے بولا۔

”اے آقا! سلطان بایزید یلدرم کے اس بیٹے سلیمان کو آپ میرے حوالے کر دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسے میں اپنا حامی بنالوں گا۔“

تیمور نے سخت اور کڑکڑاتی آواز میں کہا۔ ”اس سانپ کے سپوہیے کو میں تیرے حوالے کر دوں، تاکہ یہ تیری گردن کاٹ دے اور آنے والے دنوں میں اپنے باپ کے ساتھ مل کر یہ ہمارے لیے ایک خطرناک طوفان کی صورت اختیار کر لے۔“

اس کے ساتھ ہی تیمور نے اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ پھر اس نے اپنی تلوار بلند کی، گرائی اور سلیمان کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

تیمور کا یہ رویہ وہ پہلی مرتبہ تھی جو اس کے خلاف نورالدین کے دل میں شک و شبہات پیدا کر گئی تھی لیکن نورالدین کمال صبر اور ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اس کے اپنے چہرے کے تاثرات سے تیمور پر کچھ بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ پھر تیمور نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ”تم چاروں اب اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو سیف الدین بھی ادھر ہی آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے اسقف یوحنا کو بلایا ہے اور ان دونوں کے ساتھ مل کر میں شہر کا نظم و نسق سنبھال لیتا ہوں۔“ تیمور کی اس ہدایت پر وہ چاروں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

نورالدین جب اپنے خیمے کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا سانے کی طرف سے حسین انجیلینا آ رہی تھی۔ وہ بے حد غوش اور شاداں لگتی تھی۔ نورالدین کے قریب آ کر اس نے کہا۔ ”اے امیر! میں آپ کے خیمے کی صفائی کر کے ہی لوٹ رہی ہوں۔ میں

آپ کو سید اس شہر کی فتح پر مبارک باد دیتی ہوں۔“

نور الدین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اُداس تھا سنان زندان کی طرح افسردہ تھا شام کے دھواں دھواں آسمان کی طرح، پریشان تھا بے اساس اُمیدوں کی طرح دیران تھا بے دھواں خاتقاہوں کی طرح۔ وہ بے چارہ اس سب سے کبھرا کبھرا تھا بھاگتی رات کی بے ترتیب سانسوں کی طرح۔

نور الدین کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر انجیلینا بے چاری خود بھی مغموم اور پریشان ہو گئی۔ اتنی دیر تک وہ دونوں خیمے کے قریب پہنچ گئے تھے۔

اس موقع پر انجیلینا کو نہ جلنے کیا سوجھی کہ بھاگ کر نور الدین کے سامنے جا کھڑی ہو گئی اور اس کی راہ روکتے ہوئے اس نے کہا۔ ”آپ کو کیا ہوا ہے۔ میں نے آپ کو مبارک باد دی ہے اور آپ نے قبول ہی نہیں کی؟“

انجیلینا کے یوں بے باکی کے ساتھ سامنے آنے پر نور الدین اپنی جگہ پر رُک گیا پھر اس نے روتی، بہن کرتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیسی مبارک باد قبول کروں۔ مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے بہنے والے خون پر مبارک باد قبول کروں؟ کیا ان معصوم بچوں بے آسرا بوڑھوں، پاک دامن عورتوں اور کرپیل مسلمان جوانوں کے قتل عام پر مبارک باد قبول کروں۔ جنہیں دشمنیوں اور جلاوطنی کی طرح بے وجہ سید اس شہر میں کاٹا جا رہا ہے۔“

کیا اس انکشاف پر مبارک باد قبول کروں کہ ہم نے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے خون سے ہی وضو کیا ہے؟ اے انجیلینا! اب تم بھی مسلمان ہو۔ کہو میں ان میں سے کس واقعے پر تمہاری طرف سے مبارک باد قبول کروں۔

مسلمانوں کا ایسا قتل عام پر میری عقل مجھول، نگاہ آوارہ گرد زبان بے مفہوم، سماعت معطل اور بصارت بے کار ہو جاتی ہے۔ کاش کوئی عاقل و فزانہ، کوئی مصالح و دردمند انہیں بتاتا کہ مسلمانوں کے خون پر اپنے حسین خوابوں کے شبنم تعمیر کرنے فالو! اپنے انجام پر بھی نگاہ رکھو۔ فیصلے کی دستاویزات خدا کی دسترس میں ہوتی

ہیں۔ انخت بین المسلمین کے دشمنو! اپنے تو سن فکر پر حکمت و عظمت کو بھی سوار ہونے دو۔ دہر کے عقیدت مندو! یہ دہر ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اس دہر کی زندگی عارضی ہے۔ اپنی آخرت کے لیے بھی کوئی کھیتی تیار کرو۔ اس دہر کے کبر و فخر سے نکل کر حرم میں سجدہ کناں ہونے کا لطف بھی حاصل کرو۔ یہاں پر کوئی ایک دوسرے کو انیسان خوش خیال تصور کرتا ہے۔ پر ایسے قتل عام کے خونی فیصلے یک طرفہ ہی کر دیئے جاتے ہیں۔ نور الدین کی آنکھیں اس کے آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس نے دیکھا اس کے سامنے کھڑی انجیلینا کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے تیزی کے ساتھ آنسو زمین پر گر رہے تھے اور وہ بے چاری اپنی سسکیوں اور ہچکچول کو اپنے گلے میں روک دینے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

نور الدین چند ثانیوں تک بڑے غور و انہماک سے انجیلینا کو دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے اور انجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے گہری ہمدردی اور کمال نرمی میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

”اے بنتِ سمرقند! تیرے میرے آنسو سید اس شہر کے اندر مسلمانوں کے قتل عام کو تو نہیں روک سکتے تیری میری آپس میں کانوں ہا پیش نہیں کر سکتیں جو سید اس کے گلی کوچوں کو رنگین کر رہا ہے۔ ہم دونوں مل کر وقت کے ساز پر اپنے دکھ اپنی ذلت کا نوحہ تو گا سکتے ہیں پر اس قابل نہیں کہ بھیڑیے کے سامنے کھڑے ہو کر اسے اس کی خواہواری سے باز رکھ سکیں۔“

اے بنتِ سمرقند! اس کبر نفس، خونی اشتہا اور بندگیِ نفس کے خلاف اپنے منعم حقیقی سے التجا تو کر سکتے ہیں اس کے آگے بند نہیں باندھ سکتے۔ کاش سید اس شہر کے مسلمانوں کی یاس بھری نگاہوں، قلب کی معصوم دھڑکنوں اور لمحہ بہ لمحہ پھٹتے آنچلوں کا کسی کو تو خیال ہوتا۔

آہ سید اس شہر کے اندر لڑنا نازک پیکر چھروں کے اندر میرے کی طرح رسوا ہو رہے ہوں گے۔ دستِ محنت کٹ رہے ہوں گے۔ ضعیف مائیں اپنے فرزندوں کی

کو، جوان بہنہیں اپنے بھائیوں کو۔ بوڑھے باپ اپنے زندگی کے سہاروں کو اور بے بس بیویاں بد بختی کے دوشالوں میں پٹی اپنے شوہروں کو رو رہی ہوں گی۔ ہر کوئی کبر نفس کے لہو اور ہرمن کی تلوار کی ضربوں کا شکار ہو رہا ہوگا۔ سیواس کی گھنی چھاؤں میں خون بہہ رہا ہوگا۔ زنگین رتوں کے خیمہ خیال ایذا پسندی کی آگ میں جل رہے ہوں گے۔ حرم کے فرشتوں کے سر جھکے ہوں گے۔ اہلس خون کی آن آبشاروں پر خوش ہوگا اور اس کے بدی کے گمشتے سیواس شہر کے اندر قصب اہلس کر رہے ہوں گے۔ آہ سیواس کے مسلمان طوفانی اور خونی دھاروں کے بہاؤ کے اندر قیامت کے مراحل سے گزر رہے ہوں گے۔

نور الدین جب کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا۔ تو انجیلینا نے چونک کر اپنی گردن سیدھی کی اور اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے چاری اور زیادہ پس کر اور تحلیل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دیکھا نور الدین بُری طرح اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ شاید زبان اس کا سہاڑے زور سے رہی تھی اور اس کے اور الفاظ کے درمیان ایک کش مکش شروع ہو گئی تھی۔ اس موقع پر انجیلینا کا جی چاہا کہ زور زور سے بین کر کے روئے۔ بلند آوازوں میں دھاڑیں مار مار کر روئے۔ ماتم کرے، شور و واویلا کھڑا کر دے۔ پر نور الدین کی خاطر اس بے چاری نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنی ہچکیاں اور سسکیاں اس نے روک لیں۔ اپنے آنسو اس نے پونچھ لیے۔ اپنی آواز میں رس اور شہد بھرتے ہوئے اس نے نور الدین سے کہا۔

”اے امیر! کاش میں بے بس اور لاچار لڑکی اس قابل ہوتی کہ آپ کے سارے غم جھین کر زندگی کو چار سو آپ کے لیے زمزمہ خواں کر دیتی۔ آپ کی ان بے صوت کراہوں کو حسین خوابوں کی غزل میں بدل سکتی۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ چہروں کی رعونت کو آنکھوں کی شفقت میں بدل سکتی۔ اے امیر! آپ کے خیمے کی صفائی کرنے کے بعد میں آپ کا کھانا لے کر آئی تھی اور اب میں آپ کا کھانا آپ کے خیمے میں رکھ کر آپ کو بلانے جا رہی تھی۔“

نور الدین نے غور سے انجیلینا کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ اے انجیلینا! کیا تو کھانا

کھا چکی ہے؟

انجیلینا نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ میرے بابا کو امیر تیمور نے بلایا ہے لہذا میں نے ارادہ کیا تھا کہ واپس لوٹیں گے تو پھر کھانا کھاؤں گی۔“

نور الدین نے دیکھی سی آواز میں کہا۔ ”اے بنتِ سمرقند! آؤ سیواس کی اس خونریزی کے سوگ میں دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“ پھر نور الدین اپنے خیمے کی طرف چل دیا اور انجیلینا چپ چاپ اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

○

سلطان بایزید کو جب اپنے بیٹے سلیمان کے قتل، سیواس کی شکست اور وہاں کے مسلمانوں کی تیمور کے ہاتھوں قتل و غارت گری کی خبریں پہنچیں تو اس نے بادلِ نخواستہ قسطنطنیہ کا محاصرہ ترک کر دیا اور تیمور سے نمٹنے کے لیے انہوں نے اپنے اس لشکر کے ساتھ سیواس کا رخ کیا جس لشکر کے ساتھ وہ یورپ کے شہر ویدری بسٹوا، سلسٹریا، نائیکو پولس، ایتھنز، ایکرو پولس اور پلوپ پر قبضہ کیا تھا۔ تیمور کو جب خبر ہوئی کہ سلطان بایزید اپنے لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے سیواس کی طرف روانہ ہو چکا ہے تو وہ فکر مند ہو گیا۔

گو سلطان بایزید کی ایک لاکھ سے کچھ زائد سپاہ کے مقابلے میں تیمور کے پاس سات لاکھ سے بھی زیادہ کا لشکر تھا لیکن اس نے سلطان بایزید یدرم کا سامنا کرنے کی جرات نہ کی۔ بجائے اس کے کہ وہ سیواس شہر میں رُک کر سلطان بایزید کا انتظار کرتا وہ اپنے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بھاگ گیا تھا۔

سیواس سے تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اس لیے بھاگ کھڑا ہوا تھا کہ اس نے اپنے سلجوقی سالار جو بایزید کے لشکر کی طرف روانہ کیے تھے کہ وہ بایزید کے لشکر میں مل سلجوقیوں کو اپنے ساتھ بلا لیں۔ تو تیمور کو ابھی تک اپنے انہی سلجوقی سرداروں کی کارگزاری کا انتظار تھا اور ان کا انتظار کیے بغیر تیمور جنگ کی ابتداء نہ کرنا چاہتا تھا اس

لیے کہ وہ جانتا تھا اس کا سامنا بایزید کے اس بہترین تربیت یافتہ لشکر سے ہو گا جنہوں نے یورپ اور یونان کے وسیع خطوں کو اپنے گھوڑوں کے سامنے سمیٹ کر رکھ دیا تھا۔ لہذا اپنے لشکر کی عددی برتری کے باوجود تیمور نے سیواس کے وسیع میدانوں کے اندر سلطان سے ٹکرائی پسند نہ کیا اور وہاں سے وہ ہٹ گیا تھا اور مناسب وقت آنے کے انتظار میں اس نے اپنے لشکر کو کسی اور سمت مصروف رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سیواس سے بھاگ کر تیمور نے جنوب میں ملطیہ شہر کا رخ کیا۔ اپنے جوش انتقام میں اس نے ملطیہ شہر کے اندر جو ایک مختصر سا لشکر تھا اسے تباہ و برباد کر کے ملطیہ کو دیران کھنڈر کر کے رکھ دیا۔

اس کے بعد تیمور نے زمی سانپ اور نخونی بھیڑیے کی صورت اختیار کر لی تھی وہ حلب شہر کی طرف بڑھا اور اپنے سات لاکھ سے زائد لشکر کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہو کر شہر کو فتح کر لیا۔ یہاں بھی اس نے نخونی کھیل کھیلا۔

حلب شہر کے اندر پہاڑ کے اوپر جو قلعہ بنا ہوا تھا اسے بھی زیر کر کے اس پر اپنا علم فتح نصب کر لیا۔ شہر کو اس نے لوٹا۔ گلی کوچوں کو رنگین کیا اور پھر یہاں سے بھی وہ نکل کھڑا ہوا۔

حلب کے بعد تیمور نے ارض شام کے مرکزی شہر دمشق کا رخ کیا۔ شاید اس نے مذہب و ملت اور اسلام و مسلمان ہونے کا احترام و جذبہ ہی اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ اس کی حالت اس سانپ جیسی ہو رہی تھی جو ہر ایک کو ڈس لیتا ہے۔ وہ اس بچھوکی سی صورت اختیار کر گیا تھا جس کا ڈنگ اپنا کام کرنے کے لیے ہر وقت اٹھا رہتا ہے۔

ملطیہ، حلب اور اس سے پہلے بغداد کا انجام دمشق والوں کے سامنے تھا۔ لہذا انہوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ اس بھیڑیے سے صلح کر لی جائے۔ لہذا اہل دمشق نے تیمور سے صلح کی درخواست کی اور اس کے سامنے صلح کی شرائط پیش کیں۔

لیکن تیمور تو اسلامی شہروں کے اندر لوٹ مار اور کشت و خون کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ اسلامی اخوت اور جذبہ ملت پروری سے کسر محروم ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے اہل دمشق کی صلح کی درخواست اور ان کی پیش کی ہوئی شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بہر حال اپنی نخونی ٹوکا اتباع کرتے ہوئے تیمور نے دمشق شہر پر حملہ کر دیا۔ حملہ ہی تیمور شہر پر قابض ہو گیا اور شہر کے اندر جو کچھ اس نے کیا وہ لوگوں کے روگئے کھڑے کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے اپنے لشکر کو کھلی اجازت دے دی کہ وہ دمشق شہر کی لوٹ مار کر لیں۔

جب تیمور اور اس کے لشکریوں کا مسلمانوں کے قتل عام اور شہر کی لوٹ مار سے جی بھر گیا۔ تب اس نخونی امیر نے دمشق شہر کو آگ لگانے کا حکم دے دیا تھا۔ شہر کے بازاروں اور دمشق شہر کی قدیم و جدید مسجدوں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا گیا تھا دمشق شہر کے آن گنت مسلمان جل جل کر گرتے مکانوں تلے دفن ہو کر رہ گئے۔ دمشق شہر کی عظمت اور اس کے تقدس کو تیمور نے خاک و خاکستر بنا کر رکھ دیا تھا۔

دمشق شہر میں قیام ہی کے دوران ایک نوجوان نے تیمور پر اپنے خنجر سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ اگر یہ نوجوان کامیاب ہو جاتا تو تیمور خود بھی خاک و خون ہو جاتا لیکن یہ حملہ آور نوجوان پکڑا گیا اور تیمور نے اس کے جسم کا ایک ایک حصہ کٹوا کر اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ دمشق شہر کو لوٹ کر آگ لگانے کے بعد تیمور اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر لمبہ زن ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے وہ دو سبقتی سردار خیمے میں داخل ہوئے جنہیں اس نے بایزید کے لشکر میں شامل سبقتی سرداروں کے ساتھ ساز باز کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

تیمور کو دمشق کی جلتی ہوئی ایک مسجد کا گنبد بڑا پسند آیا۔ اس کی شکل انار جیسی تھی اور گولائی میں اس کی چوٹی نوک دار تھی۔ بعد میں اسی طرح کے گنبد اس نے سمرقند کی عمارتوں کے بھی بنوائے۔ جہاں سے اس گنبد کے نمونے ماسکو جا پہنچے۔

جب وہ دونوں سردار خیمے میں آئے تو ان دونوں کو تیمور نے اپنے پہلو میں بٹھایا اور پوچھا۔ اے میرے عزیزو! تم دونوں جس کام کے لیے گئے تھے۔ اسے تم دونوں نے مل کر کہاں تک پہنچایا ہے۔ اس لیے کہ بایزید سے میری آئندہ جنگ تمہاری ہی اس مہم پر انحصار رکھتی ہے۔ اب کہو تم دونوں کیا کر کے آئے ہو۔ اگر تم دونوں کامیاب ہو تو میں بایزید سے مکمل لوں گا اور اگر تم دونوں اپنے اس کام میں ناکام رہے ہو تو میں مجھے اپنا آپ بچانے کی خاطر سمرقند کا رخ کرنا پڑے گا۔

ان دونوں میں سے ایک سردار نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ اے امیر! آپ مطمئن اور بے فکر رہیے، ہم دونوں اپنی اس مہم میں کامیاب لوٹے ہیں۔ لہذا آپ کو اپنا آپ بچانے کی خاطر سمرقند کا رخ نہ کرنا پڑے گا۔

آپ نے ہمیں جو جواہرات کی تھیلیاں دی تھیں انہوں نے بڑا کام کیا ہے! ان تھیلیوں کے عوض بایزید کے لشکر میں شامل سلجوقی سرداروں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ جب کبھی بھی سلطان بایزید یلدرم اور امیر تیمور کے درمیان جنگ ہو گی تو وہ اپنے سارے سلجوقی جنگجوؤں کے ساتھ عین جنگ کے عروج کے موقع پر سلطان بایزید کے لشکر سے نکل کر امیر تیمور کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک تشویش کی بات بھی ہے اور وہ یہ کہ یورپ اور یونان کے ان علاقوں کے عیسائی جنہیں سلطان بایزید نے فتح کر رکھا ہے آپ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے تیزی کے ساتھ سلطان بایزید کے لشکر میں شامل ہو رہے ہیں۔

اور ہمیں تشویش ہے کہ اگر یورپی اور یونانی جنگجو ایسے ہی سلطان کے لشکر میں شامل ہوتے رہے تو وہ سلطان کی عسکری قوت میں بہت اضافہ کر دیں گے۔ تیمور نے چند ثانیوں تک گردن جھکائے رکھی پھر اس نے مطمئن سے انداز میں کہا۔ اب یورپی اور یونانی عیسائیوں کا بھی یکن بندوبست کر لوں گا۔ اب تم دونوں جا کر آرام کرو اور اسقف یوحنا کو میری طرف بھیج دو۔ میں آج ہی اسقف یوحنا کی سرپرستی میں ایک وفد روانہ کروں گا جو تمہاری طرح یورپی اور یونانی عیسائیوں کو اس امر پر آگاہ

کر لیں گے کہ وہ عین جنگ کے موقع پر بایزید کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ تیمور کے اس فیصلے پر دونوں سلجوقی سردار مطمئن دکھائی دینے لگے تھے۔ پھر وہ اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔



سید اس کے بعد ملطیہ پھر حلب اور اس کے بعد دمشق کے قتل عام اور آنش زنی پر نورالدین اپنے خیمے میں اکیلا اور آداس بیٹھا ہوا تھا کہ اینجلینا اور اس کا باپ اسقف یوحنا دونوں اس کے خیمے میں داخل ہوئے۔ نورالدین ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اسقف یوحنا نے آئے ہی کہا۔

اے امیر! مجھے آقا تیمور نے طلب کیا ہے۔ شاید وہ مجھے کسی مہم پر باہر بھیج رہے ہیں۔ اس لیے میں اینجلینا کو اپنے ساتھ لایا ہوں۔ اے امیر! اینجلینا کے معاملے میں صرف آپ پر ہی میں بھروسہ کر سکتا ہوں۔ لہذا میری غیر موجودگی میں اینجلینا کا ہمیشہ آپ کے خیمے کے ساتھ ہوا کرے گا اور آپ ہی اس کی حفاظت اور سلامتی کے ذمہ دار ہونا کریں گے۔

نورالدین نے کہا۔ آپ اینجلینا سے پوچھ لیں، اگر اُسے قبول ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اینجلینا نے مسکراتی ہوئی آواز میں کہا۔ میرا عندیہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تو خود بابا سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میرا خیمہ آپ کے خیمے کے ساتھ ہو۔ نورالدین نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر ایسا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یوحنا وہاں سے چلا۔ جب کہ اینجلینا آگے لے کر خاموشی کے ساتھ نورالدین کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد یوحنا پھر نورالدین کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چرمی تھیلی بھی تھی۔ یوحنا آہستہ آہستہ نورالدین کے قریب آیا اور وہ چرمی تھیلی اس نے اس کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔ اے امیر! اس تھیلی میں وہ نقدی ہے جو

کے ساتھ اس نے پرجوش مصافحہ کیا۔ ایک میٹھی اور شفقت آمیز نگاہ اس نے اپنی بیٹی اینجیلینا پر ڈالی پھر وہ نورالدین کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

یوحنا کے جانے کے بعد اینجیلینا نے پریشان سے لہجے میں پوچھا۔ "اے امیر! آپ نے یہ تھیلی خواہ مخواہ ہی مجھے قصود ہی میں کیسے اور کیونکر اس کی حفاظت کر سکیں گی؟" نورالدین نے پہلی بار اینجیلینا کو ازراہ مسخر مخاطب کر کے پوچھا۔ "اے اینجیلینا! یہ نقدی کی تھیلی زیادہ قیمتی ہے یا تمہاری اپنی ذات؟"

اینجیلینا نے فوراً کہہ دیا۔ "میں اپنی ذات کو اس تھیلی سے زیادہ قیمتی اور اہم سمجھتی ہوں۔"

اس پر نورالدین نے جھٹ کہا۔ "جب تم اپنی ذات کو اس تھیلی سے زیادہ قیمتی تصور کرتی ہو اور تم اپنی ذات کی حفاظت بھی کر سکتی ہو۔ تو پھر اس تھیلی کی حفاظت کیوں نہیں کر سکتی؟"

اس پر اینجیلینا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ اس طرح مجھے قائل نہیں کر سکتے۔ اپنی ذات کی حفاظت ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اس میں میرا کیا کمال ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے اپنے باپ سے تھیلی تولے لی تھی لیکن اس کی حفاظت کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔"

نورالدین نے اس بار سنجیدہ سے لہجے میں کہا۔ "اے اینجیلینا۔ اس تھیلی کو تم فیصلے کے اندر کہیں بھی رکھ دو۔ دن کے وقت تم یہاں ہو کر روگی تو اس کی حفاظت کر لیا کرو گی اور رات کے وقت میں اس کا محافظ ہوں گا۔"

اینجیلینا کچھ مطمئن سی ہو گئی، پراچانک ہی اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "اے امیر! اگر آپ برائے نامیں تو میں آپ سے ایک گزارش کروں۔"

نورالدین نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور استفہامیہ انداز میں کہا۔ "کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ برائے ناموں کا بلکہ تمہاری بات غور سے سنوں گا۔" اینجیلینا نے گہری اور سنجیدہ سی آواز میں پوچھا۔ "اے امیر! میں اس لڑکی کا

ان جنگوں میں میرے حصے کے طور پر مجھے ملے ہے۔ یہ آپ امانت کے طور پر اپنے پاس رکھ لیں۔ میں واپس آ کر آپ سے لے لوں گا۔"

اس تھیلی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی نورالدین نے کہا۔ "آپ یہ تھیلی اینجیلینا کو دے دیں۔"

یوحنا نے فوراً کہا۔ "اینجیلینا اگر اس کی حفاظت کر سکتی تو میں آپ کو زحمت کیوں دیتا۔"

نورالدین نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ آپ کر کے تو دیکھیں۔ یہ تھیلی آپ اینجیلینا کو دے دیں۔ پھر دیکھیں اس کی حفاظت کیسے ہوتی ہے۔"

یوحنا نے تھیلی فوراً اپنی بیٹی اینجیلینا کی گود میں رکھ دی اور ساتھ ہی نورالدین کے سامنے وہ بیٹھ گیا اور صمیمی نرم آواز اور زار واز لہجے میں اس نے کہا۔

"یا امیر! میرے بعد اینجیلینا کا خیال رکھیے گا۔ میں اسے اس لیے آپ کی نگرانی اور حفاظت میں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ یہ صرف آپ پر ہی اعتماد کرتی ہے اور اس کا اعتماد آپ پر ہے بنیاد بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کی ماں بالخصوص مرنے سے پہلے اسے آپ ہی کے حوالے کر چکی ہے۔ زندگی کے ایک ساتھی کی حیثیت سے یا ایک لونڈا کی حیثیت سے اس کا فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔ بہر حال میں یہ گزارش کروں گا کہ جہاں اینٹ کی جگہ ہوتی ہے وہاں اینٹ ہی اچھی لگتی ہے اور جہاں پتھر کی جگہ ہوتی ہے وہاں پتھر ہی بہتر اور کارگر ثابت ہوتا ہے۔"

اے امیر! آپ جانتے ہیں میں نے زندگی بھر کسی بھی بات کی وجہ سے اینجیلینا پر کبھی کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ اپنی زندگی کے ساتھی کے سلسلے میں بھی اسے میں نے ڈالا ہی دے رکھی ہے اور اس کا فیصلہ ہی میرے لیے آخری فیصلہ ہو گا اور اب جب کہ یہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کے اس فیصلے کی اہمیت و ضرورت پہلے کی نسبت زیادہ ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یوحنا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نورالدین

اور کلفتیں جاتی رہیں گی۔“

نور الدین نے دھیمی مگر نرم آواز میں کہا۔ ”اے انجیلینا! انتظار کرو اس وقت کا جب ایسا ممکن ہوگا۔ اس وقت میں خود ہی تمہیں ارلیہ سے ملا دوں گا۔ اے انجیلینا! امیر تیمور بھی مجھ سے کئی بار اس خواہش کا اظہار کر چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تمہارے حوالے سے چونکہ ارلیہ اب میری بیٹی ہے۔ لہذا میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پر میں نے اسے بھی کہہ دیا تھا کہ ایسا میں مناسب وقت پر ہی کروں گا۔“

انجیلینا نے اس بار اپنی آواز میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ”ایسا وقت کب آئے گا۔ اے امیر! کیا اس وقت جب مرجکی ہوں گی اور میری ہستی مٹی میں مل چکی ہوگی۔ کاش میں ارلیہ کو دیکھ سکتی۔ کاش میں آپ کی نفرت کا شکار نہ ہوئی ہوتی۔“

اے امیر! میری زندگی اس لمحہ بھر کے فکر جیسی ہے جو پریم رنگوں کو ترس گیا ہو۔ میری زندگی تنہائیوں کے اس گیت جیسی ہے جس کا کوئی سامع، کوئی قدردان نہ ہو۔ میری حالت اس شاعر آوارہ مزاج جیسی ہو کر رہ گئی ہے جو صبح دشام گرد و پیش کے ہنگاموں سے بے نیاز پیہم سکوت میں ڈوبا رہتا ہو۔

اے امیر! میری حالت ایسے بے بس انسان جیسی ہے جو اپنی عزیز و محبوب شے کے پیار کی حسرت میں مگن و مطمئن تو رہتا ہو، پر ایسے حالات کی نبض پر ہاتھ رکھ کر یہ اندازہ نہ لگا سکتا ہو کہ کوئی کس قدر اس سے نفرت اور اجتناب کرتا ہے اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

اے امیر! آپ کے سمرقند آنے سے قبل میں خوابوں سے بوجھل مولسری کے پھولوں جیسی چپ اور خاموش تھی۔ میں سحر کے ماتھے پر رکھے شبنم کے قطرے جیسی بے سکون تھی۔ میں دل میں اٹھنے والی دھنک حسرت قرب اور ترک مطلب کے غم پیہم سے بے خبر تھی۔ میں ان جذباتوں سے خالی تھی جو دل میں محبتوں کی تمازت، شعور میں چاہتوں کا گلاز اور رُوح کے نجات تاروں کے اندر سرشاری کی ٹھنڈی سانس اور بے نام مسرت کی بیداری پیدا کر دیتے ہیں۔

نام تو جانتی ہوں جسے آپ پسند کرتے ہیں اور جسے آپ اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ اس کا نام ارلیہ ہے۔ پر اے امیر! کیا آپ یہ نہ بتائیں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ سمرقند کے کس حصے میں اس کا مکان ہے۔ تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ وہ کون خوش قسمت ہے جسے مجھ پر ترجیح دی گئی ہے۔

اے امیر! میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے اس لڑکی کو کیوں اپنا ساتھی بنایا۔ میں تو صرف یہ خواہش رکھتی ہوں۔ اس لڑکی کو دیکھوں، جو ایسی خوش قسمت، ایسی بلند بخت ثابت ہوئی ہے۔ یقیناً وہ مجھ سے زیادہ حسین اور پرکشش ہوگی۔ اسی لیے

نور الدین نے درمیان میں ہی بولتے ہوئے کہا۔ ”اے انجیلینا! ابھی اس لڑکی کے ظاہر کرنے کا وقت نہیں آیا اور جب ایسا وقت آیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں نہ صرف ارلیہ کے گھر کا چہرہ تمہیں بتا دوں گا بلکہ میں تمہیں اس سے ملا بھی دوں گا۔ وہ تمہارے سارے حالات سے آگاہ ہے اور وقتاً فوقتاً میں تمہاری باتیں بھی اس سے کہتا رہتا ہوں۔“

نور الدین کے اس جواب پر انجیلینا کی گردن جھک گئی اور وہ تکلیف دہ یادوں میں کھو گئی تھی۔ چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اور انجیلینا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے نور الدین نے گویا انجیلینا پر ایک نیا انکشاف کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اور اے انجیلینا! ارلیہ نے تو تمہیں دیکھا بھی ہوا ہے۔“

اس پر انجیلینا بے چاری چونک سی پڑی۔ ارلیہ نے مجھے دیکھا ہوا ہے؟ مگر کہاں اور کس جگہ؟

نور الدین نے اس پر بے بسی کے سے اظہار میں کہا۔ ”اس کا مجھے بھی علم نہیں کہ اس نے تمہیں کہاں دیکھا ہے۔ پردہ بتا رہی تھی کہ اس نے تمہیں دیکھا ہوا ہے۔“ اس پر انجیلینا نے مزیت کرنے کے انداز میں کہا۔ ”اے امیر! کیا آپ مجھے ارلیہ سے ملا نہیں سکتے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس سے ملنے کے بعد میری ساری اذیتیں

اے امیر! کاش میں پھولوں کی مہک ہوتی۔ ایک بے حس شوخ چمک ہی ہوتی۔
نہ کسی کو میرا خیال نہ مجھے کسی اور کا احساس ہوتا۔ یا میں آئینہ فطرت کے اندر مقید کوئی غیر
آباد رُوح ہی ہوتی اور اپنے لبِ خنداں پر بے وجہ تبسم بکھیرے اس کائنات کے بھرتے
خدو خال صبح کے رُوپ، رات کی لذتِ تخلیق اور قوسِ قزح کے رنگوں کو ہی دیکھ دیکھ
کر گزر بسر کرتی رہتی۔ کم از کم اس حالت میں مجھے سکون تو ملتا۔

چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد اینجلینا نے اپنی رُوح کے سارے
غموں کو اپنی آواز میں بھرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! کیا میں اس نفرت، اس بیگانگی
اس گھن اور بیزاری اور اس تلخی و غیرت کا اندازہ لگا سکتی ہوں جو آپ کو مجھ سے ہے؟"
اینجلینا کے اس استفسار کے جواب میں نور الدین نے گہرے تبسم میں کہا۔
"اے اینجلینا! میں تم سے نفرت نہیں کرتا۔ اے اینجلینا! میں زندگی میں صرف ایک
ہی بیوی رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس بیوی کا میں انتخاب کر چکا ہوں۔ اے اینجلینا!
میری زندگی میں اگر کوئی ایسا موڑ آگیا کہ میں نے دوسری بیوی کی ضرورت محسوس کی تو یاد
رکھو وہ تم ہوگی۔"

نور الدین کے ان الفاظ پر اینجلینا خاک نشینوں کے عروج جیسی حسین و دلنواز
عارضوں سے چرائی ہوئی تازگی جیسی خوشگوار اور ہونٹوں سے چھپنی ہوئی تازگی جیسی
طرب انگیز ہو گئی تھی پھر اس نے انتہائی لطیف و نرم لہجے میں بولتے ہوئے کہا۔

"اے امیر! میری زندگی میں یہ پہلا موقع آیا ہے کہ میرا باپ مجھے اپنے مقام سے
اُترا ہوا دکھائی دیا ہے۔ اے امیر! تمہارا کسی اہم کام کے تحت روانہ کر رہے ہیں۔ اس
کے لیے انہیں مکمل احکامات بھی مل چکے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے آپ سے جھوٹ
بول رہے کہ انہیں امیر تیمور نے طلب کیا ہے اور شاید وہ انہیں باہر بھیجنا چاہتے ہیں۔
حالانکہ انہیں اس سلسلے میں سارے احکامات مل چکے ہیں۔

اے امیر! میں نہیں جانتی کہ میرا باپ کس خطرناک مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ
اس نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ تاہم ان کی واپسی پر میں ان سے کسی نہ کسی طرح

پوچھ کر آپ کو ضرور آگاہ کروں گی۔"

اس پر نور الدین نے پُر سکون لہجے میں کہا۔ "اگر تم ایسا کرو تو میں تمہارا ممنون ہوں
گا۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ "اے اینجلینا! تم بیٹھو! میں اپنے
اور تمہارے کھانے کا کمرہ آتا ہوں۔" اور پھر نور الدین خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



محاصرے میں اپنے آپ کو مصروف نہ رکھنا چاہتا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے بغداد کو فتح کرنے میں زیادہ دن لگا دیے تو ہو سکتا ہے اہل بغداد کی حمایت میں سلطان بایزید ملیرم اس پر حملہ آور ہو جائے۔ لہذا اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بغیر کسی تاخیر کے بغداد کو اپنے سامنے زیر کرے گا۔ تاکہ سلطان بایزید کے خطرے سے بچ جائے۔

بغداد پہنچنے کے بعد تیمور نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ بغداد کی تفصیل کے قریب اس نے اپنے لاکھوں گھڑ سواروں کو صف آرا کیا۔ پھر طبل، انفارے اور شہنائیاں بجائی گئیں اور باشندگان بغداد کو متاثر کرنے کے لیے ان لاکھوں گھڑ سواروں نے جنگی قواعد کا مظاہرہ کیا۔ لیکن تیمور کی یہ ترکیب ناکام رہی۔ اسے اُمید تھی کہ اہل بغداد خوفزدہ ہو کر شہر آپ سے آپ اس کے حوالے کر دیں گے لیکن اہل بغداد نہ تو متاثر ہوئے اور نہ ہی انہوں نے شہر تیمور کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا۔

اہل بغداد کی اس ہمت و جرات پر تیمور بڑا غضب ناک اور سخی پا ہوا اور وہ بغداد کو تباہ و برباد کرنے کے دوسرے ذرائع سوچنے لگا۔ سب سے پہلے تیمور نے بغداد شہر کے جنوب میں دریائے دجلہ کشتیوں کا ایک پُل بنوایا تاکہ اس کے لشکر بغداد شہر کا محاصرہ کرتے وقت دریائے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف آسانی کے ساتھ آجاسکیں اور یہ کہ جب وہ اپنے حملوں میں شدت پیدا کرے تو اہل بغداد کو آسانی سے بھاگ جانے کا موقع نہ ملے۔

ایسا کرنے کے بعد تیمور شہر کے مضافاتی علاقے پر حملہ آور ہوا۔ شہر کے اطراف میں تقریباً بارہ میل دور دور تک تیمور نے ساری سبکیوں کو لوٹ کر آگ لگا دی اور تباہی و بربادی کا وہ سماں پیش کیا جو اس سے قبل دیکھا نہ گیا تھا۔

شہر کے اطراف کو دیران اور کھنڈر کرنے کے بعد تیمور نے چاروں طرف اپنے لشکر کو پھیلا دیا تھا۔ اس کے بعد تیمور نے اپنے منصوبے کی ابتدا کی۔ اس نے قریبی جنگل سے درختوں کے بڑے بڑے تنے کٹوائے اور ان تنوں سے بغداد شہر کے



دشمن شہر کی تباہی و بربادی کے بعد تیمور نے بغداد کا رخ کیا۔ بغداد کے سلطان احمد کو جب خبر ہوئی کہ تیمور بغداد پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے دمشق سے روانہ ہو گیا ہے تو وہ بغداد کا دفاع اپنے سپہ سالار فراج کے حوالے کرنے کے بعد خود بھاگ کر سلطان بایزید ملیرم کے پاس چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے پناہ لے لی تھی۔

تیمور اونٹ کے کجاوے پر بیٹھا جنوب کی طرف تیزی سے منزلیں مارتا ہوا بغداد کے سامنے آ نمودار ہوا۔ بغداد کے سپہ سالار فراج نے ڈٹ کر تیمور کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بغداد کے اندر تیمور کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد تو تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ تاہم اسے دو چیزوں کی وجہ سے قوی اُمید تھی کہ بغداد کا دفاع کرنے میں کامیاب رہے گا۔

اول یہ کہ بغداد کی شہر پناہ کی سنگین دیواریں بڑی مضبوط اور بختہ تھیں اور انہیں توڑ کر بغداد میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔ دوم یہ کہ بغداد میں ان دنوں غیر معمولی گرمی پڑ رہی تھی۔ اس لیے فراج کا خیال تھا کہ اگر وہ محاصرے کو طول دے گا تو تیمور اپنے اتاتاری لشکر کے ساتھ بغداد کی گرمی برداشت نہ کرتے ہوئے محاصرہ اٹھالینے پر مجبور ہو جائے گا لیکن دوسری طرف تیمور بھی محتاط تھا۔ وہ زیادہ عرصہ تک بغداد کے

اطراف میں بند ٹیلوں پر چوہی احرام تعمیر کرائے اور ان احرام کے اوپر اس نے منجنیقیں نصب کرنا شروع کر دی تھیں تاکہ سنگ باری کر کے بغداد شہر کی مضبوط فیصل کو توڑنے میں کامیابی حاصل کی جائے۔

اسی اثنا میں تیروں کی چھاؤں کے اندر تیمور نے اپنے نقب زن بھی کام پر لگا دیئے تھے تاکہ وہ شہر پناہ کی بنیادیں کھودنے کا کام شروع کر دیں۔ چند ہی دن کے اندر شہر پناہ کے اندر جگہ جگہ رخنے دکھائی دینے لگے تھے اور ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بغداد شہر اب تیمور کے سامنے فتح ہونے میں زیادہ دیر نہ لگائے گا لیکن بغداد کے سپہ سالار فرج نے انتہائی دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بغداد کی شہر پناہ کے پیچھے پتھر اور چوہے کی کئی دیواریں کھڑی کر کے رکھ دی تھیں۔

اس طرح تیمور کو اپنے نقب لگانے کے کام میں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا تنگ آ کر تیمور کے سارے سالاروں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ جب تک شہر پرعام ہلہ نہیں بولا جاتا اس وقت تک شہر فتح نہ ہوگا۔

تیمور نے اس ترکیب کو قبول کر لیا۔ نور الدین کو اس نے اس کے لشکر کے ساتھ بغداد کے صدر دروازے کی طرف رکھا اور ایک روز جب کہ معمول کی نسبت گرمی زیادہ پڑ رہی تھی اور عین دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی سے آنکھیں چمکیا جاتی تھیں اور شہر کا دفاع کرنے والے پاسان فیصل پر سوکرا رام کر رہے تھے۔ تیمور نے بغداد شہر پر چاروں طرف سے حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

سب سے پہلے جو بغداد کی فیصل پر چڑھا وہ نور الدین تھا۔ اپنے چہرہ چیدہ دستوں کے ساتھ وہ فیصل پر قدم جانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر اس قبضے کو دراز کرتے ہوئے اس نے شہر کے صدر دروازے پر نور الدین نے تیمور کے گھوڑوں کی دُموں والا تاتاری پرچم گاڑ دیا تھا۔ پھر کیا تھا جنگی طبل اور نقارے گرجنے لگے

ۛ میر لڈیم بھی یہی کہتا ہے کہ بغداد کی فیصل پر چڑھنے والا پہلا جوان نور الدین تھا۔

یہاں تک کہ فیصل سے نیچے اتر کر نور الدین نے شہر پناہ کے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا۔ اور صدر دروازے کے راستے اس کا سارا لشکر بغداد شہر میں داخل ہو گیا تھا لیکن شہر کے صدر دروازے پر تیمور کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین شہر پناہ پر چڑھنے کے بعد بغداد شہر کے صدر دروازے پر قبضہ کر لیا ہے تو اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہ اس سمت آیا۔

اپنے لشکر کو آگے بڑھنے سے روک کر نور الدین تیمور کی طرف آیا اور صدر دروازے کے قریب ہی اس نے اس کے گھوڑے کی باگیں پکڑتے ہوئے کہا۔

”اے آقا! اب جب کہ اس صدر دروازے پر قبضہ کر کے ہم نے بغداد شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوا اگر ہم شہر کے اندر اپنی اسلامی روایات کا احترام کریں، اور اہل بغداد کو ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے انہیں معاف کر دیں۔ کیا ان کے لیے اس قدر ہی کافی نہیں ہے کہ ہم نے ان کے نہ چاہنے کے باوجود شہر کو بڑے شہر فتح کر لیا۔“ اس پر تیمور اپنے گھوڑے سے اُترا اور نور الدین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

اس نے نرمی اور شفقت میں کہا۔ ”اے نور الدین! میں تیری اس کارگزاری پر بھینچا ہوں۔ کیا تو چاہتا ہے کہ ہم تیری اس ساری محنت کو اکارت، لاحاصل، بے کار اور ضائع ہی جلنے دیں۔ نہیں نور الدین ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بغداد شہر کے اندر ہم اسلامی روایات نہیں بلکہ اپنی اور تاتاری جنگی روایات جاری کریں گے۔ تاکہ اہل بغداد کو خبر ہو کہ جو ہمارے سامنے محصور ہو کر ہمارا مقابلہ کرتے ہیں ان کا ہم کیا شتر کرتے ہیں۔“

نور الدین بے چارہ تو اپنی جان بھیلی پر رکھ کر بغداد کی فیصل پر چڑھا اور شہر کے صدر دروازے پر قبضہ کرنے کے بعد اسے اُمید تھی کہ تیمور نہ صرف اس کی اس کارگزاری پر خوش ہو گا بلکہ اس کے کہنے پر اہل بغداد کے لیے عام معافی کا اعلان بھی کر دے گا۔ لیکن تیمور نے نور الدین کی بات ماننے اور اہل بغداد کو معاف کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر نور الدین بے چارہ نہ کچھ کر سکا اور نہ کہہ سکا۔

تیمور نے صدر دروازے کے راستے داخل ہو کر شہر کے سارے دروازوں پر قبضہ کر لیا۔ شہر پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد تیمور نے وہی اعلان کیا جس کی اس سے

امید کی جاسکتی تھی۔ اس نے اعلانہ اپنے لشکر کو حکم دے دیا کہ بغداد شہر کو لوٹنے کے بعد اسے آگ لگا دی جائے۔

نورالدین بے چارہ انتہائی دکھ کے ساتھ اس اعلان کو سن رہا تھا۔ جب بغداد شہر کی لوٹ مار شروع ہوئی تو ایک کونے میں جا کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بغداد جو دارالاسلام کہلاتا تھا۔ اس روز تیمور نے اسے جہنم بنا کر رکھ دیا تھا۔ فرار کی کشتی میں بھاگ نکلا تھا۔ اس پر تیر اندازی کر کے اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ تیمور کے لشکر کی ہر گھر کو لوٹ لوٹ کر اہل بغداد کو ذبح کرتے جا رہے تھے۔ کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔ بغداد کے اندر اس روز نوے ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور مسلمانوں کے سروں کے پیس مینار بنائے گئے۔

تیمور کے حکم پر شہر کی تفصیل کو گرا دیا گیا اور شہر کو آگ لگا دی گئی تھی۔ یوں بغداد صفحہ تاریخ سے تیمور نے مٹا کر رکھ دیا۔ گو اس کے کھنڈرات کو بعد میں پھر سے آباد ضرور کر لیا گیا لیکن دنیا کے اندر اس کی وہ اہمیت نہ رہی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ تیمور نے اپنی مملکت کے اندر جگہ جگہ مٹا دیا اور بغداد کی فتح کو منادی کر لائی اور ازراہ تمسخر اس نے ایک فاصد کے ہاتھ اس فتح کی خبر سلطان بایزید یلدرم کو بھی بھجوائی۔ سلطان بایزید یلدرم نے اس مبارک باد کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے بغداد کی اس تباہی پر دکھ اور غم کا اظہار کیا۔

○

بغداد کی تباہی و بربادی کے بعد تیمور نے اپنے ہزار لشکر کے ساتھ انفرہ کے ان میدانوں کا رخ کر لیا۔ جہاں ان دنوں سلطان بایزید یلدرم اپنے لشکر کے ساتھ

خیمہ زن تھے اور جن میدانوں کے اندر سلطان بایزید یلدرم خیمہ زن تھا۔ وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جس سے لشکر مستفید ہوتا تھا۔ تیمور اپنے لشکر کے ساتھ اسی چشمے کے دہریہ حصے پر خیمہ زن ہوا۔

تیمور نے یہاں ایک انتہائی بدترین اور غیر انسانی فعل یہ کیا کہ جس روز دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو کر فیصلہ کن جنگ کی ابتدا کرنا تھی۔ اسی دن کا سورج طلوع ہونے سے قبل رات ہی کو اس نے اپنے لیے تو پانی کی کافی مقدار ذخیرہ کر لی۔ پھر اس نے ایسا کیا کہ چشمے میں اس نے انتہائی مہلک دھڑکوا دیا تھا۔ اپنی فوج کو یقینی بنانے کے لیے تیمور بد سے بدترین حرکتوں پر آمرا آیا تھا۔

تیمور کو سلطان بایزید یلدرم کے مقابلہ میں فتح کا بالکل کوئی یقین نہ تھا۔ اس کی غیر یقینی کا یہ عالم تھا کہ بغداد تک اس کے حرم کی عورتیں اور ملکہ سرہنے خانم کے علاوہ اس کی بہو خاندانہ بھی اس کے ساتھ تھی لیکن بغداد سے انفرہ کی طرف روانگی سے قبل اس نے اپنی ساری خواتین کو حفظ ماتقدم کے طور پر سلطانہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ بہر حال اپنے لیے سلطان بایزید کے خطرے کو ٹالنے کے لیے تیمور انسانیت

سے گری ہوئی ہر حرکت پر آمرا آیا تھا۔ چشمے میں زہر ملا دینے کے باعث سلطان بایزید کے کافی لشکر کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہذا سلطان بایزید کے لشکر نے اس چشمے سے پانی حاصل کرنا ترک کر دیا تھا۔ سلطان بایزید کا خیال تھا کہ وہ سورج طلوع ہونے کے بعد اپنے لشکر کے لیے پانی کا انتظام کریں گے کیوں کہ ان کے لشکر کا ایک بڑا حصہ پیاسا تھا

لیکن نفس پرست اور شر پسند تیمور نے تو ان ہی حالات سے فائدہ حاصل کرنے کی ٹھان لی تھی۔ لہذا دوسرے روز اس نے سلطان بایزید کو اپنے لشکر کے لیے پانی حاصل کرنے کا موقع ہی نہ دیا اور جنگ کے لیے اپنے لشکر کو صف آرا کر لیا۔ مگر سلطان بایزید یلدرم بھی اپنے پیاسے اور پانی کی بوند بوند کرتے لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے صف آرا ہو گئے تھے۔

تیمور اپنے لشکر کے وسط میں رہا۔ میمنہ پر اس نے نورالدین کو رکھا۔ میس

۱۔ ماخوذ از کتاب امیر تیمور

۲۔ ہیر لڈلیم نے تیمور کے ہاتھوں بغداد کے اندر قتل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ۱۰

ہزار ہی لکھی ہے۔

محمد سلطان اور اس کے علاوہ اس نے ایک فالتو لشکر تیار کیا جو اس نے پیر محمد کی کمانداری میں رکھا تھا۔ اپنے بیٹے شاہرخ کو تیمور نے اپنے ساتھ قلب میں رکھا۔ بہر حال جنگ کی ابتدا ہوئی۔

تیمور نے سب سے پہلے پیر محمد کے لشکر کو آگے بڑھایا۔ دوسری طرف سلطان بایزید بلدرم نے اپنے ہونہار اور قابل ترین بیٹے شہزادہ محمد کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا۔

بایزید کے بیٹے شہزادہ محمد کا یہ حملہ ایسا دلیرانہ اور فیصلہ کن تھا کہ شہزادہ محمد کی کمانداری میں لڑنے والے ترکوں نے پیاسا ہونے کے باوجود ایسا جان لیوا حملہ کیا کہ لمحوں کے اندر پیاسے ترکوں نے پیر محمد کی کمانداری میں لڑنے والے تاتاریوں کو چیر کاٹ کر رکھ دیا تھا اور شہزادہ پیر محمد بُری طرح پیاسا ہو کر واپس بھاگا تھا۔

پیر محمد کے ساتھ تقریباً چالیس ہزار کا لشکر تھا اور اس لشکر کی ساری ہی صفوں کو سلطان بایزید کے بیٹے شہزادہ محمد نے اکثر کاٹ کر رکھ دیا اور باقی کو بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان بھاگنے والوں میں تیمور کا پوتا پیر محمد بھی شامل تھا۔ سلطان بایزید کے دوسرے بیٹے موسیٰ اور عیسیٰ اپنے بھائی محمد کی طرح تیمور کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ محمد کے مقابلے میں پیر محمد ناکام رہا تھا اور بایزید کے بیٹے عیسیٰ کے مقابلے میں محمد سلطان بھی ناکام رہا تھا۔

تیمور کے لشکر میں صرف نور الدین ایک ایسا سالار تھا جو بایزید کے بیٹے موسیٰ کو پس کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ مجموعی طور پر پیاسے ترک چنگاڑتے طوفانوں تقدیر کے عذاب، سطوت و جبروت، اندھیروں کے خوابوں، سلگتی ریت کے صحرا۔ کرب کے بے کراں سلسلوں اور موجوں کے تھپیڑوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔ ترکوں کی حالت تاتاریوں کے سامنے ایسی ہی تھی جیسے وہ ظالم کے سامنے

دبنا اور متکبر کے سامنے جھکنا نہیں جانتے۔ وہ راستوں کو ڈھانپتی شام کی دھند کی طرح دشمن کے اندر پھیلتے جا رہے تھے۔ تیمور کے لشکریوں کی انیٹھی گزریں پڑھیں۔ تہریاں اُترنے اور ڈھلنے لگی تھیں۔

بہر حال ترک صحرا کی غیر محدود وسعتیں، آغاؤں زندگی کے اسرار و رموز، ہولناک طاقت و قوت اور خوفناک سیاہ رات کی طرح تاتاریوں پر چھانے لگے تھے۔ جنگ اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ اطاعت پوشی غلاموں کی طرح دونوں طرف سے سپاہی کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ موت کے نیچے مقرر زور آندھی کی طرح ہر ایک کو اپنی پیٹ میں لینے لگے تھے۔ عمل اور تناؤں کے درمیان ایک کش مکش کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ زندگی اور زیست کے انہیر اور اُجالے ایک دوسرے کے خلاف دست و گریبان ہو گئے تھے۔

اپنے لشکر کی حالت دیکھتے ہوئے تیمور کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اس کی شکست یقینی ہے۔ اسی لمحہ اس کے لشکر کے سپاہی میدان جنگ سے منہ موڑتے ہی بھاگنے لگے۔ اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھ کر تیمور بھی دہان سے بھاگ نکلنے کی فکر میں تھا۔ لیکن اُسی لمحہ سلطان بایزید کے لشکر سے غدار سلجوقی نکل کر تیمور کے لشکر میں آئے۔ یورپ کے رضا کار دستے بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان کے علاوہ سلطان بایزید کے لشکر میں شامل سیتھین اور پارٹھین اسقف یوحنا کے ساتھ پہلے سے طے شدہ لاکھ عمل کے مطابق سلطان بایزید کا لشکر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

اب تیمور کے لشکر کی تعداد بایزید کے لشکر کے مقابلے میں پس گنا کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ تاہم سلجوقیوں، یورپی، نصرانیوں، سیتھین اور پارٹھین کے لشکر سے نکل جانے کے بعد گو سلطان کے لشکر کی تعداد انتہائی کم ہو کر رہ گئی تھی لیکن پھر

۱۰ بحیرہ حزر کے جنوب مشرق کی ایک وحشی قوم۔

۱۱ وسط ایشیا کی ایک غیر مذہب قوم تھی جو بحیرہ اسود کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئی تھی۔

۱۲ ہیرلڈیم کہتا ہے کہ پیش قدمی کرنے میں صرف نور الدین ہی کامیاب ہوا تھا۔

بھی انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔

لیکن خداوند کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سلجوقیوں، پارٹھین اور ستیجین کے غلامی کرنے کے بعد تیمور نے سلطان بایزید کے لشکر پر عام حملہ کر دیا تھا۔ بایزید کا لشکر اب بالکل ہی مختصر ہو کر رہ گیا تھا، تیمور کے اس یک بارگی اور زوردار حملے کو ترک برداشت نہ کر سکے۔ لہذا تیمور کو فتح نصیب ہوئی۔ سلطان بایزید کو شکست ہوئی۔ لہذا سے نندہ گرفتار کر لیا تھا۔

جس وقت تیمور کو اس فتح کی خوشخبری دی گئی تھی۔ اس وقت تیمور اپنے بیٹے شاہزادے کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ جب سلطان بایزید کو رسیوں میں جکڑ کر تیمور کے سامنے پیش کرنے کو لایا گیا۔ تیمور نے اپنے خیمے سے باہر نکل کر بایزید کا استقبال کیا اور سلطان بایزید کی طرف دیکھتے ہوئے تیمور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

سلطان بایزید نے تیمور کی اس منکبہ از مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا، "اے تیمور تازی! جس پر میرے خدا نے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے مصیبت ڈالی ہو اس پر کسی بھی صورت میں ہنسنا نہ چاہیے۔"

اس پر تیمور نے پھر طنزیہ انداز میں سلطان بایزید کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا، "اے بردہ کے قیدی سلطان! میں تسلیم کرتا ہوں کہ تو نے یورپی قوتوں کو اپنے سلف مجبور و بے بس کیا۔ پر کیا تو اب خود دیا ہی میرے سامنے مجبور اور بے بس نہیں ہے اسکا تم تسلیم نہیں کرتے ہو کہ جنگی فنون اور عسکری مہارت میں تمہیں مکمل طور پر میں نے اپنا سلف نے زیر کر کے رکھ دیا ہے اور تو یہ بھی دیکھتا ہے کہ تیرے بیٹے بھی میدان جنگ سے فرار ہو گئے ہیں، ہاں تیرا ایک بیٹا کہ جس کا نام موسیٰ ہے تیرے ساتھ ہی گرفتار ہو چکا۔ تو کیا تو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ میں نے اپنی طاقت کے بل بوتے پر تیرے لشکر کو تباہ کر دیا اور میں یہ بھی گمان کرتا ہوں کہ تمہاری اس ہولناک اور بدترین شکست کے ساتھ عثمانی سلطنت کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے۔"

بایزید نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا، "اے تیمور تازی! تو کب"

جنگی مہارت اور فنون سپہ گری کے بل بوتے پر کچھ اپنے سامنے زیر نہیں کیا۔ تو نے عیاری اور دھوکہ دہی سے کام لیا۔ تو نے اندر ہی اندر سلجوقیوں اور نصرائیوں کے ساتھ ساز باز کی اور وہ عین اس وقت مجھ سے علیحدہ ہو کر تمہارے ساتھ مل گئے جب تمہارے لشکر کے قدم اکھڑ چکے تھے اور تھوڑی ہی دیر بعد تمہارے لشکر میں فرار، افراتفری اور جھگڑا مچ جاتی تھی۔

قسم خداوند کی اگر تم مکاری اور دغا بازی سے کام نہ لیتے تو میں یقیناً تمہارا تعاقب کرتا۔ تم سے بغداد کے مسلمانوں کا خون بہا وصول کرتا۔ تم سے دمشق اور حلب کے بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کا حساب طلب کرتا۔

اے تیمور! تو مکر و فریب کاری سے کام نہ لیتا تو جس طرح آج میں تمہارے سامنے رسیوں میں جکڑا کھڑا ہوں۔ ایسے ہی تم میرے سامنے لاچار و بے بس کھڑے ہوتے۔

اے تیمور! جو مکر و فریب کاری تو نے کی ہے۔ اسی فریب کاری تو صلیبی جنگوں میں استعمال کرنا تو دور کی بات ہے میں نے ان سے متعلق کبھی سوچا تک نہیں ہے۔ اے تیمور! تو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ذرا عالم اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑا۔ کیا تجھے کوئی ایسا حکمران دکھائی دیتا ہے جو تیری طرح مکر و فریب سے کام لینے والا ہو اور وہ بھی اپنے مسلمان بھائی کے خلاف، باسلطنت عثمانیہ کے خاتمہ سے متعلق تیرا گمان تو سن رکھ، قوموں کا یہ جوج و زوال میرے رب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور جس کے مقتدر میں چاہتا ہے ذلت بھر دیتا ہے۔

یہ بھی سن رکھ اے تیمور! تیرا اور تیری حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا جب کہ عثمانی سلطنت پہلے سے بھی زیادہ پُر قوت ہو کر دنیا کے سامنے آئے گی۔"

سلطان بایزید کی اس گفتگو کا تیمور کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے سلطان بایزید کے رسیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں کھلوادیے اور پھر لوہے کے ایک مضبوط پنجرے میں بند کر دیا تھا۔

انقرہ کے میدانوں میں سلطان بایزید یلدرم کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کے ساتھ ہی تیمور نے نورالدین کو بروصہ شہر فتح کرنے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ محمد سلطان کو بھی وہ نورالدین کے ساتھ روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن انقرہ کی اس جنگ کے دوران شہزادہ محمد سلطان چونکہ زخمی ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ شاہی طبیبوں کے زیرِ علاج تھا۔ اس لیے نورالدین اکیلا ہی اپنے لشکر کے ساتھ بروصہ شہر کی طرف بڑھا تھا۔

تیمور کی روایات کے خلاف نورالدین نے بڑی شرافت اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ بروصہ شہر کو فتح کر لیا اور بغیر کسی خون ریزی، بغیر کسی لوٹ مار اور قتل و غارت کے اس نے شہر پر قبضہ کیا اور پھر انقرہ کے میدانوں کی طرف لوٹ گیا تھا جہاں تیمور بھی تک اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

انقرہ کی فتح کے بعد تیمور نے ایک اور بدترین کام کیا اور وہ یہ کہ اس فتح کے چند روز بعد اس نے فتح کا جشن منانے کا اہتمام کیا۔ کھلے میدان کے اندر شامیانے نصب کیے گئے تھے۔ اپنے لشکر کے سارے سالاروں، کمانداروں اور رؤساء اور امراء کو اس نے اس جشن میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔

اس کے علاوہ اس شامیانے کے اندر اس نے ایک شہ نشین بھی تیار کی۔ اس شہ نشین پر اس نے لوہے کے بنجرے میں بند سلطان بایزید کو رکھا اور اس کے قریب ہی اس کے اسیر بیٹے کو بٹھایا۔

اس جشن کے اندر اُن گنت تعداد میں عمدہ اور نفیس شراب کے شٹکے گھڑے اور جام صراحیاں رکھی گئی تھیں۔ پھر تیمور نے سب سے بڑی بدتمیزی یہ کی کہ سلطان بایزید کی بیویوں اور شاہی خاندان کی اسیر لڑکیوں کو اس نے وہاں طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ شراب کی صراحیاں اٹھائیں اور شراب کے جام بھر بھر کر اس کے سرواقل کو پیش کریں۔

نورالدین عین اس شہ نشین کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جس پر سلطان بایزید اپنی بنجرے کے اندر بند تھا۔ اس کے دائیں طرف تیمور اور اس کا بیٹا شاہ رخ تھے جب کہ

دائیں طرف شہزادہ پیر محمد اور پھر دوسرے تاتاری سالار تھے۔

سلطان بایزید کے شاہی خاندان کی ایک انتہائی خوب صورت اور نوعمر لڑکی بغل میں شراب کی صراحی لیے اور ایک باریک جالی مار کپڑے میں ڈھیر سارے خوبصورت جام لیے ان کی طرف بڑھی۔

پہلے اس نے جام بھر کر تیمور کو پیش کیا اور اس نے لے لیا۔ پھر شاہ رخ کو پیش کیا۔ شاہ نشین پر اپنی بنجرے میں بند سلطان بایزید اور ان کے بیٹے موسے نے یہ کر بناک اور شرم ناک منظر دیکھتے ہوئے انتہائی بے بسی کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

جب اس نے تیسرا جام بھر کر نورالدین کو پیش کیا تو نورالدین نے اپنی نگاہیں جھکا لیں اور انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے دھیمی سی آواز میں کہا: "اے میری بہن! میں شراب نہیں پیتا۔"

وہ لڑکی رگ گئی۔ چند ثانیوں تک وہ حیرت و پریشانی میں جذبات میں نورالدین کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے پوچھا: "اے میرے تاتاری بھائی! کیا تاتاریوں کے اندر بھی ایسے جوان ہیں جن کی نگاہوں میں ملت کی بیٹیاں بہنیں ہیں؟"

نورالدین نے اپنی نگاہوں کو جھکائے ہی جھکائے پیچھے کی نسبت بلند اور واضح آواز میں کہا: "اے میری بہن! تاتاریوں کے اندر بھی ملت کا درد رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اے میری بہن! تم صرف ترکوں اور تاتاریوں کی بیٹی نہیں ہو بلکہ ہر مسلمان عورت دہلی سے نابیکو پولس اور طنجہ سے لے کر سمرقند تک کسی کی بہن، کسی کی بیٹی اور کسی کی ماں ہو۔"

سو اے میری بہن! تو صرف ایک میری ہی نہیں لاکھوں بھائیوں کی بہن ہے۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ اس وقت حالات نے تجھے اپنے ہی بھائیوں اور اپنے ہی سرپتوں کے سامنے بے بس و مجبور بنا کر رکھ دیا ہے۔

نورالدین کی اس گفتگو پر وہ لڑکی رونے لگی تھی۔ شہ نشین پر بیٹھے سلطان بایزید

بے چین و مضطرب اور بے قرار سا ہو کر بلاتامل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جب دیکھا کہ ایک تاتاری سردار نے اس لڑکی کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے اور وہ لڑکی اپنا بازو چھڑانے کی ناکام جدوجہد کر رہی ہے۔

نورالدین نے فوراً اپنی تلوار بے نیام کر لی۔ جہنم سے زیادہ آتش ناک اور فتنی و تاریکی کے راز ہلے سر بہتہ کی طرح وہ اس تاتاری سردار کی طرف بڑھا تھا۔ اس تاتاری سردار نے بھی نورالدین کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہذا اس نے فوراً اس لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ قوس قزح کے رنگوں، تاروں کے گیتوں اور موج نگشت حبیبی حسین دپرش لڑکی صراحی بغل اور جام بکت ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

اس وقت نورالدین کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اس لڑکی کی چیخ و پکار نے اس کی رگوں میں بجلیاں، سینے میں انگارے، دل میں تڑپ اور نگاہوں میں چنگاریاں بھر دی ہوں۔ نورالدین کو اپنے قریب آتے دیکھ کر وہ تاتاری سردار بھی پریشان اور فکر مند ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

اس تاتاری سردار کے سامنے اگر چند ثانیوں تک نورالدین نے اسے غور سے دیکھا پھر مزاحمتی سلگتی ساعتوں، تیز غزائی موجوں اور جنوبی دشتک دینے والی آنکھوں کے سے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے نورالدین نے پوچھا۔

’اے مورکھ انسان! اے بد بخت ابلیس زادے! کیا تیرے گھر پر تیری کوئی بہن، کوئی ماں، کوئی بیٹی نہیں ہے جو تُو نے اس معصوم لڑکی کو بدی اور گناہ کی دعوت دی ہے۔ تُو نے کیا سمجھ کر اس کا ہاتھ پکڑا کہ تقدیر کے اندھے گڑھوں میں اور پھرے ہوئے توطناؤں کے اندر کوئی اس کا پرسان حال، کوئی وارث نہیں ہے۔‘

سن رکھ! یہ لڑکی ایک ملت، ایک قوم کی بیٹی! تُو نے کیا سمجھ کر اسے دعوت گناہ دی کہ یہ ایسے سلطان کی اولاد ہے جسے حالات اور ناموافق تقدیر نے زیر دست بنا کر رکھ دیا ہے۔ اے نامراد انسان! تیرے جیسے گمراہ ہی جہالت و گمراہی کے لحاف میں ملت کی آبرو اور قوم کے درد کو فراموش کر دیتے ہیں۔ تیرے جیسے انسان ہی مکاری

اور ان کا بیٹا موسیٰ دونوں اب آنکھیں کھول کر غور سے نورالدین کی طرف دیکھنے کے علاوہ ان دونوں کی گفتگو بھی بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔ جب کہ اس گفتگو پر تیمور ناپسندیدہ لگا ہوں سے نورالدین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اب وہ لڑکی نورالدین سے آگے بڑھ کر پیر محمد اور دوسرے تاتاری امراء کو شراب کے جام بھر بھر کر پیش کرنے لگی تھی۔

نورالدین نے ایک گہری نگاہ اپنے سامنے ڈالی جہاں تیمور کے اندھے حکم پر سلطان بایزید کی بیویاں، بیٹیاں اور اس کی بیویاں شراب کی صراحیوں اٹھائے لوگوں کو جام بھر بھر کر پیش کرتی ہوئیں ساتی و محفل کا کام سرانجام دے رہی تھیں۔

اس بھیانک منظر کو نورالدین برداشت نہ کر سکا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے اپنی گردن اپنے گریبان میں ڈال دی تھی۔

نورالدین کے پاس سے گزر کر ذرا آگے جانے کے بعد وہ حسین اور سلطان بایزید کے شاہی خاندان کی لڑکی جس وقت تاتاری سرداروں کو شراب کے جام بھر بھر کر پیش کر رہی تھی تو چانک ایک تاتاری سردار نے اس لڑکی سے جام لینے کے بعد اس کا بازو پکڑ لیا اور بڑی بے باکی سے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس نے کہا۔ ’اے بنتِ حوا! کافسوں! اے سراپا قیامت! اس ارغوانی شراب کی نسبت ہم تو تیری ضرورت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔‘

وہ لڑکی بے چاری اپنا بازو چھڑانے کے علاوہ مدد کے لیے چیخ پکار بھی کرنے لگی تھی۔ فرشتہ نشین پر بے بس و مجبور بیٹھے سلطان بایزید اور موسیٰ دونوں بے چین و بیتاب ہو کر اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

تیمور کے چہرے پر اس لمحہ معنی خیز اور طنز یہ سی مسکراہٹ تھی۔ کچھ ایسے انداز کی مسکراہٹ جیسے اسے اپنے اس رئیس سے اس لڑکی کے لیے ایسے ہی رویے کی امید تھی۔

نورالدین نے جب اس لڑکی کی درد بھری آوازیں اور اس کا نالہ و بکا سنا تو وہ

کو ذہانت، کمزوری کو نرم دلی اور بزدلی کو بے نیازی کا رنگ دینے والے ہوتے ہیں۔
 ذرا ترک کر نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ تیرے جیسے عصمتوں کے یو پاری کو نفع
 کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنی تلوار بلند کر کے گرائی اور اس سزا
 کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

فتح کے جشن میں حصہ لینے والے لوگوں کے دلوں میں اس حادثہ کے باعث ایک غم
 و ہراس طاری ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اپنے اپنے جام اپنے ہاتھ سے رکھ دیئے تھے۔ شاہی
 خاندان کی جن خواتین سے ساقی گری کا کام لیا جا رہا تھا وہ بدک کر اور خوف زدہ ہوتی
 ہوئیں ایک جگہ کھڑی ہو گئی تھیں۔

شہ نشین پر پڑے سلطان بایزید اور موسیٰ کی نگاہوں میں اطمینان تھا اور وہ
 داد دیتی ہوئی نگاہوں سے نور الدین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں تیمور اپنی جگہ پر
 اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت نفس نفس کے بیاباں میں خزاں کی پیاس جیسی ہو رہی تھی پھر
 اس نے اپنے محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے چلا کر کہا۔ "نور الدین ایک عظیم تاتاری سردار
 کو قتل کر چکا ہے۔ لہذا اس قاتل اور سرکش کو بیڑیاں پہنا کر میرے حضور پیش کرو۔"

نور الدین نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور وہیں کھڑے کھڑے اس نے تیمور کی
 طرف دیکھے بغیر کہا۔ "صرف بیڑیاں نہیں اجل کی بیڑیاں پہنا دو۔ میں یہیں کھڑا ہوں اور
 اس وقت تک حرکت نہ کروں گا جب تک بیڑیاں نہ پہنا دی جائیں۔"

نور الدین جب خاموش ہوا تو شہ نشین پر آہنی پنجرے میں بند سلطان بایزید
 نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے میرے عزیز! تیرا نام نور الدین لیا گیا ہے میں
 نہیں جانتا تو کون ہے اور اس تیمور تاتاری کے لشکر میں تیری کیا حیثیت اور کیا مقام ہے
 لیکن میں اہلیسوں کے اندر ایک فرشتہ، بھڑیلوں کے اندر ایک مہینہ، جہنم کی آتش ناک میں
 ایک پھول، بھوکے ننگی ہندیب کے اندر چپ کا ایک گہرا بھید، ظلمت کے زندان کے
 اندر ایک زندہ ضمیر اور ذلت و پستی کے انباروں کے اندر فطرت کی پاکیزگی اور نظامت
 دیکھ رہا ہوں۔ اے میرے عزیز! قسم خداوند کی بے حی کی لمبی راتوں اور بارود کی صلیبوں

کے اندر تیری صورت میں طرزِ مسلمان دیکھ رہا ہوں۔

اے نور الدین! کاش تو میرے لشکر میں شامل ہوتا اور میں تیری قدر دانی کرتا۔ جو
 کام تو نے سر انجام دیا ہے۔ اس پر تجھے اجل کی بیڑیاں نہ پہناتا۔ تجھے فطرت کا جلال اور
 دلوں کا سکون جان کر نسلوں اور صدیوں کی آہ و بکا، زندگی کے اندھیرے اجالوں اور
 دشمنوں کی نفرتوں کی کمری دھوپ سے تیری حفاظت کرتا۔

اے میرے عزیز! تو اس وقت میرے سامنے آیا۔ جب میں اس آہنی پنجرے میں
 بند ہوں۔ یہی اس حالت میں نہیں کہ گدھوں کی خوئی چوچوں، ظلم کی کالی کاڑھی چپ لدل
 زہریلی ہواؤں کی مار اور موت کی دیک سے تیری حفاظت کر سکوں۔

اے میرے عزیز! اگر تو میری اس بے بسی سے پہلے میرے پاس آیا ہوتا، تو
 قسم خدا کے واحد کی میں بد نصیبی کے سایوں اور ہنگامہ مرگ سے تیری خوب حفاظت
 کرتا۔ سلطان بایزید کی اس گفتگو کے جواب میں نور الدین نے جھکی جھکی گردن کے
 ساتھ کہا۔

"سلطان محترم! پانی رواں ہو تو پانی رہتا ہے۔ ورنہ غلاطت بھل جو ہڑین
 کر رہ جاتا ہے۔ ہماری حالت بھی اس گندے جو ہڑ جیسی ہے جو اوروں کو بدبو اور تعفن
 کے علاوہ کچھ نہیں دیتا۔"

سلطان محترم! ہم راہ گم کردہ مسافر ہیں اور الم پسندی کی زندگی بسر کرتے کرتے ہم
 لوگ اپنے پرانے کی تمیز بھول چکے ہیں۔

سلطان محترم! کاش میں اس قابل ہوتا کہ آپ کو اس آہنی پنجرے سے نجات دے
 سکتا۔ کاش میں اس قابل ہوتا کہ آپ کو صدیوں جیسے بے کسی کے لمحات اور سنگتی انتہائے
 زندگی سے رہائی دلا سکتا۔ کاش میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا۔

نور الدین اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ کیوں کہ اس کی آواز ڈوب گئی تھی اور گردن
 اور زیادہ جھک گئی تھی۔ اس موقع پر سلطان بایزید لیڈرم نور الدین سے کچھ کہنا چاہتے تھے
 پر خاموش ہی رہے۔ اس لیے کہ تیمور کے محافظ وہاں آگئے تھے اور وہ نور الدین کو آہنی

بیرٹیاں پہنانے لگے تھے۔ کچھ منافعوں نے نور الدین کی کمر سے اس کی تلوار اور خنجر کی پٹی بھی اتار لی تھی۔

نور الدین کو کپڑے کر جب تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو چند ٹانیوں تک تیمور اُسے ایک آمر کی پوری رعوت کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نور الدین کو مخاطب کیا۔
اے نور الدین! میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے ایک ترک لڑکی کی خاطر اپنے ایک عظیم تاتاری سردار کو کیوں قتل کیا۔ کیا تیرے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔

نور الدین نے آہستہ آہستہ اپنی گردن سیدھی کی، تیمور کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنی چھاتی تان لی اور ناتواںی سے بالکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔

اے آقا! اقل بات یہ کہ وہ لڑکی ترک نہیں مسلمان ہے۔ کہ مسلمان ترک و تاتاری کی تمیز سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے اور پھر جس سردار کو میں نے قتل کیا ہے، وہ تاتاری ضرور تھا پر مسلمان نہ تھا۔ کیا اسلام اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ ایک مسلمان اپنی ہی بیٹی کا باندہ کپڑے کر اس کو بدی پر مائل کرے۔

اے آقا! اگر اسلام اس کی اجازت دیتا ہے تو میں ہلکا کے لیے حاضر ہوں اور اگر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تو پھر میں حق پر ہوں۔

اے آقا! آپ کے سوال کے جواب میں میری ایک بات ختم ہوئی۔ اب میں اپنی دوسری بات کی ابتدا کرتا ہوں۔ اے آقا! تو نے ہندوستان کی سرزمین میں تلنبہ اور شہر شاہنواز کے بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ گھروں کو لوٹا، کھیت کھلیاؤں کو جلایا۔ اے آقا! تو نے ہلا دجہ دہلی میں قتل عام کیا۔ گلی کوچوں میں خون بہایا۔ بے گناہوں کے حلقوں کاٹے۔

اے آقا! تو نے دمشق شہر کو لوٹ کر اسے آگ لگا دی مسجدوں تک کو جلایا کر خاکستر کر دیا اور ان گنت مسلمانوں کا خون بہایا۔ اے آقا! تو نے حلب شہر میں خونخواری اور غارت گری کا مظاہرہ کیا۔ اے آقا! تو نے ملطیہ شہر کو لوٹا اور وہاں آتش زنی کا بدترین مظاہرہ کیا۔ اے آقا! تو نے اسلام کے مرکز اور دارالسلام بغداد

کے ساتھ ہلا کو خاں سے بھی بدترین سلوک کیا۔ شہر کو توڑنے جی بھر کر لوٹا۔ گھروں اور عبادت گاہوں کو جلایا اور وہاں توڑنے بغیر کسی وجہ کے نوے ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

اے آقا! اگر کوئی انسان تجھ سے تیرے ان بھیانک جرائم کا حساب اور وجہ طلب نہیں کر سکتا تو حشر کے روز خدا تو اس کی جواب طلبی کرے گا۔ اس لیے کہ وہ امیرون کا امیر، بادشاہوں کا بادشاہ اور سلطانوں کا سلطان ہے۔

اے آقا! میں نے اپنی ملت کی ایک بیٹی کی عزت و عصمت کی حفاظت میں ابلیس کے ایک نمائندے اور بدی کے ایک گماشتے کی گردن کاٹی ہے اور تو نے مجھے آہنی بیرٹیاں پہنا کر اپنے سامنے پیش کر لیا۔ میری ان ساری قربانیوں اور کارکردگیوں کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے جو میں نے تمہارے ساتھ کیں۔ پر اے آقا! نیکی کے فروغ میں ایک ستر قلم کرنے کی میری اگر یہ سزا ہے تو پھر ذرا سوچو، تم نے بھی تک جو لاکھوں بے گناہوں کے ستر قلم کیے ہیں، گلی کوچوں میں جو خون بہایا ہے اور آتش زنی کی ہے اس کی میرے رب کے ہاں کیسی بھیانک اور عبرت خیز سزا ہوگی۔

نور الدین دم لینے کو رکا پھر وہ بے روک آندھی کے سے انداز میں کتا چلا گیا اے آقا! تم میرے لیے جو چاہے سزا جاری کرو۔ مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا۔ میرا ضمیر اور میرا دل مطمئن ہے کہ میں نے ایک بلیت فروش، ایک قوم دشمن اور ایک بدکار انسان کو قتل کیا ہے۔

اے آقا! میرے لیے تم زیادہ سے زیادہ بھی کر سکتے ہو کہ میری گردن کاٹ سکتے ہو۔ لیکن ذرا اپنے گم بیان میں جھانک کر اپنے دل اور ضمیر کو بے دار کر کے اپنے لیے بھی کوئی سزا بخویند کرو کہ تم نے ان گنت عورتوں کو بیوہ کیا، بچوں کو یتیم اور غنہ بے شہروں اور بستیوں کو تباہ و برباد کیا۔ تو نے اغیار سے نہیں اپنے ہی مسلمانوں سے خون کے نذرانے طلب کیے۔

اے آقا! قسم مجھے اپنے رب اور اس کے جلال کی، تیری پنجۂ عمری کی

دانش مندی میں باغیانہ ہنگامے، تیرے بڑھاپے کی دانائی میں ذہانت پر مکاری کا رنگ پڑھا ہوا ہے۔ تیرا نفس خون کا پیا سا ہے۔ تیری باتوں کی دل کشی کے ساتھ کراہت، تیرے سلوک کی نرمی کے ساتھ نجاست اور تیری مہمزدیوں کے ساتھ اذیت ناک خرمراہٹ بھری ہوئی ہے۔ جب تک کوئی تیرے ساتھ اطاعت پیشہ غلام اور پابہ زنجیر قیدی کی طرح کام کرتا رہے تو اس سے خوش رہتا ہے جب تک کوئی اپنی گردن کو بوجھ تلے دبا کر اور اپنی کلائیوں کو باندھ کر تیرے حضور خمیدہ رہے، تو اس سے مطمئن رہتا ہے۔ پر جب کوئی تیرے سامنے اپنی گردن سیدھی کرے اپنی چھاتی تلے اور تیرے ناپسندیدہ اعمال پر انگشت نمائی کرے تو اس کے لیے تو اندرائن جیسا کھڑا، کچھے انگوروں جیسا ترش رو، نصیبی کے سایوں جیسا بے برگ دے بار انسان بن کر رہ جاتا ہے۔

نور الدین خاموش ہو گیا۔ تیمور نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"ابھی وقت ہے، کچھ اور بھی کہنا چاہو تو میرے خلاف کہہ لو۔ شاید پھر تمہیں اس کا موقع نہ ملے۔ اس کے بعد میں تمہارے لیے سزا تجویز کروں گا۔"

نور الدین نے تیمور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے آقا! اب جب کہ میرے مقتدر میں تیرے ہاتھوں میری موت لکھی ہی جا چکی ہے تو میں ضرور تیرے کہنے پر تیرے خلاف اور بہت کچھ کہنا پسند کروں گا۔ تیرے ہاں ماتھے کے پسینے اور پلکوں کے آنسوؤں کی کوئی قدر نہیں ہے۔ تو اپنوں پر ہی بد بختی کے سمندر، منحوس جبرٹے کھولے موت، جبر و ستم کی چٹان اور سوگ کا عصا بن کر نمودار ہوا۔ اپنوں کو تو نے محکومیت کی قید، دل گرفتگی میں جکڑا۔ تیرے اعمال سیاہ اور بے سایہ ہیں۔ تیرے حسن میں کوئی عمل اور تیرے عمل میں کوئی حسن نہیں ہے۔"

یہ جو تو نے درو جواہرات سے بھری تھیلیاں، طلائی مٹکے، نفرتی سکے اور سونے چاندی کے اوتار حاصل کیے ہیں۔ یہ سارے تو نے مسلمانوں کے گھر، جاڑ کر

حاصل کیے ہیں۔

تو نے مسلمانوں کے دامن و آستین کو خون آلود کیا ہے۔ پھرے آخا! یہ تو بتا تیموریت، چنگیز خاں کی چنگیزی اور ہلا کو خاں کی ہلاکت میں کیا فرق رہا۔ وہ دونوں دادا پوتا بھی اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے قاتل، تو بھی اسلام کا بدترین دشمن اور مسلمانوں کا قاتل ہے۔

تیرے لشکر میں نصرانیوں کی بھرمار ہے اور تو ان کا ہی کہا مان کر چلتا ہے۔ تو نے ماسکو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن تیرے لشکر کے نصرانی تیری اس مہم پر خوش نہ تھے کیونکہ انہوں نے ماسکو کے نصرانیوں کے ساتھ ساتھ باز کر رکھی تھی۔ تو نے ان کے کہنے پر ماسکو کی مہم ترک کر دی۔ حالانکہ ماسکو کو ہم دونوں کے اندر اپنے سامنے زیر اور تسخیر کر سکتے تھے۔ اُلٹا تو نے مسلمان مغلوں پر جنگ مسلط کر دی تو نے مسلمان ہاشکیریوں اور ازبکوں کو کاٹا۔

حالانکہ یہی لوگ روس کی قوت کے سامنے ایک مضبوط بند باندھے ہوئے تھے۔ تو نے یہ سارے بند کاٹ توڑ دیے اور روسی نصرانیوں کے مقابلے میں ان مسلمان محکومتوں کو کمزور کر دیا، تاکہ آنے والے دنوں میں روس ایک خوفناک عفریت کی صورت اختیار کر کے مسلمانوں کے ان سارے علاقوں کو ہڑپ کر جائے۔ روس کی مہم ترک کر کے تو نے ایران میں خون ریزی کی۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اور وہاں بے گناہ مسلمانوں کا خون پہا کر اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

سلطان بایزید نے یورپ اور یونان کے اندر کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ بجائے اس کے کہ تو سلطان بایزید کی مدد کر کے دشمنوں کے سامنے اس کے ہاتھ مضبوط کرتا لیکن یہاں بھی تو نے مسلمانوں کے بجائے نصرانیوں ہی کی مدد کی۔ تو نے سید اس پر حملہ کر کے سلطان بایزید کو قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیا۔

اے آقا! ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو، کما تو نے اسلام کے

کے مقابلے میں نصرانیت کے فروغ کے لیے کام نہیں کیا۔ میں نے حلب، دمشق، بغداد اور دیگر شہروں میں مسلمانوں کا قتل عام نہ کرنے کے لیے تیری منت سماجت کی لیکن تو نے ہر بار میری التجا کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ میں نے تم سے گزارش کی کہ سیواس شہر پر تباہی اور بربادی مسلط نہ کرو اور وہاں سلطان بائزید کے بیٹے کو قتل نہ کرو۔ کیا تو نے میری بات مانی۔

اور سن رکھو میرے آقا! انقرہ کے ان میدانوں کے اندر سلطان بائزید کے مقابلے میں تیری فتح مندی اور کامیابی کا راز بھی میں نے پایا۔ تو نے سلجوقیوں اور نصرانیوں سے اندر ہی اندر ساز باز کر لی تھی جو سلطان بائزید کے لشکر میں شامل تھے۔ اگر تو ایسا نہ کرتا تو قسم خداوندی سلطان بائزید ہمیں شکست دینے کے بعد سمرقند تک ہمارا تعاقب کرتے۔

اے آقا! اس جنگ میں میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہمیں شکست ہو۔ سلطان بائزید ہمارا تعاقب کریں اور ہمیں رسیوں میں جکڑ کر ہمارے سر قلم کریں۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا خون بہانے اور انہیں قتل کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا چاہیے تھا۔ اگر تو سلجوقیوں اور نصرانیوں سے ساز باز نہ کرتا اور سلجوقی اور نصرانی عین اس وقت سلطان بائزید کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے لشکر میں نہ آتے، جب ہمارا لشکر بھاگنے والا تھا اور سلطان بائزید کی فتح واضح بلکہ یقینی ہونا شروع ہو گئی تھی تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے اور ان عیاروں پر تم نے مزید غم یہ کیا کہ اسلام کے محسن اور صلیبی جنگوں کے فاتح سلطان بائزید کو تو نے آہنی پنجے میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ کیا مسلمانوں کا مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی خیو اور سلوک رہا ہے۔ ایسا سلوک تو ظالم تاناریوں نے بھی کسی کے ساتھ نہ کیا تھا۔

خدا کی قسم! میں اس وقت ہی تیرے خلاف بغاوت و سرکشی کرنے والا تھا، جب تو نے بغداد میں نوے ہزار مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اپنی فتح کے اظہار کے طور پر تو نے مسلمانوں کے سروں کے مینار تعمیر کیے۔

اے آقا! ذرا اپنے ان امور، ان مظالم پر نظر ڈالو، کیا یہ سارے کام ذلت و رسوائی، ریاکاری اور مظالم سے بھرپور نہیں ہیں۔ زمین کا ہر خطہ ایک تصویر کی طرح، اس ارض فانی کا ہر ذرہ ایک آئینے کی طرح اور ہر قطرہ ایک آئینے کی طرح قیامت کے روز اپنے رب کے روبرو تمہارے مظالم اور تمہاری تاخت کی کمائیاں بیان کرے گا۔ اس لیے کہ جہاں جہاں بھی کوئی انسان بدی اور گناہ کرتا ہے۔ خداوند قیامت کے روز ہر شے کو قوت گویائی دے گا اور یہ سب چیزیں انسانی اعضاء و جوارح کے ساتھ گنہگاروں کے خلاف گواہی دیں گی۔ پس اے آقا! سلطان بائزید کو رہا کر کے اپنے گناہوں اور اس کے نقصانات کی تلافی کرو اور اپنے رب سے معافی کا خواستگار ہو۔

ورنہ یاد رکھ زمین کا ہر ذرہ جہاں جہاں بھی تو نے مظالم کیے اپنے رب کے حضور تیرے خلاف گواہی دے گا۔ اے آقا! کیا تو نے سورہ زلزال میں نہیں پڑھا کہ اس روز زمین اپنے سارے بوجھ نکال پھینکے گی اور انسان حیرت سے چلا اٹھیں گے کہ اس زمین کو کیا ہو گیا ہے۔

اے آقا! یہ رزمگاہوں سے حاصل کیے ہوئے سونے چاندی کے ظروف، جواہرات لگے آنسو، موصصل کے ریشم، دمشق، اطلس اور دیگر قیمتی دنیاوی اشیاء تمہارے کسی کام نہ آئیں گی۔ خالی ہاتھ یہاں سے کوچ کر جاؤ گے۔ کام آئیں گی تو وہ نیکیاں جو اس دنیا میں تم کرو گے۔

خدا کی قسم! جب قیامت برپا ہوگی تو جہنمی لوگ چلا چلا کر اپنے ربؐ کی گزارش کریں گے کہ اے ہمارے خدا! صرف ایک بار ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ تاکہ ہم نیک اعمال کر کے جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کا سامان کر سکیں۔ پر اس وقت ایسی خواہش کرنے سے کیا فائدہ کہ اس وقت تو دارالعمل ختم ہو چکا ہوگا اور دارالعمل کی ابتدا ہو چکی ہوگی۔

اے آقا! تو نے مسلمانوں پر جو قہر و جبر کیا، ان کے خلاف جو قوت قاہرہ استعمال کی، ان کے خلاف جو بربریت کے پھینٹے اڑائے۔ ان کے ہاتھوں سے جو

پیار و اخوت کا امرت چھین کر انہیں نفرت کا زہر دیا۔ ان کے سینوں میں جو دکتی آگ بھری۔ ان کے اعتماد کو پارہ پارہ کر کے جو ان کی زندگیوں کو دشت و ویرانہ بنایا اسی لیے ان کے پلانے رشتوں کو منقطع کر کے نفرت کے گیت دیئے، اندھیروں میں جو ان کی عزت و ناموس کو ریزہ ریزہ کیا۔ تو اے آقا! اپنے دل کی عدالت میں کھڑے ہو کر بولو۔ کیا کرنے والے مؤرخ تاریخ کی لکیروں پر تیرے نام کے ساتھ جابر و قاهر، ملت دشمن اور اسلام دشمن نہ لکھیں گے۔

اے آقا! میں نے جو کتنا تھا کہہ چکا۔ اب تو مجھے وہ فیصلہ سنا جو تو میرے لیے تجویز کر چکا ہے۔ تاکہ کہ مجھے اپنے انجام کی خبر ہو۔

تیمور چند ثانیوں تک غور سے نور الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ اے نور الدین! تو ضرور تسلیم کرے گا کہ میں نے تیری اس تقریر کو انتہائی صبر اور ضبط کے ساتھ سنا ہے اور میں بھی یہ تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ جنگوں میں دُور اندیشی، حملہ آور ہونے میں جفاکشی، مصیبت میں ثابت قدمی، ضرورت میں استعداد، رزم گاہوں میں بے مثال جرات مندی اور ہر بار میرے حق میں جانثاری سے کام لیا۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تو نے میرے دشمنوں اور ان کے حیوانی جذبات کو قصہ پارینہ بنا کر رکھ دیا جس سے دشمنوں کے لیے تو ہمیشہ شمشیر رواں اور تیرہ ملک ثابت ہوا۔ تو نے ریگستانی ویرانوں میں آموں کی طویل و عریض دلدیوں میں، ہر جگہ میری کامیابیوں کی خاطر تو اپنی طبعی ترنگ اور ابر و باران کے طوفانوں کی طرح لڑا۔

اے نور الدین! تو نے جب میری خاطر اس قدر قربانیاں دیں اور تجھے کوئی قتل کو دے تو کیا میں اسے معاف کر دوں گا، ہرگز نہیں، اسی طرح تو نے جن تاتاری سردار کو قتل کیا۔ اس کا قتل بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

نور الدین نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ اے آقا! اگر آپ کا کوئی سزاوار سوار قوم کی بیٹیوں کی عصمت و عفت کو میل نگاہ سے دیکھتے تو قسم خداوند کی میں اسے سوار قتل کر کے سوار مصلوب ہونے پر فخر کروں گا۔

اے آقا! سلاسل کی گرانباری، آہنی سیرپیوں کی اذیت، زنداں کے گھور شب اندھیروں کی خوفناک تنہائیاں مجھے بدی کے ایسے سوداگروں کی گردن کاٹنے سے روک نہیں سکتیں۔ میں اگر رزم گاہوں میں آپ کے ذاتی دشمنوں پر تلوار اٹھا سکتا ہوں تو میں ملت کے دشمنوں اور اسلام کی عظمت پر شب خون مارنے والوں پر ناپسندیدہ و بے ضمیر لوگوں کے خلاف تلوار بلند نہیں کر سکتا۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے بلند آواز میں کہا۔ اے نور الدین! فی الوقت میں تمہیں تمہارے خیمے میں نظر بند کرتا ہوں، تمہارے لیے مناسب سزا بعد میں تجویز کروں گا۔

پھر تیمور نے پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں اپنے محافظوں کو مخاطب کر کے کہا۔ نور الدین کو اس کے خیمے میں لے جا کر بند کر دو۔ خیمے کے چاروں طرف چار مسلح پہریدار مقرر کر دو اور سنو! نور الدین کی حالت اس وقت ایک اسیر کی سی ہے اور اس اسیری میں سیف الدین اور اسقف یوحنا کی بیٹی انجیلینا کے علاوہ اسے کوئی اور نہیں مل سکتا۔

تیمور کے اس حکم پر اس کے محافظ نور الدین کو وہاں سے اس کے خیمے کی طرف لے گئے تھے۔ جب کہ تیمور بھی جشن کے خاتمے کا اعلان کر کے وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

○

نور الدین کو اس کے خیمے میں بند کر کے اس کے چاروں طرف پہرہ بٹھادیا گیا تھا۔ اور سیف الدین اور انجیلینا کے علاوہ کسی اور کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ تیکوں ٹیک لگائے نور الدین اپنے خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیف الدین اور انجیلینا اس کے لیے میں داخل ہوئے۔

انجیلینا کھانے کے برتن بھی اٹھائے ہوئے تھی اور وہ بے چاری اس سے یادوں کے تابوت اور خیالات کے بن باس کی طرح اداس تھی۔ شام بھراں اور پاب زنجیر کسی قیدی

کی طرح وہ بے چاری بکھری بکھری سی تھی۔ اس کے چہرے پر خزاں کے نعموں کا سوگ اس کی آنکھوں میں غم کے ٹیلے ہوئے قص کنان تھے۔ وہ بے چاری چپ اور خاموش خاموش سی تھی جیسے آزدوں کے جنگل میں کوئی بے صدا شہر۔ سیف الدین اور انجیلینا دونوں نور الدین کے سامنے بیٹھ گئے۔ انجیلینا نے کھانے کے برتن نور الدین کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کے لیے کھانا لائی ہوں، پہلے کھانا کھائیے پھر میں آپ سے بات کرتی ہوں۔“

نور الدین بے چارہ منہ سے کچھ نہ بولا اور خاموشی سے وہ کھانا کھانے لگا تھا۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو انجیلینا نے اسے پانی پلایا۔ پھر انجیلینا نے ایک کرب انگیزی اور شام ہبراں کے درد جیسی ملی جلی آواز میں نور الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”آپ نے اس تاتاری سردار کو قتل کر کے امیر تیمور کے ساتھ جھگڑے اور تکرار کی کیوں ابتدا کر دی ہے۔ سیف الدین نے انجیلینا کو اپنی بات مکمل نہ کرنے دی اور درمیان میں بولتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے انجیلینا! نور الدین نے ٹھیک کیا ہے قسم خداوند کی اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔ میں جانتا تھا کہ فتح کے اس جشن کی بتیمزیاں اور بد مستیاں دیکھنے میں آئیں گی۔ لہذا میں نے امیر تیمور سے ناسازی طبع کا بہانہ بنا کر اس جشن میں شرکت کرنے سے انہی جان چھڑالی تھی۔

اے انجیلینا! قسم خداوند کی جس تاتاری نے سلطان بایزید کے خاندان کا بازو پکڑ لیا تھا، اسے قتل کر کے نور الدین نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور ملت و قوم پرور ہونا ثابت کر دیا ہے۔

اے نور الدین! بخدا تو نے اپنے آپ کوندیوں کے جھرمٹ میں محصور ایک دریا اور چنبروں کے کمرام میں ایک جان فرزا خاموشی ثابت کر دیا ہے۔ اے نور الدین! لاکھوں مواقع کے بعد ہی کہیں ایسا باسعادت موقع ملتا ہے جس سے فائدہ اٹھانے والا عجیب ش قسمت ہوتا ہے۔

اے نور الدین! تو نے اپنے عمل اور تیمور کی خواہشوں کے درمیان کیا خوب اور دلپذیر کش مکش کی ابتدا کر کے رکھ دی ہے۔ کاش میں بھی اس وقت وہاں موجود ہوتا جب تو نے اپنے کاٹے الفاظ سے تیمور کو اس کے اعمال اور اس کی مسلم دشمنی کا شیشہ دکھایا۔ کاش میں بھی وہ منظر دیکھ سکتا جس وقت تیمور سر جھکائے تمہاری باتیں سن رہا ہوگا۔ جو کچھ وہاں ہوا مجھے سب خبر ہو گئی ہے بیٹے! اور میں تمہارے اس طرز عمل سے خوش بھی ہوں۔

اے نور الدین! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو قسم خداوند کی میں بھی اس تاتاری سردار کا حلقوم کاٹ کر رکھ دیتا جس نے ایسی ناقابل برداشت حرکت کی تھی۔“

سیف الدین کے خاموش ہونے پر انجیلینا نے بے چین ہو کر اس سے پوچھا۔ ”اے ام! کیا آپ بھی ان کے طرز عمل کی تائید کر رہے ہیں۔ جب کہ میری روح تو یہ موج موج کر مضطرب اور بے چین ہو رہی ہے کہ امیر تیمور نہ جانے اب ان کے لیے کیا سزا تجویز کریں۔“ پھر انجیلینا نے سیف الدین کے جواب کا انتظار کیے بغیر نور الدین کی منت کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ امیر تیمور سے اپنے رویے کی معافی مانگ لیں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ آپ کو معاف کر کے آپ کی بیڑیاں کھلوا دیں گے۔

نور الدین نے شکووں سے بھر پور انداز میں انجیلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اسے مطلب کر کے کہا۔ ”اے انجیلینا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو کہ میں تیمور سے اپنی رہائی کی خاطر معافی مانگ لوں۔ نہیں ہرگز نہیں، میں نے جو کچھ بھی اسے کہا ہے مبنی پر حقیقت ہے اگر میں اس سے معافی طلب کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے جو کچھ میں نے کہا تھا غلط تھا اور اس طرح تو میں حقیقت کو جھٹلا بیٹھوں گا۔

اے انجیلینا! اس موقع پر تیمور سے معافی مانگ لینا ایسا ہی ہے جیسے ایک بھیڑیا اور درندہ نما انسان ایک عرصہ سے ایک قوم کا خون پیتا رہا ہو۔ ایک شخص نے اسے گھناؤنے فعل کے خلاف آواز بلند کی ہو اور پھر وہی آواز بلند کرنے والا شخص اس خوبی انسان کے پاس جا کر کہے۔ حضور! میں نے آپ کے خلاف غلط

آواز بلند کی تھی۔ آپ حق اور سچائی پر تھے۔ قوم کی رگوں میں ابھی کافی خون ہے لہذا آپ اپنی خون آشامی کا کھیل جاری رکھیے۔^۱

لہذا تیمور سے اب معافی طلب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ جو کچھ میں نے اس سے کہا ہے وہ نہ صرف میرے دل، میرے ضمیر کی آواز ہے بلکہ ایسی حقیقت ہے جو جھٹلائی نہیں جاسکتی۔

انجیلینا بے چاری نے مضطرب اور بے قراری میں کہا: ”پرہم لوگ آپ کو ان آہنی بیڑیوں اور اس اسیری کی حالت میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اگر آپ نے امیر تیمور سے معافی طلب نہ کی تو ہو سکتا ہے وہ آپ سے متعلق کوئی ایسا فیصلہ صادر کر دے جو ہم سب کے لیے مشیت کی چکی میں پس جانے کے مصداق ہو۔“

اس پر نور الدین نے فیصلہ کن انداز میں کہا: ”اے انجیلینا! تیمور زیادہ سے زیادہ میری جان لینے کا حکم دے سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ میرے خلاف کیا کر سکتا ہے اور یہ جان تو ایک دن جانی ہی ہے۔ آج نہ سہی کل۔ ایک روز موت کے سامنے سڑگوں ہونا ہی ہے۔ پھر موت کے اس فیصلے سے ڈر اور خوف کیسا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ ایک نہ ایک روز تیمور کا مردہ دل اور بے حس عقل و ضمیر منہ وریلا ہوں گے۔ اس روز اسے سلم قوم کے اندر برپا کیے ہوئے اپنے گھناؤنے کردار کی سڑاندھڑ محسوس ہوگی اور اگر ایسا ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ جس مقصد کے تحت میں نے تیمور کے خلاف آواز اٹھائی تھی میں اس میں کامیاب رہا۔“

اے عم سیف الدین! اے انجیلینا! میں تم دونوں کا ممنون ہوں کہ تم دونوں نے میری خبر گیری کی اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دونوں کے علاوہ کسی اور کو مجھ سے ملنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ یہ بھی سن لو کہ میں تیمور کی بواہی و بھڑائی اور خطا کاری اور ظلم و خوٹواری کے خلاف اپنے اس معاملے کو اپنے رب کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ جو علیم و خبیر ہے میرے معاملے میں تیمور کو عقل و شعور کا عصا تھامنے کی توفیق ضرور دے گا۔

سیف الدین شاید نور الدین اور انجیلینا کو آپس میں کھل کر گفتگو کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ لہذا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ”اے انجیلینا! تم ابھی نور الدین کے پاس ہی بیٹھو میں جاتا ہوں۔ میری طبیعت ویسے بھی کچھ ناساز ہے۔ میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر ضرور نور الدین کے سلسلے میں تیمور سے بات کر دوں گا۔“ اس کے ساتھ سیف الدین آہستہ آہستہ چلتا ہوا خیمے سے نکل گیا تھا۔

انجیلینا چند ثانیوں تک گردن مجھ کئے نور الدین کے سامنے بیٹھی رہی۔ اس وقت وہ بے چاری تنہا اُداس لمحوں جیسی چپ چپ اور بیکراں ٹھہرے سناٹوں جیسی دریاں ہو رہی تھی۔ اس کی فکر و احساس کے زاویے نہ جانے کہاں بھٹک رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں صدیوں کی اُن گنت اُداس داستانیں اُتر آئی تھیں۔

نور الدین کو آہنی بیڑیوں میں جکڑا دیکھ کر وہ بے چاری دکھ کی ایسی دیک میں مبتلا ہو گئی تھی جو بدن سے روح تک کو بھی چاٹ جاتی ہے۔ اس کی حالت اس سے اس معصوم بچے جیسی ہو کر رہ گئی تھی جو ظلمتوں کے سید طوفانوں کے اندر گم صُدم اداس چاند کو اپنا آخری سہارا اپنی آخری پُرہنگی اور اپنی روح کی تو نگری سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو۔ پھر انجیلینا نے جھکی ہوئی گردن سیدھی کی اور حیات و موت کی کش مکش میں مبتلا اپنی آواز میں بولی۔

اے امیر! تیمور سے کسی بھی غلط اور گناہوں کے عکس سے بھرپور فیصلے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ آپ کے ان حالات نے مجھے زندگی کے بدترین دوراں پر لا کھڑا کیا ہے۔ آپ کو ان آہنی بیڑیوں اور اپنے خیمے میں اسیری کی حالت میں دیکھتے ہوئے میں اپنے آپ کو ایسا محسوس کر رہی ہوں جیسے کسی نے مجھے جہنم کی مجبور تنہائیوں کے اندر سگنے پر مجبور کر دیا ہو۔

بخدا میری حالت اس وقت مشیت کی چکی میں پستے مجبور دہے بس ذروں جیسی ہے۔ کاش میں اس حالت میں ہوتی کہ آپ کی مدد کر سکتی۔ کاش میں اس پر قادر ہوتی کہ آپ کو کہیں لے آؤں اور ایسی جگہ لے جاتی جہاں گیر شناس نگاہیں ہوتیں۔ جہاں انقلاب نو کی

علامات ہوتیں۔ جہاں پڑکے ٹھنڈے سایے جیسی قیمت کا ساتھ اور سنگ ہوتا۔ جہاں کسی اندھی اور خوفناک قوت کی طرف سے ہمارے لیے دلوں کی کمورت اور قلب و ضمیر کی قید نہ ہوتی۔ جہاں زمین پر ایک آسمانی رُوح کی طرح ہر سوا یک کیسوی ہوتی۔ آہ! آپ کی فتح نصیب تلوار کو کس کی نظر کھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی اینجیلینا کھل کر رونے لگی۔ اداس کے آنسو ساون مجادوں کی بارش کی طرح گرنے لگے تھے۔

شاید اینجیلینا اب تک سیف الدین کی موجودگی کی وجہ سے اپنے آپ کو روکے ہوئے تھی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھٹ پڑی اور اب وہ بے چاری نور الدین کے سامنے بیٹھی سسکیوں اور ہچکچوں میں اس معصوم بچے کی طرح رو رہی تھی جسے وقت کے ظالم اور ستم گر ہاتھوں نے تنہا اور مجبور بنا کر رکھ دیا ہو۔

نور الدین خاموشی سے چند ثانیوں تک اپنے سامنے بیٹھ کر روتی اینجیلینا کو ایک حسرت اور درد مندی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چاہتوں سے بھرپور آواز میں کہا۔ "میں تیری چاہتوں تیری جان نثاری، تیری ہمدردی اور تیری غم خواری کا کیسے شکریہ ادا کروں جن کا اظہار تو میرے ساتھ کر رہی ہے۔"

اے بنتِ سمرقند! وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا۔ کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی گھمبھ کبھی ابتلا و مصائب، کبھی انسان وقت کو اپنے قدموں کی دھول بنا کر رکھ دیتا ہے اور کبھی یہی وقت انسان کو عناصرِ فطرت کا غلام بنا دیتا ہے۔ زندگی کبھی قوت و عمل کا موجب نہ گرا سمندر ہے اور کبھی ظلمت جہل و باطل جس کا کوئی حاصل کوئی مفہوم نہ ہو۔ اے اینجیلینا! یوں اپنی اور میری بے بسی پر آنسو نہ بہا۔ حالات کبھی موت کے شعلوں

کا پیرا بن پنا تے ہیں اور کبھی آفاق آتشا کر کے عظمت کی رنعتوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اے اینجیلینا! بابل و نینوا شہر گو تباہ و برباد ہو گئے مگر تہذیب کے اُجلے موسموں اور تاریخ کے میٹالے قرطاس میں ان کے کھنڈرات اب بھی ان کی عظمت و رفعت کے گواہ اور معنی ہیں۔ اے اینجیلینا! تیرے یہ کانپتے حنائی و دستِ نازک اور تیری یہ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں میرے دل پر گراں گزرتی ہیں۔

اے اینجیلینا! اپنے آنسو پونچھ لے اور اپنے آپ کو سنبھال۔ تیمور سے اب کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی۔ وہ اپنی ذات کے زنداں میں موت کے پچھاڑے جسموں پر منڈلاتے گدھوں کی طرح۔ اس کی رُوح کی ساری سمتیں ٹیڑھی اور وہ اپنے فیصلوں میں بسیط صحرا کے بگولوں جیسا متکون المزاج انسان ہے۔

اے اینجیلینا! تو میری موجودگی میں کتبہِ لمحہ جیسی کیوں اُداس اور ویران ہوتی ہے۔ آؤ دونوں مل کر ان حالات، ان افتاد کا مقابلہ کریں۔

نور الدین کی اس گفتگو پر اینجیلینا نے فوراً اپنے آنسو پونچھ کر اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ گویا اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو اور وہ ویران تہوج کو پھلانگ کر جان بخشی خوشبوؤں میں کود گئی ہو۔

اچانک اینجیلینا کو کوئی خیال گزرا اور اس نے راز داری کے ساتھ نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر! آپ مجھے اریسہ کا پتہ ہی بتا دیں۔ اسے جب آپ کی اسیری کی خبر ہوگی تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ میں کم از کم اسے مل کر تسلی اور ڈھارس تو دے سکوں گی۔ اگر تیمور نے آپ سے متعلق کوئی غلط فیصلہ کیا تو ایک نہ ایک روز اریسہ کا بھی لوگوں کو پتہ چل جائے گا۔ اس طرح آپ کی نسبت سے ہو سکتا ہے تیمور اسے بھی اپنے ظلم اور قہر مانیت کا نشانہ بنائے۔"

ایسی صورت میں اے امیر! میں اریسہ کو لے کر کسی محفوظ جگہ چلی جاؤں گی۔ میں ان خونخوار کتوں سے اس کی حفاظت کروں گی جو اپنے شکاری کے ہر اشارے کی تعمیل کرتے ہیں۔"

نور الدین نے ٹھنڈے سانوں سے لبریز خاموشی کے بعد کہا۔ "اے اینجیلینا! تم ٹھیک کہتی ہو لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اریسہ سے متعلق تمہیں بتا سکوں۔ ہاں اگر میری قسمت میں صلیب و الطار ہی لکھے جا چکے ہیں تو اپنی زبیت کے آخری لمحات میں تمہیں اریسہ سے متعلق میں تفصیل سے بتا دوں گا۔"

اینجیلینا تھوڑی دیر کے لیے اپنی گردن جھکا کر گری سوچوں میں کھوئی رہی پھر تباہ

نور الدین نے گہرے تبسم میں کہا: "اب تم واقعی بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

سحر کی گلابی، ساغر کی دھکتی جبین اور بادہ گلنار جیسی لڑکی کا رقص دیکھنے میں محو تھا۔ وہ لڑکی اپنے اعصار و جوارح اور اپنے جسمانی خطوط کا ایسا رقص پیش کر رہی تھی جیسے وہ دیوانہ اتلوں کی دشتوں کو شعلہ مہر و ماہ اور ردھوں کی سرخ خاموشیوں کو رقصِ برق و باران میں تبدیل کر کے رکھ دے گی۔

تھوڑی دیر تک تیمور بڑی محویت اور انہماک کے ساتھ اس صندلی اور سیسے تن لڑکی کا رقص دیکھتا رہا۔ پھر اس نے عمر اور چہتا رہ بجاتے مغنی کی طرف دیکھتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔ ”کچھ گاؤ، کچھ کہو، تمہاری آواز کے بغیر یہ رقص یقیناً اُدھور ہے۔ گاؤ کہ تمہاری آواز اس رقص کی تکمیل کر دے گی۔“

اس مغنی نے اپنا گلا دو ایک بار صاف کیا۔ پھر وہ اپنی پاٹ وار آواز میں کچھ اس مفہوم کا گیت گارہا تھا۔

اے مخاطب ! آزادی ہماری صفتِ غاند زاد ہے۔

ان ہواؤں، ان بھونکوں کی طرح آزاد، جو

مقفل گھروں کے در و دیواروں پر دستک دیتے ہیں۔

ہم اپنی ذات کے ازل سے ابتک آزاد ہوتے ہیں۔

برق کے ان نادیدہ پیکوں کی طرح

جو مجلسی ہوئی لاشوں کے ڈھیر اور

آندھیوں کے غضب ناک جھکڑوں کی پرواہ کیے بغیر

اپنی تخلیق کا حق ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔

ہم اپنے ارادوں اپنے عزم میں

قسمت جیسے اٹل، زمین کی زرخیزی جیسے خوش کن

رات کی نبض جیسے رواں اور موت کی مہک جیسے بیدار ہیں۔

آنکھوں کی تھکن، نیند کے رنگوں کی آگ

اور سرد ہواؤں کے بھاری بھونکے ہم پر اپنا اثر نہیں چھوڑتے۔

اے رفاصہ ناچ !

قبل اس کے کہ سانسوں میں آگ بھڑکے

اور یادوں کی شاخیں مرجان ہو کر گرہ پڑیں

قبل اس کے کہ بہاروں کی میٹھی آگ بجھ جائے

اور رات کی نیلم پریاں سُسُتِ کام عناصر کے سلسلے مغلوب ہو جائیں

قبل اس کے کہ درختوں کی دف، بجائی تپیاں

کلیوں بھرے اور پھولوں لے لے پیڑ۔

دل کے جزیروں میں نایافت ہو جائیں

ناچ کہ تیرا رقص ہی تیری زندگی ہے

قبل اس کے کہ اشکوں کے نیلم آنکھوں میں

تھر تھرتے لبوں کے ساتھ گونگے رشتوں میں کھو جائیں

بیدار لذتیں، گری میٹھی نیند اور سنہری عریانیاں

آسمان کے سخت جان رازوں کے ساتھ مل کر

دن بھر اٹھتے بگولوں اور وسعت گردوں کی کمکش ہو جائیں

ناچ اے رفاصہ !

ناچ کہ شگفتہ دلکش چہرے پر رونق ہوں

رس برساتی آنکھیں خاموشی کے نغمے الاپی

کچھ ایسے انداز میں جیسے طوفان اُٹنے کو کہتے ہیں

رقص نالیدن ! اے رفاصہ ! رقص نالیدن !

کہ آپ رواں کی طرح میرے سبک نغمے

اپنے سایوں کی کھوج اور تلاش میں ہیں

کہ یہی نغمے ! افلاس کے دھبے دور کرتے ہیں۔

اور میرے عہدِ گزشتہ اور حال و مستقبل کے رفیق ہیں۔

اے رقاصہ! تیری تیکھی نظریں
تیرا زردوزی کا لباس - تیرے لبوں کی آرزومندی
تیرے جسمانی خطوط کا عکس اور تیرا گلابی پن
تیرے جسم کے ساتھ میرے غموں کو بھی رقص کٹا کرتے ہیں
اپنے رقص سے

ساری کائنات کو خاموش اور جہاں کو دم بخود کر دے
کش کش کی دُیا اور دیوانوں کے ارمان میں فرق
حکمت و عظمت اور خانقاہوں میں
رندانِ مے کش کے ہجوم میں امتیاز کر کے رکھ دے -
اے رقاصہ!

تُو تو تلوار بدست قاتل کے مانند ہے
چاہے تو اپنے لطیف اقرار سے اور چاہے
دلوں کو زخماں رنگوں جیسا نہاں کر دے
چاہے تو اپنی شوخی انکار سے تو
لوگوں کی کائنات کو مہم عکس بنا کر رکھ دے
ناچ کر

انسان کا آغاز رحم مادر اس کا انجام قبر
دونوں ہی سرے تاریک پھر خوف کیونکر
اپنی نیم محبوب آنکھوں میں طرب خیال بھر
اپنی رُوح کو مِیا کی کا تر جہاں بنا
بے کیف لمحوں کو منفعت بخش بنا

ناچ اے رقاصہ! ناچ
کہ تیرا رقص ہی تیری زندگی ہے

وہ مغنی خاموش ہو گیا اور چھتارہ بجانا بھی اس نے بند کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ
ہی آب جو کے ترنم جیسی پرکشش اور چاندنی کے لباس میں کرنوں کے ہجوم جیسی اس
لڑکی کے رقص کرتے ہوئے پاؤں بھی رگ گئے تھے۔ اپنے تکیے کے نیچے سے نکال کر
تیمور نے ان دونوں کو نقدی کی ایک ایک تھیلی دی اور انہیں چلے جانے کا اشارہ کیا
اس پر وہ دونوں تیمور کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

اس رقاصہ اور مغنی کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد اسقف یوحنا اور انجیلینا
دونوں باپ بیٹی تیمور کے خیمے میں داخل ہوئے۔ تیمور نے دونوں کو خوش آمدید کہا۔
دونوں کو اس نے قالین پر رکھے گاڑیے کے پاس بیٹھنے کو کہا اور خود بھی وہ کٹری کی
شہ نشین سے اتر کر ان کے قریب ہو بیٹھا تھا۔ پھر اس نے یوحنا کو مخاطب کرتے ہوئے
کہا۔ "اے یوحنا! میں تمہیں فرانس بھیجنے کا فیصلہ کر چکا ہوں تم جلتے ہو کہ فرانس
کے بادشاہ چارلس ششم کے ساتھ ہمارے تعلق انتہائی خوش گوار اور ذاتی ہیں۔ لہذا تم
فرانس جا کر چارلس کو بائزید کے خلاف ہماری فتح کی خوش خبری سناؤ۔

اے یوحنا! اس کے علاوہ بھی میں بہت سے فیصلے کر چکا ہوں۔ مثلاً آق بونا
آج ہی ہرات روانہ ہو جائے گا کہ میں اسے ہرات کا والی مقرر کر چکا ہوں۔ مجھے خبر
ملی ہے کہ ہندوستان کے حالات درست نہیں ہیں لہذا پیر محمد بھی آج ہی اپنے لشکر
کے ساتھ ہندوستان کی طرف کوچ کر جائے گا۔ محمد سلطان جو انقرہ کی اس جنگ میں
زخمی ہو گیا تھا اس کے زخم کچھ بہتر ہو گئے ہیں اور وہ بھی آج ہی سلطانیہ شہر کی طرف
کوچ رہا ہے۔ وہ وہاں چند ہفتے اپنی ماں خانزادہ کے پاس رہے گا۔ اے یوحنا! میں
چاہتا ہوں تم بھی آج ہی فرانس روانہ ہو جاؤ اور ہاں تم انجیلینا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ
اس لیے کہ تمہارے بغیر یہ اتنے دن اکیلی کیسے اور کیونکر رہ سکے گی۔

۱۰ میرا لٹیم بھی تصدیق کرتا ہے کہ تیمور نے اسقف یوحنا کو فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کی
طرف روانہ کیا تھا۔

یو خان کے کچھ جواب دینے سے قبل ہی انجیلینا بول پڑی اور تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا: اے امیر! میں اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہ جاسکوں گی۔ اس لیے کہ اب میرے اور میرے باپ کے درمیان مذہب کی ایک دیوار ہے۔ میرا باپ نصرانی اور میں مسلمان ہوں۔ فرانس میں جب میں اپنے باپ کے ساتھ داخل ہوئی اور لوگوں کو یہ خبر ہوئی کہ ایک اسقف کی بیٹی مسلمان ہو چکی ہے تو آپ ہی اندازہ کیجیے وہاں میرے باپ کی کیا عزت اور کیا وقار رہ جائے گا۔ لوگ انہیں اپنے اعتماد میں لینے کے قابل نہ سمجھیں گے اور ساتھ ہی ساتھ مجھ سے نفرت بھی کریں گے۔ لہذا اے امیر تیمور! یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہ جاؤں گی۔ اور پھر ایک مسلمان لڑکی کیوں اور کس لیے فرانس جانا چاہے۔

تیمور نے حیرت و فکر مندی میں انجیلینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: اے انجیلینا! تمہارا اپنے باپ کے ساتھ فرانس جانا ضروری بھی ہے اور ایک مجبوری بھی۔ یہاں تم اکیلی کہاں اور کس کے پاس رہو گی۔ ہاں اگر تمہاری ماں ماتھس زندہ ہوتی تو میں یوں تمہارے فرانس جانے پر اصرار نہ کرتا۔ کیوں کہ تم اپنی ماں کے ساتھ اپنی حویلی میں رہ سکتی تھی۔ پر اب تم اکیلی وہاں کیسے رہو گی۔

تیمور کے خاموش ہو جانے پر انجیلینا فوراً بول پڑی: اے امیر! اپنے باپ کے فرانس چلے جانے کے بعد میں نور الدین کے پاس رہوں گی۔ میں ان کی خدمت کروں گی اور پھر اسیری کے ان دنوں میں انہیں پہلے کی نسبت میری زیادہ ضرورت ہے۔ امید ہے کہ آپ میرے نور الدین کے ساتھ رہنے پر کوئی قدغن اور اعتراض کھڑا نہ کریں گے۔ تیمور نے پُر سکون لہجے میں کہا: اے انجیلینا! تم اپنے باپ کے ساتھ فرانس نہیں جانا چاہتی ہو نہ جاؤ مجھے کوئی اعتراض نہیں اور سنو! اسی طرح میں تمہارے نور الدین کے ساتھ رہنے پر بھی کوئی اعتراض نہ کروں گا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں ہر لڑکی کے معاملے میں نور الدین پر کمٹل بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اے انجیلینا! تم نور الدین کے پاس رہ سکتی ہو۔

انجیلینا خوش ہو گئی اور اسی خوشی میں اس نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی پُر اعتماد آواز میں کہا: اے امیر! میں آپ سے نور الدین سے تعلق کچھ گزارشات بھی لے کر آئی ہوں۔

اس لمحہ تیمور نے غور سے انجیلینا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سورج کی روشنی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ پھر جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کا بیٹا شاہ رخ جیسے میں داخل ہوا اور اس سے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

اے میرے باپ! میں نے آج تک آپ سے کچھ نہیں مانگا پر آج میں کچھ مانگنے آیا ہوں اور میں یہ بھی گزارش کروں کہ جس نے کبھی کچھ نہ مانگا ہو جب وہ مانگنے کے لیے آئے تو اسے دھتکار تے نہیں ہیں اور اے میرے باپ! امیر! یہ مانگنا اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ یہ اکثر دلوں کی آواز اور ہم سب کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے۔

تیمور نے شاہ رخ کو تیز نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا: کہو کیا مانگتے ہو تم؟ شاہ رخ نے بغیر کسی توقف کے کہہ دیا: اے میرے باپ! امیر نور الدین کی معافی اور اس کی راہی کا طلب گار بن کر آیا ہوں۔ اے میرے باپ شاید آپ کو یہ بھی یاد ہو گا کہ ہندوستان کی سرزمین میں جب نور الدین اپنے پورے خلوص اور جاں نثاری کے ساتھ آپ کے لیے قلعہ بھٹنیر کو فتح کر رہا تھا تو آپ نے بلند آواز میں پکارتے ہوئے اعلان کیا تھا: اے نور الدین! اگر تُو سات بار بھی میرے خلاف بغاوت و سرکشی کرے تو ساتوں بار میں تمہیں معاف کر دوں گا۔

اے میرے باپ! ابھی تو پہلا ہی موقع آیا ہے اور آپ نے نور الدین کو بیڑا پہنا کر اور امیر بنا کر رکھ دیا ہے اور ابھی تو اس نے بغاوت و سرکشی نہیں کی۔ صرف اپنے ضمیر کی پکار پر اس نے ہمارے ایک سردار کو اس کی ناپسندیدہ حرکت پر قتل کر کے سزا دی ہے۔

اور اے میرے باپ! آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ نے نور الدین کو محتسب بھی مقرر کر رکھا ہے اور ایک محتسب کی حیثیت سے بھی وہ اس جرم کی ایسی سزا دے

سکتا ہے ۔

تیمور نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔ ”تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم سب نورالدین کی رہائی کے پیچھے پڑ گئے ہو ۔ تھوڑی دیر قبل سیف الدین بھی مجھ سے ایسی ہی گفتگو کر کے گیا تھا ۔“ انجیلینا بھی کچھ کہہ رہی تھی اور تم نے بھی آکر یہی کہا ہے اس وقت مجھے تمہنا چھوڑ دو ، نورالدین سے متعلق میں کسی مناسب موقع پر فیصلہ کروں گا ۔ یوحنا ! تم جاؤ اپنے کوچ کی تیاری کرو ، شاہرخ تمہارے لیے ضرورت کی ہر چیز مہیا کر دے گا ۔ تمہارے کوچ سے متعلق میں اسے پہلے ہی بتا چکا ہوں ۔ اب تم لوگ جاؤ ۔ اس پر شاہرخ ، انجیلینا اور یوحنا خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے تھے ۔



سلطان بایزید پیرم کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد اگر تیمور چاہتا تو باسانی یورپ پر حملہ آور ہو کر اپنے اور عالم اسلام کے لیے فائدہ حاصل کر سکتا تھا لیکن اس نے یورپ میں داخل ہونے کی کوشش ہی نہ کی ۔ وہ چاہتا تو بحیرہ اسود کے شمال سے خشکی کے راستے وہ قسطنطنیہ پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے دل میں یورپ کے اندر داخل ہونے کا کوئی دلولہ ہی نہ تھا ۔

سلطان بایزید کی شکست کے بعد وہ ترکوں کے مختلف شہروں پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹا رہا ۔ اس طرح سلطان بایزید کے شہروں سے اس نے کثیر دولت بھی میٹ لی تھی ۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ تک وہ دودر دواز کے شہروں سے خراج وصول کرنے میں مصروف رہا اور نئے ہاتھ آنے والے صوبوں پر وہ اپنے مالی مقرر کرتا رہا ۔ اس دوران سلطان بایزید آہنی پنجرے میں ہی بے بسی کی موت مر گیا اور اس کے بیٹے موسے کو تیمور نے رہا کر دیا ۔

نورالدین نے تیمور کو کھری کھری اور مبنی بر حقیقت باتیں کہی تھیں ۔ شاید ان باتوں اور ان اعتراضات نے تیمور پر اثر کیا تھا ۔ نورالدین نے جو تیمور پر اعتراضات کیے تھے کہ اس نے ہمیشہ مسلمانوں پر قہر و جبر اور خونخواری و خونریزی کی ہے تو شاید تیمور



نے اپنے اس ماغ کو دھونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اس طرح کہ گرفتار ہونے والے ترکوں سے تیمور نے سنا کہ سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کے محاصرے اور پھر اس کو زیر کرنے کے بعد نصرانیوں کے سب سے مضبوط قلعے سمرنا کو فتح کرنے کا ارادہ کیے تھے۔ پس تیمور نے ارادہ کر لیا کہ وہ نصرانیوں کے اس قلعے کو ضرور فتح کرے گا۔

اس کے لشکری جواب تک مختلف گروہوں کی صورت میں ادھر ادھر گھوڑے دوڑاتے ہوئے لوٹ مار کر رہے تھے۔ ان سب کو تیمور نے ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس لوٹ مار کے دوران تاتاری سوار سمندر کے کنارے تک جا پہنچے تھے۔ وہاں انہوں نے قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے شہری گنبدوں کا نظارہ بھی کیا اور ٹرائے شہر کے ان کھنڈرات کو بھی دیکھا جہاں ہیلن دربار لگاتی تھی اور سمندر کے کنارے ٹھکانا بھی تھا۔ سمرنا کا قلعہ جس پر تیمور نے حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ قلعہ سینٹ یوحنا کے سرداروں اور نائٹوں کا قلعہ تھا۔ عیسائی دنیا کے اندر یہ قلعہ ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا اس لیے کہ یہ قلعہ ایک خلیج کے کنارے واقع تھا اور خشکی کی ایک تنگ پٹی اسے سمندر سے ملاتی تھی اور اسی پٹی سے اس قلعے کے محافظوں کو یونان، یورپ اور دیگر یونانی جزیروں سے مدد ملتی رہتی تھی۔

تیمور اپنے لشکر کے ساتھ سمرنا کے قلعے سے باہر خیمہ ہوا اور قلعے کے محافظوں کو اس نے پیغام پہنچا یا کہ وہ سمرنا کا قلعہ اس کے لیے خالی کر دیں۔

قلعے کے محافظوں نے قلعہ تیمور کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر تیمور نے ان کے قلعے کا محاصرہ کیا تو یقیناً اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ دوسری طرف تیمور بھی اس قلعے کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔ لہذا سمرنا کے اس قلعے کو فتح کرنے کا اس نے ایک حیرت انگیز طریقہ اختیار کیا۔

سب سے پہلے تیمور نے پانی کے اندر چوبی ستون کھڑے کیے اور ان چوبی ستونوں پر اس نے موٹے موٹے تختے ڈال دیے تھے۔ قلعے تک جانے کے لیے خلیج کا پانی اس قدر تھا کہ اس میں سے پیدل گزرا جاسکتا تھا اور چوبی ستون کھڑے کر کے ان پر تختے اس لیے

بچھائے گئے تھے تاکہ تیمور کے لشکری ان تختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے اور قلعے کے محافظوں کی تیراندازی سے محفوظ رہتے ہوئے آگے فصیل کی طرف بڑھ سکیں جب قلعے کی فصیل تک سٹون گاڑنے اور تختے ڈالنے کا کام ڈھالوں کی اوٹ میں مکمل کر لیا گیا۔ تب ان تختوں کے نیچے سے گزار کر تیمور نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔

اب قلعے کی فصیل کے پاس جا کر تیمور کے لشکریوں نے دو کام شروع کیے۔ پہلا یہ کہ خشکی کی جو پٹی سمرنا کو سمندر سے ملاتی تھی اس پٹی پر بڑے بڑے پتھر ڈال کر اسے مسدود کرنا شروع کر دیا تاکہ قلعے کے محافظوں کو سمندر کی طرف سے کوئی امداد نہ ملنے پائے۔

دوسرا کام یہ کرنا شروع کیا کہ فصیل کو کھودنا شروع کر دیا تاکہ اس میں بارود بھر کر اسے اڑا دیا جائے۔

یہ دونوں صرت و فتنوں میں مکمل کر لیے گئے تھے۔ جب قلعے کے محافظوں کو یقین ہو گیا کہ تھوڑی دیر تک قلعے کی فصیل کو بارود سے اڑا کر گرا دیا جائے گا اور تاتاری لشکر قلعے کو فتح کر لے گا تو قلعے کے محافظوں نے قلعہ خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سمندر میں ان کی اُن گنت کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ تاتاریوں نے سمندر کی طرف جانے کا جو راستہ پتھروں سے مسدود کر لیا ہے تو وہ ان پتھروں کے اوپر سے گزر کر اور اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگ جائیں گے۔

پس یہ فیصلہ انہوں نے اہل شہر کے سامنے پیش کیا۔ شہریوں میں سے جنہوں نے ان کے اس فیصلے سے اختلاف کیا۔ انہیں انہوں نے قتل کر دیا۔ باقی کو انہوں نے ساتھ لیا اور قلعہ خالی کر کے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔ اس طرح تیمور کسی بڑی محنت کے بغیر قلعہ کو فتح کرنے اور اپنے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سمرنا کی تسخیر کے اگلے روز جزیرہ رھوڈز سے ایک بہت بڑا بحری بیڑا سمرنا کے عیسائی محافظوں کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ رھوڈز کے اس بحری بیڑے کو خبر نہ تھی کہ تیمور نے قلعہ فتح کر لیا ہے اور یہ کہ قلعے کے نصرانی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ جب یہ بحری بیڑہ

ساحل پر لگا تو قلعے کے اندر تیمور کے لشکریوں نے عجیب طرح سے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے ایک مقتول نصرانی سردار کا سر منجھتیق کے اندر رکھا اور کٹا ہوا وہ سر انہوں نے اس منجھتیق کے ذریعے اس بھری بیڑے کے قریب ترین جہاز میں پھینک دیا۔ اس طرح رہوڈز کے بھری بیڑے کو خبر ہو گئی کہ سمرنا کے قلعے پر تاتاری قابض ہو چکے ہیں۔ لہذا وہ اپنے جہازوں کو حرکت میں لائے اور وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ اپنے لشکر کے ساتھ تیمور بھی سمرنا میں ہی مقیم تھا کہ یہاں اس کے پاس انگلستان کے بادشاہ ہنری ششم کا ایک ایچی آیا اور بایزید کے خلاف کامیابی حاصل کرنے پر اپنے بادشاہ کی طرف سے مبارک باد کا پیغام پیش کیا۔ اسقف یوحنا جسے فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کی طرف روانہ کیا گیا تھا وہ بھی واپس آ گیا اور چارلس کا پیغام تیمور کو پیش کیا۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ مینوسل جو سلطان بایزید کے خلاف امداد حاصل کرنے کے لیے یورپ میں دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ سلطان بایزید کے مقابلے میں تیمور کامیاب رہا ہے تو وہ یورپ سے واپس قسطنطنیہ پہنچ گیا اور تیمور کی خدمت میں اطاعت نامہ بھیجنے کے علاوہ اس نے خراج ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

اس کے علاوہ ہسپانیہ کے بادشاہ ہنری سوم کے دو ایچی بھی تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان بایزید کے خلاف انہوں نے کامیابی اور فتح کی مبارکباد دی۔ غرض پورا یورپ ہی سلطان بایزید کی ناکامی اور تیمور کی کامیابی پر خوش تھا۔ اس لیے کہ سلطان بایزید نے تو پورے یورپ کو ایک طوفان کی طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس دوران تیمور کو کچھ حادثات پیش آئے۔ پہلا یہ کہ امیر الامرا سیف الدین

لے ماخوذاز ہیر لڈلیم

لے انگلستان، فرانس، ہسپانیہ، قسطنطنیہ اور دیگر جگہوں سے مبارک باد کے ان پیغامات سے متعلق ولیم ہیر لڈلیم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

مرگیا اور تیمور کو اس کی مرگ کا بے حد دکھ ہوا کہ ہر برس اور اچھے وقت میں اس نے تیمور کا ساتھ دیا تھا اور اسے بہترین مشورے دینے کے علاوہ اس کے ساتھ جنگوں میں بھرپور حصہ بھی لیا تھا۔

دوسرے یہ کہ آتی بوغا جسے تیمور نے ہرات کا والی مقرر کیا تھا وہ بھی مر گیا۔ تیمور نے نہ صرف اس کی موت پر دکھ کا اظہار کیا بلکہ آتی بوغا کے دونوں بیٹوں کو اپنے لشکر میں شامل کرنے کا حکم جاری کیا۔

اس کے علاوہ تیمور کو احساس ہو چکا تھا کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے لہذا اس نے کچھ انتظامی فیصلے بھی کیے تھے۔ اس نے شہزادہ محمد سلطان کو اپنا ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنے سارے پوتوں میں سے تیمور محمد سلطان کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ اس کے علاوہ تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رخ کو خراسان کا ایک خود مختار حکمران بھی مقرر کیا۔

اس کے علاوہ میں سمرنا میں قیام کے دوران تیمور کو ایک انتہائی بڑی اور جان لیوا خبر بھی ملی۔ سلطان سے ایک قاصد آیا۔ جس نے اطلاع دی کہ شہزادہ محمد سلطان ندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ یہ خبر سن کر تیمور بوکھلا سا گیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے فوراً سمرنا سے سلطانہ کی طرف کوچ کیا۔

تیمور جب سلطانہ پہنچا تو محمد سلطان واقعی مر رہا تھا۔ انقرہ کی جنگ جو اسے زخم آئے تھے۔ وہ مندمل نہ ہوئے۔ اور شہزادہ محمد کی جان لے کر رہے۔ تیمور کے لیے یہ غم ناقابل برداشت تھا۔ وہ بڑے صبر کے ساتھ شہزادہ محمد سلطان کی ماں خانزادہ کو بین کرتے اور محمد سلطان کے بچوں کو روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ تیمور نے ایک قاصد کو ہندوستان کی طرف روانہ کیا اور شہزادہ بہر محمد کو اس کے بھائی محمد سلطان کی موت کی اطلاع کر دی۔ خود تیمور نے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف کوچ کیا اور جس وقت لشکر سمرقند میں داخل ہو رہا تھا اس وقت لشکر کے اندر شہزادہ محمد سلطان کی مرگ پر لشکر کے اندر سوگ کے سیاہ پرچم بلند تھے۔

لے سمرقند کی ماحمی کیفیت اور سیاہ پرچموں کا ذکر ہیر لڈلیم اپنی کتاب "TEMERLAN"

محمد سلطان کے مرنے کی خبر سمرقند بھی پہنچ چکی تھی۔ لہذا فتوحات حاصل کرنے کے باوجود لشکر کا استقبال نہ کیا گیا اور سمرقند شہر میں اس وقت گھور شب رنگ جیسی خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا لشکر کسی شہر میں نہیں ماتم سرانے میں داخل ہو رہا ہو

○

تیمور نے نور الدین کو اس کی حویلی میں نظر بند کر کے اس پر پہرہ بٹھا دیا تھا۔ نور الدین کی خوراک اور دیگر ضروریات کی ساری ذمہ داریاں انجیلینا پوری کر رہی تھی۔ ایک روز نور الدین سے ملنے کے لیے انجیلینا جب اس کی حویلی کی طرف گئی۔ اس نے دیکھا حویلی میں ایک معمر خاتون داخل ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک دُبلّا چلا نوجوان تھا جو لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اس نے جگکی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے سر پر آہنی خود تھا جس کا نقاب اس نے اپنے چہرے پر گرا رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ پہچانا نہ جاسکتا تھا۔ انجیلینا بڑی تیزی کے ساتھ ان دونوں کے پیچھے پیچھے ہوئی۔ جب وہ معمر عورت اور دُبلّا چلا نوجوان آگے بڑھے تو نور الدین کی نگرانی پر مقرر محافظوں نے انہیں روکا اور ان میں سے ایک نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کون ہو؟ اور کیوں اس حویلی میں داخل ہوئے ہو۔“
اس معمر عورت نے کہا۔ ”ہم دونوں ماں بیٹا ہیں۔ میرا یہ بیٹا لنگڑا ہونے کے علاوہ گونگا اور بہرہ بھی ہے۔ اس لیے اپنے ان عیوب کو چھپانے کے لیے یہ ہمہ وقت اپنے سر پر خود رکھ کر اس کا نقاب اپنے چہرے پر گرائے رکھتا ہے۔ امیر نور الدین ہمارے دشمن ہیں اور ہم دونوں ان کے لیے کھلنے پینے کی اشیاء لائے ہیں۔“

اس پہرے دار نے حکماً نہ انداز میں اس بڑھیا سے پوچھا۔ ”یہ جو تونے اپنے ہاتھ میں پوٹلی تھام رکھی ہے۔ اس میں کیا ہے؟“
بڑھیا نے بڑی عاجزی و انکساری کے عالم میں کہا۔ ”میں پہلے عرض تو کر چکی

ہوں کہ ہم امیر نور الدین کے لیے کھانے کی اشیاء لائے ہیں۔“
اس سپاہی نے پھر ڈانٹ دینے کے انداز میں کہا۔ ”اس پوٹلی کو کھول کر دکھاؤ۔“
بڑھیا نے فوراً زمین پر رکھ کر وہ پوٹلی کھول دی۔ ان محافظوں نے دیکھا اس پوٹلی کے اندر تازہ اور گرم گرم کھانوں کے علاوہ مختلف انواع کے خشک اور تازہ پھل بھی تھے۔

اس بار ایک دوسرے سپاہی نے اس بڑھیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر ہم تم دونوں ماں بیٹا کو امیر نور الدین سے نہ ملنے دیں تب؟“
اس بڑھیا نے پہلے اپنی پوٹلی دوبارہ باندھ کر سنبھالی۔ پھر اس نے ان محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم ہم دونوں ماں بیٹا کو امیر نور الدین کے پاس جانے سے ہرگز نہیں روک سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس بڑھیا نے اپنے لباس کے اندر سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور ایک محافظ کو قہماتے ہوئے اس نے کہا۔
”ہم دونوں ماں بیٹا باقاعدہ امیر تیمور سے اجازت نامہ لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں امیر نور الدین سے ملنے کا یہ حکم نامہ جاری کیا ہے۔ پہلے اس حکم نامے کو غور سے پڑھو، پھر اپنا فیصلہ دو کہ کیا تم لوگ ہم دونوں کو امیر نور الدین سے ملنے دو گے یا نہیں۔“

ان محافظوں نے پہلے وہ تحریر پڑھی پھر ان کے سرخیل نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ ”اے خاتون! ہماری اتنی مجال کہاں کہ ہم تم دونوں کو روک سکیں۔ تم دونوں ماں بیٹا بلا جھجک امیر نور الدین سے مل سکتے ہو۔ میرا ایک سپاہی تم دونوں کو امیر نور الدین کے کمرے تک چھوڑ کر آتا ہے۔“

اپنے سرخیل کے اشارے پر ایک محافظ ان دونوں ماں بیٹے کے ساتھ ہو لیا تھا اس محافظ نے ان دونوں کو نور الدین کے کمرے کی اس کھڑکی کے پاس لاکھڑا کیا تھا۔ جس میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ انجیلینا بھی ان کے ساتھ تھی اور ان دونوں ماں بیٹے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

نور الدین اس وقت اپنے کمرے میں سہری پر دراز تھا۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کی اس کیفیت کا اندازہ اینجیلینا نے بھی لگا لیا تھا۔ پھر اس معمر خاتون نے معاف اور اینجیلینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ہم تنہائی اور خلیے میں امیر نور الدین سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔

وہ معاف تو اسی وقت وہاں سے چلا گیا پر اینجیلینا وہیں کھڑی رہی تھی اور ان دونوں کو تعجب اور شکوک ملے چلے انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔

اس پر اس بڑھیا نے اینجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اینجیلینا! اے بنت یوحنا! کیا آپ بھی تھوڑی دیر کے لیے یہاں سے چلی نہ جائیں گی کہ ہم کھل کر امیر نور الدین سے بات کر سکیں؟

اینجیلینا نے ایک طرح سے حیرت آمیز انداز میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں اور کس طرح مجھے پہچانتی ہیں۔ خدا کے لیے بتائیے آپ کون ہیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں اور امیر نور الدین سے آپ کا کیا تعلق ہے؟

اس بڑھیا نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: ”اسقف یوحنا کی بیٹی اینجیلینا کو کون نہیں جانتا جس کے امیر نور الدین کے ساتھ شادی سے انکار کے پرچے سمرقند کی ہر زبان اور کوچے کوچے میں رہے ہیں۔ اور اے میری بیٹی! رہا تمہارا یہ سوال کہ میں کون ہوں، تو اس کے لیے میں سمجھتی ہوں تمہارے لیے اس قدر ہی جان لینا کافی ہے کہ امیر نور الدین ہم دونوں ماں بیٹے کے ایک عرصہ سے محسن و مالک چلے آ رہے ہیں پس ہم دونوں اپنے محسن و مالک سے ملنے آئے ہیں اور تنہائی چاہتے ہیں۔ اینجیلینا نے اس بار نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اے امیر! میں جاؤں۔“

نور الدین منہ سے تو کچھ نہ بولا، تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلادی تھی۔ اس پر اینجیلینا کے چہرے پر ایک الم انگیزی اور ہجوان خیزی سی طاری ہو کر رہ گئی۔

تھی۔ تاہم وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی اور حویلی کے بیرونی حصے میں وہ معافوں سے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور اجنبی ماں بیٹے کے جانے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

اینجیلینا کو کافی دیر تک وہاں انتظار کرنا پڑا تھا اس کے بعد کہیں جا کر وہ دونوں ماں بیٹا حویلی کے اندرونی حصے سے نکلے۔ بڑھیا نے معافوں اور اینجیلینا کا شکریہ ادا کیا پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد اینجیلینا فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہ حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوئی اور نور الدین کے کمرے کی کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ اینجیلینا نے دیکھا، نور الدین کچھ اس انداز میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا جیسے وہ اسی کا انتظار کر رہا ہو۔

اینجیلینا کو دیکھتے ہی نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا: ”اے اینجیلینا! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ ان دونوں ماں بیٹے کے جانے کے بعد تم ضرور آؤ گی۔“

اس موقع پر اینجیلینا نے درو کا غبار اور اندیشوں کی دھول اڑاتی ہوئی اپنی آواز میں کہا: ”اے امیر! آپ نے ان دونوں ماں بیٹے کے سامنے مجھے کیسا خفیف اور ہلکا کر کے رکھ دیا تھا۔ انہوں نے میرے چلے جانے کی خواہش کا اظہار کیا اور آپ نے بھی فوراً اثبات میں سر ہلا کر اس کی تائید کر دی تھی۔“

اینجیلینا دروازے کی پھر شکووں سے بھر پور اس نے تقریباً روتی ہوئی آواز میں پوچھا: ”اے امیر! بس آپ کے دل میں میری اس قدر ہی اہمیت ہے کہ اجنبیوں کے سامنے آپ نے مجھے سبکدار اور کم قیمت بنا کر رکھ دیا ہے۔“

نور الدین نے پھر مسکراتے ہوئے کہا: ”اے اینجیلینا! یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کس قدر بڑائی اور اپنائیت ہے اور پھر اے اینجیلینا! وہ دونوں اجنبی نہیں ہیں۔ برسوں سے میرے جلنے والے اور میرے غم گسار ہیں۔“

اے اینجیلینا! کیا تمہارے دل میں میرے لیے اس قدر ہی ہمدردی اور عزت ہے کہ میں تمہیں جانے کو کہوں اور تم برا مان جاؤ؟

نور الدین کے ان الفاظ نے اینجیلینا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی ساری آزر دگی اور ناراضی اور ساری ناخوشی و غصہ جاتا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کائنات کی ساری رونقیں اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی کہکشاںیں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس کے لرزیدہ ہونٹوں پر پراس وقت ہماروں کی ساری مستیاں رقص کناں ہو گئی تھیں اور اس نے اپنی ساری حلاوت اپنی ساری مٹھاس کو اپنی آواز میں گھولتے ہوئے ندی کے پُرکشش ترنم جیسی آواز میں کہا۔ ”اے امیر! میں کیونکر آپ کی کسی بات کا برا مان سکتی ہوں اگر وہ دونوں ماں بیٹا آپ کو عزیز ہیں تو آج کے بعد آپ کی نسبت اور آپ کے حوالے سے وہ مجھے بھی عزیز تر ہیں۔“

صرف یہی نہیں اے امیر! بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ ہر وہ چیز جو آپ کو عزیز ہے وہ میرے لیے بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ میں تو آپ سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ آج میں آپ کے لیے کھانے میں کیا لاؤں؟

نور الدین نے کہا۔ ”وہ دونوں ماں بیٹا میرے لیے کھانا لائے تھے اور اپنی موجودگی میں مجھے کھانا کھلا کر گئے ہیں۔ اے اینجیلینا! اب تم میرے لیے دوپہر کے کھانے کی زحمت نہ کیا کرو کیونکہ میرا دوپہر کا کھانا وہ دونوں ماں بیٹا لے کر آیا کریں گے۔ وہ تو تینوں وقت کے کھانے کا اصرار کر رہے تھے پر میں نہیں مانا۔ میں نے انہیں صاف بتا دیا کہ میرے لیے کھانے کا انتظام اینجیلینا کرتی ہے۔ لہذا میں تم ماں بیٹے کی طرف سے تینوں وقت کا کھانا قبول نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر میں نے ایسا کیا تو اینجیلینا ناراض ہو جائے گی اور میں کسی بھی صورت میں اینجیلینا کو ناراض نہیں کر سکتا کہ وہ میرے محنوں اور غم گساروں میں سرفہرست ہے۔“

نور الدین سے ایسے الفاظ سن کر وہ اپنی ذات میں یوں محسوس کر رہی تھی گویا نور الدین کے لیے وہ دنیا کی واحد قرار آفریں بستی ہو۔ اس کے لبوں پر فاختاؤں

کے مبلے ملائم پروں جیسی نرم اور دھیبے دھیرے بڑھنے والی ہنسی تھی اور اس کے چہرے پر جوش بہاؤں جیسی ایک لاشعوری کیفیت پھیل بکھر گئی تھی۔ اس کی حالت سے ایسا لگتا تھا گویا اس کے سارے چاک دامان و نظر سل گئے ہوں اور نور کا منہج اس کی آنکھوں کے اندر چاہتوں کے آن گنت چاند طلوع ہو گئے ہوں۔ تھوڑی دیر تک اور وہ وہاں کھڑی ہو کر نور الدین سے باتیں کرتی رہی پھر وہ واپس چلی گئی تھی۔

○

اینجیلینا اسی طرح جانفشانی کے ساتھ نور الدین کی خدمت کرتی رہی۔ دن گزرتے چلے گئے۔ تیمور کے حکم پر نور الدین کی بیڑیاں اُتار دی گئی تھیں۔ پھر دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ وہ دونوں ماں بیٹا بڑی باقاعدگی کے ساتھ نور الدین کے پاس آتے رہے اور اسے دوپہر کا کھانا کھلاتے رہے۔

اسی طرح ایک روز سہ پہر کے بعد نور الدین اپنے کمرے میں لیٹ کر آرام کر رہا تھا کہ محافظوں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور بڑی عقیدت کے ساتھ ان میں سے ایک نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! آپ ہمارے ساتھ چلیے آپ کو آقا تیمور نے طلب کیا ہے۔“

نور الدین فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور انی محافظوں کو مخاطب کر کے اس نے پوچھا۔ ”کیا میری قیمت کے فیصلے کا وقت آگیا ہے جو آقا تیمور نے مجھے طلب کیا ہے۔“ ان محافظوں میں سے ایک نے پھر پاس احترام کا پورا پورا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! ہم نہیں جانتے آپ کو کیوں طلب کیا گیا ہے پر آقا تیمور اس وقت اپنے کمرہ خاص میں اکیلے ہیں اور آپ کے منتظر ہیں۔“ نور الدین چُپ چاپ ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔

وہ محافظ جب نور الدین کو تیمور کے کمرے کے پاس لائے تو وہاں کھڑے تیمور کے ایک محافظ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم سب داخل ہو۔ امیر نور الدین اسی آزادی اور اپنی خواہش و مرضی کے مطابق آقا تیمور کے

جائیں گے جس طرح وہ ماضی میں جاتے رہے ہیں۔“

وہ محافظ جو نور الدین کو لے کر آئے تھے وہیں سے واپس چلے گئے تھے۔ جب کہ نور الدین نے ایک بار ادھر ادھر نگاہ دوڑائی پھر وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

نور الدین جب تیمور کے اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا تیمور اپنے اس کمرے میں دبیز قالینوں پر اور گدوں پر بچھائی ہوئی چادروں پر تکیوں کے سہارے اکبلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے نور الدین کی وہ چرمی پیٹی رکھی ہوئی تھی جوتا ماری سردار کو قتل کرنے کے بعد اس سے لے لی گئی تھی اور نور الدین کی اس پیٹی میں اس کی تلوار اور خنجر بھی لگے ہوئے تھے۔

نور الدین کو دیکھتے ہی تیمور کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے اپنے بائیں جانب ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”اؤ نور الدین! میرے قریب آکر بیٹھو۔“ نور الدین آگے بڑھا اور تیمور کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

تیمور نے پھر کہا۔ ”اے نور الدین! میرے عزیز! میں نے تمہیں کھڑے ہونے کو نہیں اپنے قریب بیٹھنے کو کہا ہے۔“

نور الدین نے اس موقع پر ملول، مضطرب اور سگسکتی ہوئی سی آواز میں تیمور کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے آقا! اگر مجھے ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے تو پھر بیٹھنے کے بجائے ایک مجرم کی طرح آپ کے سامنے کھڑا رہنا زیادہ پسند کروں گا۔“

نور الدین کے ان الفاظ پر تیمور گویا پھل کر رہ گیا تھا۔ اس کی حالت غم دہر کی ”پچھٹ، شبِ ہجر کے زہر، دوپہر کی لو، آسیب زدہ فضا، موت کے سایوں کے ہجوم اور مٹالے اندھیروں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ آگے بڑھ کر اس نے نور الدین کو گلے لگایا۔ اس کی پیشانی چومی اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اے نور الدین! تم نہ مجرم ہو، نہ اجنبی۔ بخدا تم تو مجھے اپنے

بیٹوں جیسے عزیز ہو۔“

اے نور الدین! تم جانتے ہو جس طرح کے الفاظ اور جس طرح کے اعتراضات تو نے انقرہ کے میدانوں میں جشن کے موقع پر میرے خلاف کہے تھے میں ایسے الفاظ سننے کا عادی نہیں ہوں۔ یہ باتیں مجھ سے اگر کسی اور نے کہی ہوتیں تو شاید اب تک میں اس کی گردن کاٹ چکا ہوتا لیکن اے نور الدین تمہارا معاملہ اور ہے۔ میں تمہیں اسی وقت معاف کر دیتا تھا اور اتنا عرصہ تمہیں بمبر یوں اور نظر بندی میں اس لیے رکھا گیا۔ ہے کہ ایسا کرنے کے لیے میرے پاس دود و جہالت تھیں۔

پہلی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تم انتہائی غصے اور غضب کی حالت میں تھے اور میرے خلاف تم کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے تھے۔ دوسری وجہ تمہیں اتنا عرصہ نظر بند رکھنے کے لیے یہ تھی تاکہ دوسرے سردار اور سالار اس سے عبرت پکڑیں اور تمہارے جیسا رویہ اختیار نہ کریں۔ انہیں احساس ہو کہ ایسی گفتگو کرنے پر اگر نور الدین جیسے ہر دلعزیز اور صفتِ اول کے سالار کے ساتھ ایسا سلوک ہو سکتا ہے تو ان کی تو گردن کافی بجا سکتی ہے۔

اے نور الدین! مجھے اُمید ہے کہ میرے معاملے میں اب تمہارا غصہ فرو ہو چکا ہوگا۔ اے نور الدین! اس دوران میں دکھ، غم اور نقصان اٹھا چکا ہوں۔ میرا قدیمی اور مخلص دوست سیف الدین مرگیا۔ آق بونا کو ہرات میں موت نکل گئی۔ میرا پوتا محمد سلطان جسے میں اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کر چکا تھا زندگی کی مصائب ہار گیا۔ اس کے علاوہ تمہارے لشکر میں تمہارے ماتحت کام کرنے والا میرا بہترین سردار جاگو برلاس بھی موت سے بغل گیر ہو چکا ہے۔

اے نور الدین! میں تسلیم کرتا ہوں کہ انقرہ کے میدانوں میں جشن کے دوران سب لوگوں کے سامنے تو نے جو مجھے باتیں کہی تھیں وہ سب سچ تھیں۔ میں نے بغداد، دمشق، حلب اور دیگر کئی اسلامی شہروں کو اجاڑا اور وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ میں نے مسلمانوں کی عظمت کا اظہار کرنے والی مسجدوں اور یوانوں میں آگ لگائی۔ آہ

میں نے عالم اسلام کو آگ اور خون کے سوا کچھ نہ دیا۔ میں نے اپنے ہی بھائیوں کے شہر و
میں لہو کی لکیروں کی داستانیں ادا اپنے ہی بھائیوں کو بے ہنر و در ماندہ کیا۔ میں نے
لاکھوں مسلمانوں کو جنگ کا ایندھن، طوفانی حوادث کا شکار اور موت کا اسیر بنا کر رکھا
میں نے وقت کی رفتار میں تاریخ کے اوراق پر خون کے دھبوں کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ میں
نے اُن گنت شہروں کو نذر آتش کیا۔ میں نے بے شمار کھیت، بھراؤ و بستیاں دیران
کر دیں۔ آہ نور الدین مجھے اپنے انسانیت کو بھلس دینے والے کردار کا احساس کا
ہو چکا ہے۔

اے نور الدین! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں عالم اسلام کے لیے آنسوؤں کا چراغ
صحرائے آرزو کا سراب، طلب کی اندھی لگن اور تخریب کی قوت ہی ثابت ہوا۔ اے
نور الدین! کاش بغداد و دمشق کو تہ و بالا کرنے کے بجائے میں نے شاخ زریں کو
عبور کر کے یورپ کا رخ کیا ہوتا اور ان صلیبوں کا سر کھٹا جو بایزید کے خلاف برہر
پیکار ہوتے رہے۔

کاش میں نے حلب و سیواس میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہانے کے
بجائے ماسکو کا رخ کیا ہوتا۔ وہاں کی حکومت کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرتا
تاکہ آنے والے دور میں ماسکو کے مقابلے میں سائبیریا اور اس کے اطراف کی مسلمان
ریاستیں زیادہ پُر قوت اور طاقتور ہو کر دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوتیں۔

آہ! میں ظلمات کے اس سفر میں تباہ کن سیلاب اور جنگلی سانڈ کی صورت
میں انہوں ہی سے ٹکراتا رہا۔ کاش اپنی دنیا سنوارنے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی
آخرت کی کھیتی کے لیے بھی کچھ کام کیا ہوتا۔ اے نور الدین! میری آنکھیں کھلی بھی
تو اس وقت جب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔

فراڈک کر تیمور نے پوچھا۔ "اے نور الدین! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تو میرے اس
سارے رویے کو فراموش کر کے مجھے معاف کر چکا ہے۔"

تیمور کی اس گفتگو پر نور الدین بے چارہ تڑپ اٹھا تھا۔ لہذا اس نے بڑی

انکساری میں کہا۔ "اے آقا! اب جب کہ آپ کے سینے میں احساس کی ایک آگ بھڑک
اُٹھی ہے تو میں کیونکر آپ سے ناراض رہوں گا۔ اے آقا! میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ آپ جس غیر مسلم قوت کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کریں گے۔ آپ دیکھیں گے
کہ نور الدین اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے جہاد کی اس داستان کو خوشنما بنا کر رکھ دے
گا۔ اے آقا! آپ دیکھیں گے نور الدین ہر اسلام دشمن قوت کے خلاف ریت کے
گولوں، آندھیوں کے طوفان اور صدیوں کے غبار کی طرح حرکت میں آئے گا۔ اے
آقا! اگر آپ کسی ایسی قوت کے خلاف جہاد کرنے کا عزم کر چکے ہیں تو بخدا یہ ان ترکاڑوں
کا بہترین خیمانہ ہوگا۔ جو ہم ماضی میں عالم اسلام کے اندر کرتے رہے ہیں۔"

نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور پھر کہہ رہا تھا۔ "اے نور الدین! سنو میں
ارادہ کر چکا ہوں کہ میں خطا کی سرزمینوں کا رخ کروں گا اور ان غیر مسلم قوتوں کو کچل دوں گا۔
جو ماضی میں یا جوج ماجوج کی طرح نمودار ہو کر عالم اسلام کو مٹی و دل کی طرح چاٹتی رہی
میں۔ میں عنقریب اس مہم پر روانہ ہوں گا اور اے اے نور الدین! میں تمہیں اپنے
عساکر کا سالار اعلیٰ مقرر کرتا ہوں۔"

تم جانتے ہو، شاہ رخ اس وقت خراسان میں ہے۔ پیر محمد ہندوستان میں
اور محمد سلطان مٹی میں دفن ہو چکا ہے۔ سیف الدین سے میں محروم ہو چکا ہوں اور
آق بوغا اپنا سفر آخرت طے کر چکا ہے۔ اب صرف تم ہی میرے پاس ہو جس پر مکمل
طور پر میں بھروسہ اور اعتماد کر سکتا ہوں۔

اے نور الدین! تم آج سے ہی تیاریاں شروع کر دو۔ میں اب کسی بھی قوت
خطا کی طرف کوچ کر سکتا ہوں۔"

نور الدین نے چھاتی تلنتے اور سمندر کی طرح سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ
بے فکر رہیں آقا! نور الدین کو آپ ہمہ وقت کوچ کے لیے تیار پائیں گے۔"

تیمور، نور الدین کے اس جذبے پر خوش ہو گیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اے
نور الدین! میں جانتا ہوں تم آندھیوں اور زلزلوں، آہوں کے سفینوں اور موت کی

شکار گاہوں کے اندر بھی مسکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ پر اے نور الدین خطا کی اس مہم پر روانگی سے قبل میری خواہش ہے کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ اے نور الدین! میں اپنی زندگی میں ہی تمہاری حویلی کے آنگن میں تمہاری بیوی اور بچوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اے نور الدین! میں جانتا ہوں انجیلینا کی تمہارے ساتھ محبت اب دیوانگی کی حدوں کو چھو چکی ہے۔ تم نے اگر اس سے شادی نہ کی تو وہ ایک لونڈی کی حیثیت سے بھی تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنے اور تمہاری خدمت کرنے پر کمر بستہ ہے۔

تمہارے آنے سے تھوڑی دیر قبل یوحنا اور انجیلینا دونوں ہی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ نور الدین کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کرنے کے لیے میں نے نور الدین کو بلایا ہے تو وہ دونوں باپ بیٹی بے انتہا خوش ہوئے تھے۔ اے نور الدین! وہ دونوں باپ بیٹی ابھی گھر واپس نہیں گئے۔ باہر محل کے باہر احاطے میں یا باغ میں ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ دونوں یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ میں نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ میں ابھی کچھ نہ کہوں گا۔ نور الدین کے آنے پر سب معاملات صاف ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ دونوں باپ بیٹی یہیں کہیں رُک کر تمہاری اور میری اس گفتگو کا انجام جاننے کی کوشش کریں گے۔ نور الدین! اب جب کہ انجیلینا تم سے خلوص دل کے ساتھ معافی بھی مانگ چکی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ لہذا وہ ہر ایک سے بڑھ کر تمہاری حق دار ہے۔ لہذا میں خطا کی اس مہم پر روانگی سے قبل تمہاری حویلی کے آنگن میں بہارا اور رونق دیکھنا چاہتا ہوں۔

اے میرے عزیز! میں چاہتا ہوں کہ خطا کی مہم پر روانگی سے قبل تم انجیلینا سے شادی کر لو اور پھر وہ تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے ساتھ خطا کی مہم میں شامل ہو۔ اب بولو نور الدین! تم اس معاملے میں کیا کہتے ہو۔

تھوڑی دیر تک نور الدین نے اپنی گردن جھکائے رکھی پھر اس نے مدھم سی آواز میں کہا۔ ”اے آقا! جو کچھ میں آپ سے کہنے والا ہوں شاید یہ آپ کے لیے تعجب

خیز اور دُکھ کا باعث بھی ہو۔ اے آقا! میں شادی کر چکا ہوں۔ میری بیوی اسی سمرقند شہر کی رہنے والی ہے اور اب تو اس سے میرا ایک بیٹا ہے جن کا نام عمار الدین ہے اور یہی نام میرے باپ کا بھی تھا۔

تیمور نے چونکتے ہوئے اور تقریباً اچھل کر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔ ”تم نے شادی بھی کر لی۔ تمہاری بیوی سمرقند شہر میں ہی رہتی ہے۔ تمہارا بیٹا بھی ہو گیا اور مجھے یعنی تیمور کو خبر تک نہیں ہے۔ اے نور الدین! تو نے کب شادی کی تمہاری بیوی کون ہے، وہ کہاں رہتی ہے؟

نور الدین نے اس بار گردن سیدھی کی اور کہا۔ ”اے آقا! میں نے سلطان بایزید کی مہم پر روانگی سے قبل شادی کر لی تھی اب تو میرا بیٹا چلنے پھرنے بھی لگا ہے۔ میری بیوی ایک غریب گناہ لڑکی ہے۔ وہ کون ہے کہاں رہتی ہے یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ اس بار تیمور نے زور دے کر پوچھا۔ ”پر تم نے اسے چھپا کیوں رکھا ہے۔ اسے تم اپنے ساتھ اپنی حویلی میں کیوں نہیں رکھتے اور تم نے گناہ طریقے سے شادی کیوں کی۔ مجھے اس میں شامل کیوں نہیں کیا؟“

نور الدین نے مدھم اور نرم آواز میں کہا۔ ”اے آقا! یہ سارے کام میں نے ایک دُوراندیشی کے تحت کیے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں آپ کے ان سارے سوالوں کے جواب کا ابھی وقت نہیں آیا۔ پر ساتھ ہی ساتھ میں آپ سے یہ وعدہ بھی کرتا ہوں کہ خطا کی اس مہم کے بعد میں تفصیل کے ساتھ آپ کو ان سوالات کا جواب دوں گا بلکہ میں اپنی بیوی اور اپنے بیٹے دونوں کو آپ کے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اب آپ اس سے متعلق مزید جاننے پر زور نہ دیں گے۔

اے آقا! میں انجیلینا کی حالت سے بھی بے خبر نہیں ہوں اور آپ کو یقین دلانا ہوں کہ اس کے ساتھ بھی انصاف ہی کروں گا۔

تیمور چند ثانیوں تک گردن جھکائے سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اے نور الدین! خطا کی یہ مہم ہماری گزشتہ ساری مہموں سے مختلف ہوگی۔ پہلی جنگوں میں میرا بیٹا شاہ رخ

اور میرے پوتے میرے ہمراہ ہوا کرتے تھے لیکن اس بار شاہ رخ خراسان میں پیر محمد ہندوستان میں اور محمد سلطان تو ہمیشہ کے لیے ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ رہا حلیل تو میری لگا ہوں میں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ حالانکہ اس کی ماں اس کو شش میں ہے کہ میں خلیل کو ہی اپنا ولی عہد مقرر کر لوں جب کہ ایسا ناممکن ہے۔

اے نور الدین! اپنے سارے بیٹوں میں سے مجھے سب سے زیادہ محبت جہانگیر سے تھی اور اس کے بعد شاہ رخ سے ہے۔ میں نے جہانگیر کو ہی اپنا ولی عہد بنانے کا عزم کیا تھا اور موت نے اسے مجھ سے چھین لیا۔

جہانگیر کے بعد میں نے اس کے بیٹے محمد سلطان کو اپنا ولی عہد بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ پر موت نے اُسے بھی مجھ سے چھین لیا۔ اے نور الدین! اب تم ہی میرے دست راست ہو۔ لہذا میں خطا کی اس مہم پر کوچ کرنے سے قبل تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد پیر محمد میرا جانشین ہوگا۔ میرے اس فیصلے کو ابھی عام نہ کرنا۔ ورنہ کئی غلط فہمیاں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ لہذا یہ فیصلہ فی الحال میرے اور تمہارے درمیان ایک راز کی حیثیت سے مخفی رہے گا۔

نور الدین نے پُر عزم آواز میں کہا۔ اے آقا! آپ بے فکر رہیں۔ جب تک آپ چاہیں گے آپ کا یہ فیصلہ میرے اور آپ کے درمیان ایک راز ہی بن کر رہیگا۔ نور الدین کے خاموش ہونے پر تیمور نے کہا۔ اے میرے عزیز! تو پھر جاؤ اور خطا کی مہم کے لیے اپنی تیاریاں شروع کر دو۔ گو آج کل بربادی اپنے عروج پر ہے، پر اس کی پرواہ کیے بغیر ہم چند ہی یوم میں یہاں سے خطا کی طرف کوچ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

تیمور سے ملنے کے بعد نور الدین کو اپنی حویلی کے کمرے میں آکر بیٹھے کچھ بہت زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ انجیلینا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ نور الدین کے لیے کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھی۔ فرش پر اس نے چادر پھائی اور نور الدین کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ اے امیر! آئیے کھانا کھائیے۔

نور الدین نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ بس خاموشی سے اٹھ کھڑا فرش پر بیٹھی چادر پر بیٹھ گیا تھا۔ انجیلینا بھی وہاں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ غور سے نور الدین کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ اے امیر! مجھے آپ کے ایک انکشاف سے دکھ بھی ہوا ہے اور آپ کے ایک عزم سے خوشی بھی ہوئی ہے۔ اور اے امیر! کاش۔۔۔۔۔

نور الدین نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھ لیا۔ اے انجیلینا! تم کس انکشاف کس عزم، کیسی خوشی اور کیسے دکھ کی بات کر رہی ہو؟

نور الدین کے اس استفسار پر انجیلینا خستہ و رماندہ سی آواز میں بولی۔

اے امیر! میں اور میرے بابا ابھی ابھی امیر تیمور سے مل کر آئے ہیں۔ میں خوش ہوں کہ انہوں نے آپ کے ساتھ سمجھوتہ کر کے آپ کی امیری کا خاتمہ کر دیا ہے۔ آپ اور امیر تیمور کے درمیان وہاں جو گفتگو ہوئی امیر تیمور نے اس سے بھی مجھے آگاہ کر دیا ہے۔ اے امیر! آپ کے اس انکشاف پر مجھے انتہائی دکھ ہوا کہ آپ سلطان بایزید کے خلاف مہم پر جانے سے قبل ہی شادی کر چکے ہیں اور یہ کہ آپ کا ایک بیٹا بھی ہے جو چلتا پھرتا ہے۔

اے امیر! کیا میں اس قابل نہ تھی کہ آپ مجھ سے اپنی اس شادی کا ذکر کرتے بخدا میں بخوشی آپ کی شادی میں شرکت کرتی۔ میں نے اربہ کے لیے کچھ زیورات بھی بنا رکھے تھے اور یہ ٹھان رکھی تھی کہ جب آپ کی اس سے شادی ہوگی تو وہ زیورات میں خود اپنے ہاتھوں سے اسے پہناؤں گی لیکن آپ نے چوری چھپے اس سے شادی کر لی۔

اور اے امیر! اس پر مزید ظلم آپ نے یہ کیا کہ آپ نے اپنی بیوی اور اپنے بچے دونوں کو گوشہ گنہامی میں ڈال رکھا ہے۔ انہیں اپنی حویلی تک میں نہ لائے۔ اے امیر! آپ کو چاہئے سے قبل میری ذات تو ایک بے لگام گھمنڈ جیسی تھی۔ گو شروع میں آپ کو میں ٹھکرا چکی تھی۔ جب آپ نے رزم و الم کی داستانوں میں آپ کو دلیر و جنگ دروان ثابت کیا تو آپ سے میری محبت بے دھڑک اور بے تحاشہ ہو گئی۔ آپ کی محبت

ہی نے مجھے ایک آئینہ دار حقیقت اور پیکر وفا و محبت میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ آپ کی محبت نے ہی میری سانسوں میں ہلک اور میرے دل کی پنائیوں میں حکایاتِ شبنم کی سی اُمیدیں بھر کر رکھ دی تھیں۔ اے امیر! میں نے تو اپنی تقدیر کی لحوں تک کو آپ کے نام منسوب کر کے رکھ دیا تھا۔

پر آپ نے یہ کیا کر دیا۔ مجھے اعتبار کے قابل تک نہ جانا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اریہ کے ساتھ آپ کی شادی پر مجھے دکھ اور غم ہوتا اور میں اس شادی کو ٹالنے کا جثا بنتی۔ نہیں، بخدا ہرگز نہیں۔ اریہ کو تو میں نے اپنے دل میں بہنوں جیسا عزیز و محترم بنا لیا تھا۔ آپ نے مجھ پر تلخ حقیقتوں کے انبار ڈال دیئے ہیں۔ آپ کی ذات سے نسبت کی بنا پر میں اپنے آپ کو منفرد تصور کرنے لگی تھی لیکن آپ نے میری ساری ہنرمندی سارے ذوقِ جمال اور میری ساری وفا کی آنچ کو مٹی کے ڈھیر میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ اے امیر! اس بے حس کائنات میں میری زندگی کو بے تاب انگوں کے جنوں دھواں دھواں اندھیری رات اور بکھر جانے والے خیالات کی طرح بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں تو ناقیامت آپ سے وابستگی کی اُمیدیں لگائے بیٹھی تھی۔ آپ نے تو مجھے راستے میں ہی غمِ زمانہ کی دھول کی طرح اڑا کر رکھ دیا ہے۔

اینجلینا بے چاری اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ کیونکہ پہلے اس کی آنکھوں میں نمی نمودار ہوئی پھر اشکوں کے سحاب اس کی آنکھوں سے بُری طرح برس رہے تھے۔

نور الدین نے فوراً اینجلینا کو تسلی دینے کے انداز میں کہا۔ ”اے اینجلینا! ذرا یہ تو سوچو! میری اس شادی سے صرف تم ہی بے خیر نہیں ہو۔ بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ میں نے شادی کی ہے۔ حتیٰ کہ امیر تیمور کو بھی آج سے پہلے خبر نہ تھی کہ میں شادی کر چکا ہوں۔ اپنی شادی کو میں نے ایک مصلحت کے تحت صیغہِ لازم میں رکھا ہے اور یہ مصلحت کیا تھی اس سے میں خطا کی مہم سے واپسی پر نہیں اطلاع دوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ تم ضرور مطمئن ہو کر میرے اس رویے سے اتفاق کرو گی اور ہاں یہ تو کہو تمہیں میرے کس عزم سے خوشی ہوئی ہے۔“ اینجلینا نے اپنے آنسو پونچھتے اپنے آپ کو سنبھالا پھر کہا۔

”آپ نے امیر تیمور سے کہا تھا کہ میں اینجلینا سے انصاف کروں گا۔ بس آپ کا یہی عزم میری خوشی کا باعث اور اے امیر! میں اس خطا کی مہم میں آپ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔“

نور الدین نے غور سے اینجلینا کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے کہا۔ ”اے اینجلینا! آج تم میرا ایک کام کرو گی؟“ اینجلینا نے ایک دافنگی سے کہا۔ آپ مجھ سے پوچھتے کیوں ہیں۔ آپ مجھے حکم دے سکتے ہیں۔ بخدا اینجلینا تو آپ کے لیے اپنی جان بھی بچھا کر سکتی ہے۔ نور الدین نے جھٹ کہہ دیا۔ ”آؤ پھر آج دونوں مل کر کھانا کھائیں۔“

نور الدین کے ان الفاظ پر اینجلینا ایک دلکش وحسین حقیقت جیسی ہو کر رہ گئی۔ دُنیا بھر کی خوشیاں اور مسرتیں اس کے چہرے پر قس کرنے لگی تھیں۔ پھر اس نے شرارتے ہوئے مدغم آواز میں کہا۔ ”اے امیر! اب مجھے آپ سے کوئی شکوہ، کوئی گلہ نہیں رہا پھر اینجلینا وہاں بیٹھ کر نور الدین ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔“



تیمور نے سب سے پہلے شہزادہ خلیل کو کوچ کا حکم دیا۔ تاکہ وہ آگے آگے رہ کر برف باری کے باعث راستوں کے دشوار اور شراب ہو جانے کی خبر دیتا رہے۔ اس کے بعد دیگر لشکر کے ساتھ تیمور نے کوچ کیا اور یہ کوچ بھی بڑا عجیب اور ہولناک تھا۔ لشکر کے اندر اتنی اتنی بڑی گاڑیاں تھیں جنہیں کئی کئی گھوڑے کھینچ رہے تھے اور یہ گاڑیاں برف کے اندر سفر کرتی ہوئیں یوں لگتی تھیں گویا ایک پورا چوٹی شہر حرکت کر رہا ہو۔ ان گاڑیوں کے اندر سامانِ رسد تھا۔ چونکہ برف باری کے باعث راستے میں کھانے پینے کی کوئی شے میسر آنے کی امید نہ تھی۔ لہذا ان بڑی بڑی گاڑیوں کو سامانِ رسد سے تیمور نے بھر دیا تھا تاکہ راستے میں لشکر کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔



سمرقند شہر سے ذرا فاصلے پر جا کر تیمور نے ایک بار پلٹ کر شہر کی طرف دیکھا اور پہلی بار اسے اپنے بوڑھے اور کمزور ہو جانے کا احساس ہوا۔ کیونکہ نگاہ کمزور ہو جانے کے باعث اسے سمرقند کے مینار اور گنبد صاف دکھائی نہ دیئے تھے۔

جب یہ لشکر مشہور درہ ”بند امیر“ سے گزر کر آگے شمالی سطح مرتفع کی طرف بڑھنا شروع ہوا تو برف باری شروع ہو گئی تھی۔ زمین کا سینہ سفید اور رخ بستہ ہو گیا تھا کچھ اس طرح گویا پوری دنیا برف سے سفید ہو گئی ہو۔ کوہستانی ندیاں جم گئی تھیں۔ چشتی منجمد ہو کر رہ گئے تھے اور راستوں پر جا بجا برف کے تودے کھڑے ہو گئے تھے۔ سردی کے باعث گھوڑے مرنے لگے تھے۔ کچھ سرداروں نے واپس جانے کا مشورہ دیا پر تیمور نے واپس جانے سے قطعی انکار کر دیا بلکہ اس نے آگے بڑھنے کے لیے وہ رات ہی تبدیل کر لیا جس راستے پر اس سے آگے شہزادہ خلیل مہینہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

شہزادہ خلیل اپنے مہینہ کے ساتھ اس برف باری سے بچنے کے لیے سنگ نام کے ایک سرمائی شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر چکا تھا۔ تیمور کا خیال تھا کہ وہ آگے بڑھتے ہوئے اترار شہر سے باہر کھلے میدانوں کے اندر خیمہ زن ہو گا اور موسم ٹھیک ہو جانے پر وہ قاصد بھیج کر شہزادہ خلیل کو بھی اس کے مہینہ کے ساتھ وہاں بلا لے گا اور اس طرح موسم کھل جانے کے بعد پورا لشکر متحد ہو کر خطا کی سرزمینوں کی

نومبر کے مہینے میں جب کہ زمین پر ہر طرف برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی تیمور نے اپنے دولاکھ کے لشکر کے ساتھ سمرقند سے خطا کی سرزمینوں کی طرف کوچ کیا۔ اپنے بعد تیمور نے اپنے ایک سردار ارغون شاہ کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا۔ اس بار لشکر کی ترتیب بھی مختلف تھی۔

تیمور نے اپنے پاس وہ لشکر رکھا جو کبھی اس کے پوتے محمد سلطان کی کمانداری میں ہوا کرتا تھا۔ مہینہ کا سالار شہزادہ خلیل کو بنایا گیا۔ میسرہ شاہ رخ کے بیٹے اور تیمور کے جواں سال پوتے الفخ بگ کی کمانداری میں تھا

ان کے علاوہ لشکر کا قلب، مقدمہ، الجیش اور عقب لشکر تینوں کا سالار نور الدین کو مقرر کیا گیا تھا۔ گزشتہ جنگوں میں جس طرح تیمور اپنے بیٹے شاہ رخ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کوچ کے دوران وہی اہمیت اور وہی توقیر وہ نور الدین کو دے رہا تھا۔

اس مہم میں تیمور نے اپنی ملکہ سرائے خانم کو بھی اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ لشکر میں شامل دیگر سرداروں اور عام لشکریوں کی بیویاں اور بیٹیاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ یوحنا اور انجیلینا بھی حسب سابق لشکر میں شامل تھے۔

نور الدین اور الخ بیگ اس کے قریب بیٹھ گئے۔

چند ثانیوں تک تیمور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "اے نور الدین! میری حالت مجھے بتاتی ہے کہ میں بچوں کا نہیں۔ لہذا تمہاری اور الخ بیگ کی موجودگی میں اپنی موت سے پہلے میں اپنے بیٹے جٹا لیکر کے پسر پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔

نور الدین! آج اور ابھی چند قاصد ہندوستان کی طرف بھجواؤ اور پیر محمد کو میرا یہ پیغام دو کہ وہ فوراً سمرقند پہنچے تاکہ فوجی اور انتظامی معاملات پر اسے مکمل اختیار حاصل ہو۔ میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی زندگیاں اس کی خدمت کے لیے وقف کر دینا۔ ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کرتے رہنا اور سمرقند کی طرح مملکت کے دور دراز صوبے بھی اس کے ماتحت ہونے چاہئیں۔

اے نور الدین! اگر تم نے پیر محمد کی پوری طرح مدد و اعانت نہ کی تو یاد رکھو تخت و تاج کے حصول کی خاطر میرے اقربا میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہو جائے گی۔ کاش اس وقت شاہ رخ یہاں ہوتا اور میں اسے آخری بار دیکھ ہی سکتا چند ساعتوں تک تیمور پھر خاموش رہا۔ پھر دوبارہ اس نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے مدغم اور بکھری بکھری آواز میں کہا۔

اے نور الدین! تم دیکھتے ہو چار سو برف کی چادر پھیلی ہے۔ سیم پکیر آبشاریں اوڑھ چٹے منجمد ہو چکے ہیں۔ اُونچے کساروں کے سینے برف سے روپوش ہیں۔ موت کے سائے مجھ پر گھمبیرات، ہیبت ناک سناٹوں اور شب کے سودا گروں کی طرح دارو ہونے والے ہیں۔ میری روح بندش کے ہر اظہار کا خاتمہ کر کے جسم کی قید سے آزاد ہونی چاہی ہے۔ آہ! وقت کے منجمد ہار میں تغیرات کی ان رصد گاہوں کے فیصلے بھی کیا عجیب فیصلے ہیں۔ انسان ساری زندگی اپنے مقدرات سے جنگ کرتے کرتے آخر تاریک ساگر میں ڈوبنے والے ستاروں کی مانند کھو جاتا ہے۔ بکھری تپیلوں کے لاشوں، دیر لگن گزر گاہوں اور دیمک لگے درو بام جیسا ہو جاتا ہے۔

اے نور الدین! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ خطا کی ہم سے واپسی پر تو

طرف بڑھے گا لیکن برف باری کے باعث کوہستانوں کے اندر سفر بڑا دشوار ہو گیا تھا۔ کئی مقامات ایسے بھی آئے کہ برف پر نمدے بچھا کر اُن کے اوپر سے گاڑیوں کو گزارنا پڑا تھا۔ کیونکہ گاڑیاں برف میں دھنس جاتی تھیں اور گھوڑے اُنہیں کھینچ سکتے تھے۔ ہر حال چاروں طرف پھیلی ہوئی برف کے اندر یہ گاڑیاں ایک لمبی سیاہ لکیر کی صورت میں آگے بڑھتے رہی تھیں۔

سردی اس قدر سخت اور جان لیوا ہو گئی تھی کہ آگے بڑھنا ناممکن لگتا تھا۔ بہر حال تیمور آگے بڑھتا رہا اور دریائے سیر کے اوپر برف کی اس قدر موٹی تہ جمی ہوئی تھی۔ کہ لشکر اس کے اوپر سے گزر کر اترار شہر کی طرف بڑھا۔

تیمور نے اترار شہر سے باہر کھلے میدانوں کے اندر پڑاؤ کر لیا اور آناً فاناً وہاں خمیوں اور لکڑی کے چھکڑوں کا ایک شہر سا آباد ہو کر رہ گیا تھا۔ تیمور کا ارادہ تھا کہ وہ چند یوم تک ان میدانوں کے اندر قیام کرے گا اور جب برفانی طوفان ختم جائیں گے تو وہ دوبارہ خطا کی طرف کوچ کرے گا لیکن تیمور کو اس سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا کیوں کہ اترار کے میدانوں میں وہ بیمار ہو گیا اور یہ بیماری موت کی بیماری تھی جو دن بدن بدم سے بدتر ہوتی چلی تھی۔ آخر ملک الاطباء مولائے تبریز نے یہاں تک کہہ دیا کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

تیمور کی بیوی ملکہ سرائے خانم، اینجلینا اور کچھ دیگر قریبی عورتیں ہمہ وقت تیمور کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئی تھیں۔ تیمور بھی جان گیا تھا کہ اب اس کا آخری وقت آگیا ہے۔ لہذا اس نے نور الدین اور شاہ رخ کے بیٹے الخ بیگ کو طلب کیا۔

جس وقت نور الدین اور الخ بیگ تیمور کے عظیم الشان خیمے میں داخل ہوئے اس وقت تیمور کے پاس ملکہ سرائے خانم، اینجلینا اور شاہی طبیب مولائے تبریز بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور اس وقت اپنے بستر پر آنکھیں بند کیے بستر پر بے سہر پڑا ہوا تھا۔ ملکہ سرائے خانم نے جب اسے نور الدین اور الخ بیگ کے آنے کی اطلاع کی تو تیمور نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور اشارے سے اس نے دونوں کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔

مجھے اپنی بیوی سے متعلق ساری تفصیل بتا دے گا۔

اے میرے عزیز! اب جب کہ موت کے بے عکس میوے مجھ سے تانک جھانک کر رہے ہیں مجھے تفصیل کے ساتھ اپنی بیوی سے متعلق کہو کہ مجھے اطمینان ہو۔ نور الدین کی گردن چند ساعتوں تک جھکی رہی۔ پھر اس نے کنا شروع کیا اے آقا! جب سمرقند شہر میں ایک غلام کی حیثیت سے پہلی بار مجھے آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور میں نے آقا بوغاسے مقابلہ جیتا تو میں بے حد خوش اور پرسکون تھا کہ آپ نے میری قدر شناسی اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ پر جس وقت آپ نے میری اور انجیلینا کی منگنی کی بات کی اور انجیلینا نے مجھے غلام ابن غلام کہہ کر میری زندگی کا ساتھی بننے سے انکار کر دیا تب میرا دل ٹوٹا۔

اور مجھے احساس ہوا کہ اصل میں آزادی ہی آزادی کا جو ہر ہے اور یہ کہ غلامی زسیت کی بدترین اور تکلیف دہ دھند ہے جس میں ایک انسان اپنی زندگی کی راہیں خود متعین کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ان خیالات نے میرے ذہن میں قسمت کے پیالوں کا زہر سا بھر دیا اور میں سکون کی تلاش میں اکثر سمرقند شہر کے مضافات میں چلا جاتا تھا۔

اے آقا! ایک روز میں سمرقند کے مغربی جانب کو ہتائی سلسلے کی طرف گیا، تو میں نے دیکھا دو جوان ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑے کچھ ساز باز کر رہے تھے۔ ان دونوں کے گھوڑے بھی ان کے قریب ہی گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑے تھے اور وہ دونوں بار بار چٹان کے اوپر سے کسی کو دیکھنے کی بھی بیتا باز کوشش کر رہے تھے۔

مجھے تجسس اور جستجو ہوئی کہ آخر یہ دونوں اوٹ میں رہ کر کیسے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا میں نے بھی وہاں گھنے درختوں کے ایک جھنڈ کے اندر اپنے گھوڑے کو باندھ دیا اور ان دونوں سے دائیں جانب ذرا فاصلے پر ایک چٹان کی طرف بڑھا۔

میں نے جب چٹان کے اوپر سے اس سمت دیکھا جدھر وہ دونوں دیکھ رہے تھے۔ تو میں نے دیکھا وہاں وادی کے اندر ایک لڑکی بھیڑوں کا ایک

بہت بڑا رپوڑ چراہر ہی تھی۔ وہ لڑکی اکیلی ہی تھی۔

وہ لڑکی آئینے میں ڈھلے عکس اور پانی میں جلتے چراغ جیسی حسین تھی۔ وہ کچھ اس انداز میں اپنے ریوڑ کی بھیڑوں کے اندر ادھر ادھر بھاگ رہی تھی گویا اس کی آنکھوں میں منزلوں کا غبار اور پاؤں میں امیدوں کے سراب بندھے ہوئے ہوں۔ وہ نوید صبح جیسی خوشگوار اور قطرہ سیاب جیسی پنچل تھی۔ وہ تخیل کے نقش و نگار اور سنگم کی سنہری رات جیسی خوب صورت تھی۔ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی کم سن ہی تھی۔ پر پھر بھی اس کا ہنفس طوفان اور ہر قدم زلزلہ لگتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آگ کا کوئی شعلہ ہو جو ادھر ادھر لپکتا پھیر رہا ہو۔

بحر کے موتی جیسی وہ خوب صورت حسین اور پرکشش لڑکی ان پرندوں جیسی پرسکون دکھائی دے رہی تھی جو آب کے سایوں میں اپنی پرواز پر مطمئن رہتے ہیں مجموعی طوع پران وادیوں کے اندر وہ لڑکی اک زمزمہ سیال، تخلیق کا بہترین شاہکار عارضوں کی رعنائی اور جمال اقصیٰ کی تابکاری لگ رہی تھی۔

میں جان گیا کہ وہ دونوں جوان اس لڑکی پر بڑی نگاہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہذا میں وہاں ٹک کر انتظار کرنے لگا۔ میں ہر حال میں اس لڑکی کی مدد کرنے کا عہد کر چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ معصوم بھولی بھالی اور کم سن لڑکی اپنی بھیڑوں کے اندر ادھر ادھر بھاگتی ہوئی اس چٹان کے قریب آئی جس کے نیچے وہ دونوں جوان چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے تو وہ دونوں اوٹ سے نکلے اور دونوں نے آگے بڑھ کر زبردستی اس لڑکی کے بازو پکڑ لیے۔ وہ لڑکی بے چاری انتہائی بے بسی اور لاچارگی میں رونے اور شور کرنے لگی تھی۔ پر اس وادی میں کوئی بھی اس کی مدد کو آنے والا نہ تھا۔

وہ محرومیوں کی داستان اور سمار خواہوں کی سی حالت میں چیخ و پکار کرنے کے ساتھ بار بار ہاتھ جوڑ کر اس سے رحم کی دریوزہ گری بھی کرتی جا رہی تھی۔ آہ آقا!

اس وقت اس لڑکی کی حالت، اس کی بے بسی، اس کی لاپرواہی پر میں بڑا رونا تھا۔
نور الدین نے دیکھا۔ تیمور، مولائے تبریز اور ملکہ سرائے خانم کی آنکھوں سے
بھی آنسو جاری ہو چکے تھے۔ جب کہ انجیلینا بے چاری کھل کر زور سے ہچکیوں میں
رو رہی تھی۔ مولائے تبریز نے بے چین ہو کر پوچھا۔ "اے امیر نور الدین! کون تھی
وہ لڑکی اور آپ نے اس وقت کیا کردار ادا کیا۔"

ذرا رک کر نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ "جس وقت وہ دونوں جوان اوٹ سے
نکل کر اس لڑکی کی طرف بڑھے تھے۔ اس وقت مجھے ایسا لگا تھا جیسے دو وزرے ایک
ساتھ کسی غزال پر حملہ آور ہونے کو لپکے ہوں۔"

اس وقت میرے اندر کا انسان جو کسی بھی دور میں غلام نہ تھا وہ اس منظر پر
ایک وحشی جلا کی صورت اختیار کر گیا۔ پس میں اپنی تلوار سونت کر آگے بڑھا اور انہیں
لڑکی کو چھوڑ دینے کے لیے کہا۔ اس پر وہ دونوں سن بھل گئے۔ لڑکی کو انہوں نے چھوڑ
دیا اور مجھ سے نمٹنے کے لیے انہوں نے اپنی تلواres کھینچ لی تھیں۔ لڑکی کو جب احساس
ہوا کہ میں اس کی مدد کو آگیا ہوں تو وہ مطمئن سی ہو کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
پس وہ دونوں جوان مجھ سے ٹکرائے۔ اس کش مکش میں ان دونوں کو میں
قتل بھی کر سکتا تھا۔ پر میں نے ان دونوں کے وہ ہاتھ کاٹ دینے پر ہی اکتفا کیا
تھاجان ہاتھوں سے انہوں نے اس لڑکی کے بازو پکڑے تھے۔ پھر انہیں وہاں سے
جلنے کی اجازت دے دی تھی۔

وہ دونوں جب تکلیف و کرب میں بلبلا تے ہوئے وہاں سے چلے گئے
تب وہ لڑکی میرے قریب آئی اور اپنے آلوچہ لبوں پر نو بد صبح جیسی مسکراہٹ بکھرتے
ہوئے اس نے اپنی شہد گھولتی آواز میں مجھ سے میرے متعلق پوچھا۔ میں نے اسے
اپنے متعلق بتایا۔ پھر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام اریہ
ہے۔ میں نے جب اس سے یہ پوچھا کہ وہ اتنا بڑا ریوڑ اکیلی کیوں چلاتی ہے؟
تب وہ لڑکی اے میرے آقا! جنگل کے تنہا درخت اور سرامکے ڈوبتے زروچان کی

طرح اُداس ہو گئی تھی۔ اس کی حالت اس مسافر جیسی ہو گئی تھی جو حد سے گزری ہوئی
لوٹ اور ظلم کا شکار ہو گیا ہو۔ کافی دیر تک وہ بے چاری سر جھکائے خاموش
کھڑی رہی۔ پھر میرے زور دینے پر اس نے ہواؤں میں نالیدہ فریاد کی کیفیت
کے سے انداز میں مجھے بتایا۔

"کہ یہ ریوڑ ان کا نہیں ہے۔ اس کی ماں مر چکی ہے اور اس کا باپ سمرقند
کے ایک رئیس کا غلام تھا۔ بھیڑوں کا وہ ریوڑ اسی رئیس کا تھا جسے اس کا باپ چرایا
کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ اس کا باپ بیمار ہو گیا اور اس کی جگہ اریہ ریوڑ چرانے
لگی۔ میں نے بھی اسے اپنے متعلق تفصیل سے بتایا کہ کس طرح میں اور میرا باپ بھی
دونوں ہی یکے بعد دیگرے ایک ایرانی رئیس کے غلام تھے۔ کیسے مجھے محترم سیف الدین
نے خریدا اور کس طرح امیر تیمور نے میری عزت افزائی کی اور مجھے غلام نور الدین سے
شیخ اور امیر نور الدین بنا کر رکھ دیا۔"

میرے حالات سن کر وہ بے حد خوش ہوئی اور اس نے مجھے اس رئیس کی حویلی
کا پتہ دیا اور خواہش کی کہ میں اس کے باپ سے ملوں۔ بہر حال میں اس کے باپ سے ملا
وہ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ کہوں کہ اریہ نے اسے پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ کس طرح
میں نے اس کی عزت کی حفاظت کی تھی۔

اے آقا! میں ان سے ملتا رہا۔ میں اریہ کے پاس جا بیٹھتا۔ جب وہ اکیلی
ریوڑ چرا رہی ہوتی تھی۔ میری موجودگی میں وہ خوش رہتی اور اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتی
میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے پسند بھی کرتی ہے۔

پھر اے آقا! میں نے ایسا کیا کہ اس رئیس کو رقم ادا کر کے ان دونوں باپ
بیٹی کو آزاد کرالیا اور شہر کے اندر انہیں ایک مکان لے دیا۔ جس میں وہ دونوں تنہا
لگے۔ میں اس کے باپ کا علاج کرانے لگا اور اکثر ان سے ملنے چلا جاتا تھا۔ اس
دوران امیر سیف الدین کو شک گزرا کہ نہ جلنے میں کہاں چلا جاتا ہوں۔ انہوں
نے دو ایک بار میرا تعاقب کیا لیکن میں نے اریہ کو سمجھا رکھا تھا کہ وہ اپنے آپ کو

فی الحال خفیہ رکھے اور میرے ساتھ تعلق کے حوالے سے وہ کسی کے سامنے نہ آئے۔ اس لیے جب کبھی بھی کوئی ملنے والا ان کے ہاں آتا تو وہ فوجاً اٹھ کر درمیانی دروازے سے ہمسایوں کے ہاں چلی جایا کرتی تھی۔ بہر حال میرے تعلقات ان کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کے باپ کی رضامندی پر میری اور اریبہ کی شادی کر دی گئی۔

میری خواہش پر یہ شادی انتہائی سادگی اور خاموشی کے ساتھ کی گئی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ سوائے ہمسایوں کے۔ شادی کے چند ہی دنوں بعد اریبہ کا باپ مر گیا اور اے آقا! اب میں ایک بیٹے کا باپ ہوں۔ جیسا میں بچپن میں خود غلام اور بے بس تھا۔ ایسی ہی مجھے اریبہ بھی مل گئی لہذا میں نے اس کے ساتھ شادی کو خفیہ رکھا اور شادی کو خفیہ رکھنے کی ایک بڑی وجہ اور بھی تھی جو اس وقت میں آپ سے نہ کہوں گا۔

تیمور کی حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا ہو نور الدین کی اس گفتگو کا اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس نے ڈوبتی اور لمحہ بہ لمحہ ختم ہوتی آواز میں اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کاش! میں اریبہ کو دیکھ سکتا کہ وہ میری بیٹی ہے۔ کاش! میں اس مہم کو سر کر سکتا۔ کاش! اپنے مقدر کی جنگ لڑنے سے پہلے پہلے میں نے صداقتوں کی امانت، منبروں کی سر بلندی اور مسجدوں کے وقار کا کوئی بڑا کام کیا ہوتا۔

تیمور کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس کی سانس ہی بند ہو گئی ہو۔ شاہی طبیب مولائے تبریز نے گھبرا کر تیمور کی نبض پر ہاتھ رکھا پھر اس نے مدھم اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بات ختم ہو چکی ہے۔ اقدام توڑ چکے ہیں۔"

ملکہ مراٹے خانم اور انجیلینا زور زور سے رونے لگی تھیں۔ نور الدین اور مولائے تبریز کی آنکھوں سے بھی اشکوں کے ہمارے بہہ نکلے تھے۔ تھوڑی دیر

نور الدین سنبھلا اور مولائے تبریز کو مخاطب کر کے اس نے کہا۔ "آپ تھوڑی دیر بیس بیٹھیں، میں لشکر کے دیگر سالاروں کو امیر تیمور کی مرگ سے مطلع کرتا ہوں کہ امیر تیمور کی خواہش کے مطابق ہمیں خطا کی مہم سر کرنے کے لیے پیش قدمی کرنی چاہیے۔ یا واپس سمرقند کی طرف جانا چاہیے۔" اس کے ساتھ ہی نور الدین اٹھ کر خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔



نور الدین کے دوسرے سالاروں کے ساتھ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ فی الحال خطا کی مہم کو ترک کر کے سمرقند کا رخ کیا جائے اور سب سے پہلے امیر تیمور کی کفین کا انتظام کیا جائے۔ ساتھ ہی کچھ تیز رفتار قاصد نور الدین نے ہندوستان میں پیر محمد کی طرف بھی روانہ کر دیئے تھے۔

دوسری طرف شہزادہ خلیل ابھی تک سنگ نام کے سرمائی شہر میں مقیم تھا۔ تیمور کے لشکر میں شامل اس کے بہی خواہوں نے جب اسے یہ اطلاع کی کہ امیر تیمور مر چکا ہے تو خلیل نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے لیے فائدہ حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے مہمنہ کے سرداروں کو بڑے بڑے لالچ دے کر اپنے ساتھ بلا لیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے بڑی تیزی سے سمرقند کا رخ کیا۔

لہذا آندھی اور طوفان کی طرح سمرقند میں داخل ہوا۔ تاج و تخت پر اس نے قبضہ کر لیا اور تیمور کا جانشین ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ خلیل نے شہری ملک کے ساتھ اپنی شادی کا اعلان کرتے ہوئے اسے سمرقند کی ملکہ بنا دیا تھا۔

خلیل جانتا تھا کہ لوگوں کے دل میں اس کی کیا عزت اور احترام ہے۔ اسے یہ بھی حدشہ تھا کہ تیمور کی لاش کے ساتھ نور الدین کے آنے یا خراسان سے شاہ رخ اور ہندوستان سے پیر محمد کے آنے پر لوگ فوراً اس کا ساتھ چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو لیں گے اس لیے کہ لوگ جانتے تھے کہ خلیل نہ صرف حکومتی معاملات کا بلکہ میدان جنگ کا بھی نا تجربہ کار ہے۔ اس لیے تخت پر بیٹھنے اور شہری ملک کے ملکہ ہونے کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ ہی اس نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے عملی اقدامات بھی

کرنے شروع کر دیئے تھے۔

تیمور نے اپنے دور میں بے انتہا دولت جمع کی تھی۔ اس کے خزانے پُر تھے لہذا خلیل نے اس دولت کو اپنے کام میں لانے کا عزم کر لیا تھا۔

خلیل نے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ ایسا زوردار اور شان و شوکت کا اسراف ہے جابا کہ لوگ وقتی طور پر اس کا دم بھرنے لگے۔ اسی دولت کی وجہ سے اس کے گن گانے اور اس کا دم بھرنے والے بہت سے لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ تجربہ کار اُمراء کو اس نے ان کے عہدوں سے ہٹا دیا اور ایسے لوگ اس نے اپنے ارد گرد جمع کر لیے جن میں ایرانی، خوشامدی اور اسی نوع کے دوسرے لوگ شامل تھے۔

سمرقند کے باغات کے اندر خلیل کے حکم سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ رگ و رنگ کی تقریبیں منعقد ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ سمرقند کے فواروں میں پانی کے بجائے عمدہ قسم کی شراب گرائی جانے لگی تھی اور لوگ خوشی خوشی اس شراب کو اپنے استعمال میں لانے لگے تھے۔

شاری ملک بھی جب غیر متوقع طور پر سمرقند جیسی عظیم الشان سلطنت کی ملکہ بن گئی تو اس کی ہوا بھی بدل گئی۔ وہ موقع بے موقع جشن منانے لگی۔ بڑے بڑے شعراء سے اپنی شان میں قصیدے لکھواتی۔ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ہیرے جواہرات زمین پر بکھیر دیتی کہ جو پائے وہی لے لے۔ اس طرح خلیل اور شاری ملک نے خزانوں کے منہ کھول کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

○

اپنے اُمراء اور سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد نورالدین نے لشکر کے لیے سمرقند جانے کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔ خلیل کو جب اطلاع ہوئی کہ نورالدین

اس شاری ملک نے تیمور کے اہل خانہ اور اس کے عزیز واقارب کو بھی ذلیل و رسوا کرنا شروع کر دیا تھا۔

اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کا رخ کر رہا ہے تو اس نے شہر کے سارے دروازے بند کر دیئے۔ اور احتیاطاً تفصیل پر اس نے اپنے لشکر کی مقرر کر دیئے تھے۔

نورالدین کو بھی رستے میں تیمور کے ناظروں نے اطلاع کر دی تھی کہ خلیل سمرقند کے تاج و تخت پر قابض ہو چکا ہے اور خزانوں کے منہ کھول کر اس نے لوگوں کو اپنے ساتھ بلا لیا ہے۔ نورالدین جب شہر کے پاس آیا تو شہر کے دروازے اس نے اپنے لیے بند پائے۔

جس وقت نورالدین، اسقف یوحنا، انجیلینا اور اپنے کچھ اُمراء کے ساتھ شہر کے دروازے پر کھڑا تھا کہ شاید خلیل کے حکم پر اُوپر بُرج پر کھڑے کسی غیر ذمہ دار سپاہی نے نورالدین پر تیر چلا دیئے۔ لیکن اس کا نشانہ خطا گیا اور تیر اسقف یوحنا کو چھید کر رکھ گئے تھے۔ نورالدین کے سپاہیوں نے فوراً اسے انجیلینا اور دیگر سالاروں کو اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ اور پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یوحنا کی لاش کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اس موقع پر انجیلینا بے چاری دھڑیں مار مار کر رو رہی تھی اور نورالدین اسے تسلی دے رہا تھا۔

بہر حال دریائے سیر کے کنارے تیمور کا جنازہ ادا کیا گیا اور نورالدین نے اپنے لشکریوں کو حکم دے دیا کہ وہ منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں اور اپنے اہل خانہ کی خبر لیں۔ ملکہ سرائے خانم تیمور کی لاش کے ساتھ شہر کی طرف بڑھی جب کہ الف بیگ شاہ رخ کی طرف جانے کے لیے نراسان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ خلیل کو جب خبر ہوئی کہ نورالدین نے لشکر کو منتشر کر دیا تھا اور لوگ پُر امن حالت میں اپنے اپنے گھروں کو آنا چاہتے ہیں تو اس نے شہر کے دروازے کھلوادیئے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جب کہ تیمور کی نقش گو اس کے پوتے محمد سلطان کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا۔

آج بھی اگر کوئی سیاہ سمرقند پہنچے تو درختوں کے جھنڈ میں اسے ایک بڑا گنبد دکھائی دے گا۔ جس پر اب بھی فیروز زنگ کی کاشی کاری موجود ہے۔ اس گنبد کے اندر ایک سیاہ پتھر کے نیچے تیمور کی قبر ہے اور یہ سیاہ پتھر ایک محل شہزادی نے بھیجا تھا۔

اسقف یوحنا کی نعش کو سمرقند میں لے جا کر دفن کر دیا گیا تھا۔

جس وقت لشکر منتشر ہو رہا تھا۔ اس وقت ایجنیلینا اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی نورالدین کے پاس آئی۔ وہ اس وقت پورے جنگی لباس میں تھی۔ اپنے سر پر اس نے آسنی خود بھی پہن رکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نورالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”اے ایجنیلینا! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ سمرقند جانے کے بجائے تم ضرور میرا ساتھ دینے کو آؤ گی۔“

ایجنیلینا نے غمزدہ سی آواز میں کہا۔ ”اے امیر! میں جانتی ہوں لوگ میرے باپ کی نعش کو عزت و احترام کے ساتھ دفن کر دیں گے۔ لہذا میں سمرقند جا کر کیسا کروں گی جب کہ میں جانتی ہوں کہ خلیل میرا بدترین دشمن ہے اور وہ ضرور مجھ سے انتقام لے گا کہ میں نے اس کے ساتھ اپنی نسبت کو توڑ دیا تھا۔ اب وہ سمرقند کا حکمران ہے۔ لہذا اے امیر! وہ آپ کو اپنے ہم کا نشانہ بنائے گا کہ آپ اسے بدی پھیلانے سے روکتے رہے ہیں۔“

اے امیر! میں حیران ہوں کہ آپ نے اپنے لشکر کو منتشر کیوں کر دیا ہے جب کہ یہی لشکر آپ کے پاس ایک قوت تھا اور اس قوت کے بل بوتے پر آپ خلیل کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اے امیر! کیا آپ بتائیں گے کہ آپ نے کیا سوچتے ہوئے اپنے لشکر کو یوں منتشر کر دیا ہے۔“

نورالدین نے کچھ سوچا پھر اس نے کہا۔ ”اے ایجنیلینا! تیرا میرا یوں یہاں کھڑے رہنا خطرناک ہے۔ آؤ پہلے اپنے آپ کو محفوظ کر لیں۔ وہاں میں تمہارے سارے سوالوں کے جواب تفصیل سے دوں گا۔“

گوئی الحال منتشر ہو کر سمرقند میں داخل ہونے والے لشکریوں کے خوف سے خلیل کھلم کھلا ہماری مخالفت پر نہ اُٹھے گا۔ تیمور کی جمع شدہ دولت کو استعمال کر کے پہلے وہ لوگوں کے منہ بند کرے گا۔ اس کے بعد وہ ہمارے خلاف علی الاعلان حرکت میں آجائے گا۔ پر یہاں اس طرح کھڑے رہنا بھی خطرناک ہے کہ وہ اپنے خفیہ ایجنٹوں

کو استعمال کر کے ہم دونوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔ لہذا تم میرے ساتھ آؤ۔“ اس کے ساتھ ہی نورالدین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ ایجنیلینا نے کچھ کہے بغیر اپنے گھوڑے کو اس کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

دونوں آگے پیچھے اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سمرقند کے نواح میں دریائے سیر کے کنارے ارگوت نام کی ایک بستی میں داخل ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑا قصبہ تھا اور اپنے بازار اور سرائوں کی گہما گہمی کے باعث ایک پھوٹا شہر دکھائی دیتا تھا۔

ایجنیلینا نے اپنی سوچوں اور اپنے تفکرات کو ختم کر دیا تھا۔ بس وہ تو خالی بن ہو کر نورالدین کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے کو ہانکے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت منبھلی اور چونکی جب نورالدین ایک سرائے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا وہ ایک بہت بڑی سرائے تھی جس کے اندر مسافروں کی وجہ سے خوب رونق اور چہل پہل تھی۔ نورالدین اپنے گھوڑے کو سیدھا اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ کچھ ایسے انداز میں جیسے اکثر اس سرائے میں آنا جاتا رہا ہو۔ اپنے گھوڑوں پر سوار جب نورالدین اور ایجنیلینا اصطبل میں داخل ہوئے تو سرائے کی بڑی عمارت کی طرف سے کوئی چالیس کے سن ایک شخص بھاگتا ہوا اصطبل میں داخل ہوا اور بے پناہ خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ ”خوش آمدید! امیر نورالدین! خوش آمدید!“

نورالدین اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس شخص کے ساتھ پرجوش مصافحہ کیا۔ ایجنیلینا بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی تھی۔ تاہم وہ کچھ پریشان اور کبھری کبھری تھی۔ شاید وہ یہ جانتا چاہ رہی ہوگی کہ ایسے پرجوش انداز میں نورالدین کا استقبال کرنے کا یہ شخص کون ہے۔

اتنے میں نورالدین خود ہی بول پڑا۔ ”ایجنیلینا! ایجنیلینا! یہ اس سرائے کا مالک

ایلاق ہے۔ یہ میرے انتہائی پُر خلوص اور غم گسار دوستوں میں سے ہے۔ گو یہ ہمیں پہلی بار دیکھ رہا ہے پر یہ تمہیں جانتا ضرور ہے۔

ایلاق نے اینجلینا کو سلام کیا جس کا اس نے پُر تپاک جواب دیا۔ پھر نور الدین نے ایلاق کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے ایلاق! تم جانو! سمرقند کے تخت و تاج پر بیٹا خلیل قابض ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے لشکر کیوں کو منتشر کر دیا ہے اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ خلیل میرا اور اینجلینا کا بدترین دشمن ہے اس لیے کسی آئندہ انقلاب تک میں اور اینجلینا دونوں تمہاری سرائے میں قیام کریں گے۔“ ایلاق نے کمال فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! آپ بھی کمال کی باتیں کرتے ہیں۔ یوں تو یہ سرائے ہے ہی آپ۔ پر ان حالات میں کیوں کر میں آپ دونوں کو سرائے میں قیام کرنے دوں گا۔ آپ دونوں کا قیام سرائے کی پشت پر میری سکونتی حویلی میں ہوگا۔ اس کے اندر میں دو کمرے آپ کے لیے خالی کرا دیتا ہوں جن میں آپ آرام سے جب تک چاہیں رہ سکیں گے۔ اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ آپ کا یہاں قیام صیغہ راز میں رہنا چاہیے تاکہ خلیل کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ آپ اور اینجلینا کہاں ہیں۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے اور ایلاق کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ”ایلاق! ایلاق! تم واقعی ایک دانش مند اور مخلص دوست ہو۔“

ایلاق نے کہا۔ ”آپ دونوں کا یہاں زیادہ دیر کھڑا رہنا بھی اچھا نہیں ہے آپ دونوں میرے ساتھ آئیں کہ میں آپ دونوں کو حویلی کی طرف لے چلوں۔ میرے ملازم گھوڑوں کی زینیں اتار کر ان کے چارے کا بندوبست کر دیں گے۔ آپ دونوں میرے ساتھ آئیں۔“

نور الدین اور اینجلینا دونوں نے اپنے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ لنگتی اپنی چرمی خربچیں اتار لیں جن کے اندر ان کا ضروری سامان تھا اور ایلاق کے ساتھ ہو لیے۔ ایلاق نے پہلے ان دونوں کو اپنی حویلی کے دیوان خانے میں بٹھایا اور دیوان خانے

سے باہر نکلتے نکلتے اسے اچانک کوئی بات یاد آئی اور نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”اے امیر! ہماری بہن اریبہ اور عماد الدین اس وقت کہاں ہیں۔ کیا انہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟“

نور الدین نے کہا۔ ”وہ دونوں ابھی تک سمرقند میں ہیں اور وہاں ان دونوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

اس پر ایلاق مطمئن سا ہو کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حسین اینجلینا نے خود سے نور الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”اے امیر! یہ اپنی اریبہ کے ساتھ کس عماد الدین کا ذکر کیا جا رہا ہے۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے اینجلینا! عماد الدین میرے بیٹے کا نام ہے۔ دراصل میرے باپ کا نام عماد الدین تھا۔ اور اسی کے نام پر میں نے اپنے بیٹے کا نام بھی رکھا ہے۔ یہ ایلاق میرا ایک انتہائی پُر خلوص دوست ہے۔ یہ اریبہ اور عماد الدین کو خوب جانتا ہے۔ کئی بار ان سے مل بھی چکا ہے۔ کیوں کہ اریبہ کے گھر میں یہ اکثر مجھ سے ملنے جایا کرتا تھا۔“

”براہ کی اور آپ کی دوستی کیسے ہو گئی۔“ اینجلینا بے تاب سے بولی۔

نور الدین کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”جس روز مجھے غلام کی حیثیت سے امیر تمبوری کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور میں نے آق بوغا کو تیغ زنی میں اپنے سامنے زیر کیا تھا تو دربار سے باہر یہ ایلاق پہلا شخص تھا جس نے مجھے مبارک باد دی تھی اور جب میں لتھوڑا نیا کے دیو لڑکھوشت دی تو یہ ایلاق دیوانگی کی حد تک مجھے چاہ لگا۔ اس کے بعد ہماری ملاقاتیں ہوتی رہیں اور یوں ہماری دوستی گہری، مستحکم اور خلوص سے پُر ہوتی چلی گئی تھی۔“

اینجلینا کچھ اور پوچھنے ہی والی تھی کہ ایلاق اندر آیا اور کمال الدت مندی سے اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ دونوں میرے ساتھ آئیے۔“

نور الدین اور اینجلینا خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیے تھے۔ ایلاق

انتقام لے گا اور تم جانو اب جو ہاتھ انجیلینا کی طرف بڑھے گا۔ میں اسے ایسا ہی تصور کروں گا جیسے وہ میری طرف بڑھا ہو۔
نور الدین کی اس گفتگو پر انجیلینا کے حسین چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
نور الدین اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’اے ایلاق! میں نہیں جانتا کہ آئندہ چند دنوں میں حالات کیا کروٹ لیں
میں نے اپنی بیوی اریہ کو آج تک اسی وجہ سے خفیہ رکھا ہے کہ اگر مجھ پر کبھی کوئی
حکمران طبقے سے افتاد پڑے تو کم از کم میری بیوی ضرور اس سے محفوظ رہے۔ اب
گوشہ دہانوں جس طرح میرے اور امیر تیمور کے درمیان اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے تھے
اگر میری بیوی کی کسی کو خبر ہوتی تو اسے بھی میری مصیبتوں کا شریک بنا دیا جاتا اور پھر
اے ایلاق! تم جانو تخت و تاج کے حصول کا یہ جو چکر چل گیا ہے تو میرا اس سے
کیا تعلق۔ یہ تیمور کی اولاد کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اگر اس میں الجھوں گا تو نقصان اٹھاؤں
گا۔ ہاں خلیل کے خلاف اگر پیر محمد یا شاہ رخ میں سے کسی نے مجھے پکارا تو میں ضرور
خلیل کے خلاف ان کی پکار پر لبیک کہوں گا۔ اس لیے کہ خلیل اپنے اخلاق و
کردار اور اپنی گوشہ دہانوں کی بنا پر ایسا نہیں ہے کہ اسے سمرقند کا حاکم تسلیم
کر لیا جائے۔

اور اے ایلاق! میں یہ فیصلہ بھی کر چکا ہوں کہ پیر محمد یا شاہ رخ میں سے
کسی ایک کو تخت و تاج کا وارث بنا کر میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ شمال کی طرف
نکل جاؤں گا اور وہاں کسی بے نام قصبے میں اپنی بقیہ زندگی گنماں میں گزار دوں گا۔
نور الدین کے اس انکشاف پر انجیلینا بے چاری کے چہرے پر مژدنی اور ان
گنت تفکرات رقص کرنے لگے تھے۔

جواب میں ایلاق نے کہا: ’اس موضوع گفتگو بعد میں کریں گے۔ فی الحال
آپ دونوں بیٹھیں اور میں آپ کے کھانے کا بندوبست کرنے جاتا ہوں۔‘ اس
کے ساتھ ہی ایلاق کمرے سے نکل گیا۔

ان دونوں کو حویلی کے ایک ایسے کمرے میں لایا جو انتہائی صاف ستھرا تھا اور شاید ابھی
ابھی تیار کیا گیا تھا۔

ایلاق نے نور الدین سے کہا۔ ’اے امیر! یہ کمرہ آپ کے لیے ہے۔‘ پھر
ایلاق نے ایک درمیانی دروازہ کھولا اور ان دونوں کو لے کر وہ لمعہ کمرے میں داخل
ہوا۔ وہ کمرہ بھی پہلے کمرے جیسا تیار کیا گیا تھا۔ ایلاق نے اس بار انجیلینا کو مخاطب
کر کے کہا۔

’اے انجیلینا! میری عزیز بہن! یہ کمرہ آپ کے لیے ہے اور اس کمرے
کے اندر جو آپ درمیانی دروازہ دیکھ رہی ہیں، وہ حویلی کے زنان خانے میں کھلتا
ہے اور یہ کمرہ آپ کو اس لیے دیا ہے کہ آپ جب چاہیں اس درمیانی دروازے
سے حویلی کی عورتوں کے پاس جا کر بیٹھ سکتی ہیں۔ میں نے گھر کے ہر فرد کو آپ دونوں
سے متعلق بتا دیا ہے۔

اے امیر! یہ حویلی اب آپ ہی کی حویلی ہے۔ آپ جب تک چاہیں یہاں
رہ سکتے ہیں۔ ہاں میں اریہ بہن اور عماد الدین سے متعلق ضرور فکر مند رہوں گا۔ خدا
کرے وہ دونوں ماں بیٹا خوش ہوں۔ پر اریہ اب آپ سے متعلق تو بے حد فکر مند
ہوگی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آج جا کر اسے یہاں لے آؤں۔‘

نور الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ’نہیں ایلاق! ابھی اس کا وقت نہیں
آیا۔ اریہ اور عماد الدین سمرقند میں گنماں کی حیثیت میں محفوظ ہیں۔ اگر ان دونوں کو
یہاں بلا لیا گیا تو ان کی حفاظت میرے لیے ایک مسئلہ بن کر کھڑی ہو جائے گی۔ اس
وقت کسی کو کوئی خبر نہیں ہے کہ کون میری بیوی اور کون میرا بیٹا ہے۔ اگر میں ان
دونوں کو یہاں بلاتا ہوں تو ان دونوں کا سب کو پتہ چل جائے گا۔ لہذا ان دونوں
کی حفاظت ایک مسئلہ بن جائے گی۔ میں پہلے ہی انجیلینا سے متعلق بے حد فکر مند
ہوں۔ تم جانتے ہو کہ خلیل صرف میرا ہی نہیں انجیلینا کا بھی بدترین دشمن ہے کہ اس نے
مجھے اس پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے ساتھ اپنی منگنی کو توڑ دیا۔ لہذا وہ ضرور اس سے

ایلاق کے جلتے ہی ایجلینا نے فوراً نورالدین سے کہا - "اے امیر! اس وقت میرے ذہن میں بہت سے ایسے سوالات ہیں جو میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں اور ان کا آپ کی طرف سے تسلی بخش جواب جواب چاہتی ہوں۔"

نورالدین نے دوسرے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا - "آؤ وہاں بیٹھ کر سکون سے گفتگو کرتے ہیں۔ پھر وہ دونوں دوسرے کمرے میں جا بیٹھے تھے۔

نورالدین کے سامنے بیٹھتے ہوئے ایجلینا نے انتہائی محبتوں اور چاہتوں میں ڈوبی ہوئی اپنی آواز میں کہا - "اے امیر! پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے اپنے لشکر کو منتشر کیوں کر دیا ہے۔ کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ اپنے لشکر کے بغیر آپ اب اس مسافر جیسے ہو کر رہ گئے ہیں جس نے اپنا برسوں پر محیط زندگی کا سفر اپنے دشمنوں میں سے ہو کر گزارنا ہو۔"

اے امیر! آپ کے لشکر کو منتشر کرنے پر غلیل اب سمرقند میں اپنے آپ کو اور زیادہ مضبوط اور پُر قوت محسوس کرنے لگے گا۔ اے امیر! سمرقند کے اندر غلیل نے مے نوشی اور قص و طرب کی محفلوں کا دور تو پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ اسے سب سے زیادہ خطرہ آپ ہی کی جانب سے تھا۔ اب آپ کے یوں ایک طرف ہو جانے سے آپ جانتے ہیں سمرقند کے اندر کیا ہوگا۔

سمرقند کی گلی گلی کا بدن دریدہ اور ہر ٹہنی پر تازہ کونیل لہو لہو ہو کر رہ جائے گی۔ اشجار کا بدن دکھے گا۔ بیل کی آنکھوں میں غم۔ فاختاؤں کے لہجوں میں سسکیاں ہوں گی۔ لوگ دکھ کے عمیق زخموں، سوچوں کے بوجھ اور نفرت کی وحشتی آتش میں ڈوبے رہیں گے۔

بوکے اغلاص اور ماحول کی تطہیر سے محروم اہل سمرقند ہوس کے شیطاں اور بدنیت خواہشوں کے گماشتوں کا شکار رہیں گے۔ لوگوں کی سماعتوں پر پرے ہوں گے اور زبانیں پتھر کی سیل کر دی جائیں گی۔ آہ! بدی کا پرستار غلیل سمرقند کے گلی کوچوں میں وحشت کی پت بھڑ، انتقام کے انگاروں اور گناہ آلود سیاہ فاموشی

جیسا ماحول پیدا کر دے گا۔

اے امیر! سمرقند کے لوگوں کے ساتھ غلیل کی حکمرانی میں یوں گناہ اور بدیال ف ہو جائیں گی جس طرح نیندیں رات سے اگھتی ہیں۔ جس طرح جوان جذبوں سے بوڑھی سوجھیں چپک جاتی ہیں، اے امیر! سمرقند کے اندر ادہام کے زنگار اور کالے سایوں کا راج ہوگا۔ لوگ بے اماں رات کی رُحوں کی طرح مضطرب و بے چین ہو کر رہ جائیں گے۔

اے امیر! اپنے لشکر کو چھوڑ کر آپ اس سرائے میں آپڑے ہیں۔ سمرقند کے حالات کی آپ کو کیسے خبر ہوگی۔ کیسے آپ کو معلوم ہوگا کہ غلیل کے خلاف لوگ کب اور کس وقت آپ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

ایجلینا جب خاموش ہوئی تب نورالدین نے پوچھا - "اے ایجلینا! کیا تم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر سنو! میں یوں ہی لشکر کو منتشر کر کے اس سرائے میں نہیں آ بیٹھا۔ میرا اپنے لشکر کے ساتھ باقاعدہ تعلق اور رابطہ رہے گا اللہ داد جو میرے ساتھ ہندوستان کے حملوں میں میرے نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے۔ وہ مجھے سب حالات سے مطلع رکھے گا۔ میں اور اس نے مل کر امیر تیمور کے چند انتہائی قابل اعتماد ناظروں کا انتخاب بھی کر لیا ہے اور ان ہی ناظروں کے ذریعے اللہ داد مجھے سارے حالات سے باخبر رکھے گا۔"

اے ایجلینا! تم مطمئن رہو، میں نے حالات کو دریا کی روانی کی طرح بے زنجیر نہیں چھوڑا۔ عنقریب تم دیکھو گی کہ ہر شے میری گرفت میں ہے۔"

نورالدین کے خاموش ہونے پر اچانک ایجلینا حرکت میں آئی۔ آگے بڑھ کر اس نے فوراً نورالدین کے ہاتھ چوم لیے۔ پھر اس نے انتہائی عقیدت بھری آواز

لے تاریخِ فترتہ کا مولف بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں اللہ داد، نورالدین کے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔

میں کہا۔ "اے امیر! بخدا آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ آپ نے وہی کچھ کیا جو میرا دل چاہتا تھا۔ اے امیر! میرے ہر دست طلب کی اٹھان آپ کے لیے میری ہر دعا کا ہر لفظ آپ کی خاطر۔ میرا نصیب، میری تقدیر کے فیصلوں کی ہر عبارت آپ سے منسوب ہے۔

اے امیر! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہر اہل اللہ اپنی نیم شب کی ریاضتوں میں آپ کی درازی عمر کا دعا گو ہوگا۔ ہر دینے کی مدھم لو کے اندر آپ کا ذکر ہوگا۔ ہر دل کی صدا میں آپ کے نام کی پکار ہوگی۔ سمرقند میں خوشبو کی طرح پھیلی ہر رات آپ سے متعلق فکر مند ہوگی۔

ذرا رک کر انجیلینا نے پھر کہا۔ "اے امیر! آپ نے میرے ایک سوال کا تو تسلی بخش جواب دے دیا ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ سمرقند سے نکل کر شمالی علاقوں کی طرف کیوں نکل جانا چاہتے ہیں؟"

نور الدین نے کہا۔ "اے انجیلینا! امیر تیمور کے فیصلے اور وصیت کے مطابق تاج و تخت اس کے حقدار کے حوالے کر کے میں گناہی کی پرسکون زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ تیمور کے ساتھ تو میرا گزارہ ہو گیا تھا لیکن اس کے بیٹے اور اس کے پوتوں کے درمیان میری ذات تقسیم ہو کر رہ جائے گی اور میں اپنے آپ کے لیے یہ الجھاؤ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے میں گوشہ گیر ہو جانا چاہتا ہوں۔"

انجیلینا نے شوق سے نور الدین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اور اپنے ساتھ کس کس کو لے کر جائیں گے؟"

انجیلینا کے اس سوال پر نور الدین کی گردن جھک گئی اور وہ سوچنے لگا تھا۔ نور الدین کو یوں تفکرات میں ڈوبا دیکھ کر انجیلینا بے چاری کی حالت غروب آفتاب کے آخری اجالوں جیسی دیران بستی بستی صحرا صحراروتے بادلوں جیسی اجاڑ، سہمی سہمی اور بجھی بجھی شام جیسی سنسان قسمت کی زنجیروں جیسی پریشان کن اور کفن کی دھجیوں جیسی پراگندہ ہو کر رہ گئی۔

تھوڑی دیر بعد نور الدین نے اپنا سر اٹھایا۔ غور سے انجیلینا کی طرف اور کہا۔ "اے انجیلینا! جو لوگ میرے ساتھ جائیں گے ان میں تم بھی شامل کی۔" نور الدین سے یہ الفاظ سن کر انجیلینا سردیوں کی دھندلی صبح جیسی خوش اور دھلے ہوئے آلود بخار سے جیسی تروتازہ اور شاداب ہو کر رہ گئی تھی۔

اس موقع پر وہ نور الدین سے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایلاق اُن کا کھ آیا۔ پھر وہ دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔



لیا۔ پھر ان دونوں کو اس نے اپنے لشکر میں اپنا نائب مقرر کیا اور دیگر سب سرداروں کو ان دونوں کی اطاعت اور اتباع کرنے کا اس نے حکم دیا۔ پھر ان دونوں کے ساتھ مل کر شہزادہ خلیل نے شراب پی۔ جام سے جام ٹکرائے اور ان دونوں سے خلیل نے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اس کے غلصہ و فرمانبردار بن کر رہیں گے۔ اس کے علاوہ خلیل نے ان دونوں کے ساتھ مستقبل کے لیے بڑے خوش نما اور خوش آمد و وعد بھی کیے۔



پیر محمد کو مکمل طور پر یقین تھا کہ وہ خلیل کو عبرت ناک شکست دے کر نہ صرف یہ کہ تیمور نے اس سے متعلق جو جانشینی کی وصیت کی تھی اس پر پورا اترے گا بلکہ خلیل نے شہر کے اندر بدی کی تشہیر اور گناہ کی جو آنا دی دی ہے اسے بھی ختم کر کے رکھ دے گا۔

جب وہ سمرقند سے نزدیک گیا تو خلیل کے کمال برأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کھلے میدان میں پیر محمد کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پیر محمد پھر بھی اپنی جگہ پر مطمئن تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتا تھا خلیل کوئی خاص جنگی مہارت نہ رکھتا تھا۔ لیکن امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں نے اس کی کوپرا کر دیا۔

جب دونوں لشکروں کی جنگ شروع ہوئی تو خلیل نے سامنے سے۔ امیر شاہ نے بائیں اور شیخ محمد نے دائیں طرف سے حملہ کیا۔ قریب تھا کہ پیر محمد اپنے سامنے آنے والے خلیل کو عبرت ناک شکست دے دیتا لیکن دائیں بائیں سے امیر شاہ اور شیخ محمد نے ایسے خوفناک انداز میں حملہ کیا کہ پیر محمد کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے لشکر کا ایک بڑا حصہ میدان جنگ میں کٹ مرا اور بچے کچھے لشکر کے ساتھ پیر محمد بھاگ کر کوہستانی سلسلے میں روپوش ہو گیا۔

پیر محمد کو بدترین شکست دینے کے بعد خلیل نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس موقع پر اگر خلیل تعاقب کرتا تو یقیناً پیر محمد



نور الدین ابھی تک ایلاق کی سرانے میں ہی ایغلین کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا کہ شہزادہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے سمرقند پہنچ گیا۔ دوسری طرف شہزادہ خلیل کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ امیر تیمور نے مرتے وقت پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لہذا وہ پیر محمد کو ہی اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا سمجھتا تھا۔ لہذا اس نے سوچ لیا تھا کہ شاہ رخ تو خراسان میں ہے۔ نور الدین پہلے ہی اپنے لشکر کو منتشر کر کے روپوش ہو چکا ہے۔ اور اگر وہ کسی طرح پیر محمد سے نمٹ لے تو پھر سمرقند کا تاج و تخت کوئی اس سے چھین نہ سکے گا۔

خلیل نے دو کام کیے۔ ایک تو اس نے اپنے کچھ خفیہ آدمی نور الدین کی تلاش میں لگا دیے اور انہیں اس نے حکم دیا کہ وہ نور الدین ادا نیغلینا کو ہر صورت میں زندہ گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کریں۔

دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ جب اسے خبر ہوئی کہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند پہنچ گیا ہے تو اس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کو طلب کیا۔ یہ دونوں تیمور کے بہترین جرنیلوں میں سے تھے۔ انسانی خون بہانے اور تباہی و بربادی پھیلانے میں یہ دونوں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان دونوں کو خلیل نے خوب زور و جاہرات سے نوازا۔ اپنے اہتمام میں

کے لیے بہت سی دشواریاں کھڑی ہو سکتی تھیں لیکن یہ فتح چونکہ خلیل کی امیدوں سے کہیں زیادہ تھی۔ لہذا اس نے اسی پر اکتفا کیا اور پیر محمد کا تعاقب نہ کیا۔ لہذا پیر محمد کو اپنے باقی ماندہ لشکریوں کے ساتھ کوہستانوں کے اندر پناہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اس فتح کے بعد خلیل جب سمرقند میں داخل ہوا تو سمرقند کی ملکہ شادی ملک نے اس فتح پر ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا۔ اس جشن کے موقع پر لوگوں کو شاہی نوازانے سے خوب نوازا گیا اور اس جشن ہی کے دوران شہزادہ خلیل نے امیر شاہ کو اپنے لشکر کا سالار اعلیٰ اور شیخ محمد کو اس کا نائب مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح نہ صرف خلیل بلکہ امیر شاہ اور شیخ محمد کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے۔



سراے کا مالک ایلاق بھاگتا ہوا نورالدین کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت نورالدین اور انجیلینا دونوں آتش دان میں جلتی آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے باہر ہلکی ہلکی برف باری جاری تھی۔ ایلاق کو یوں بدحواسی کی حالت میں آتے دیکھ کر نورالدین اور انجیلینا پریشان ہو کر فوراً اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایلاق نے آتے ہی پھولی ہوئی مانتوں میں کہا۔

”اے امیر! میں ایک بُری خبر لے کر آیا ہوں۔ ابھی ابھی ایک مسافر سمرقند کی طرف سے آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ سمرقند سے باہر خلیل اور پیر محمد کے درمیان جنگ ہوئی جس میں خلیل کو فتح اور پیر محمد کو بدترین شکست ہوئی ہے وہ مسافر کہہ رہا تھا کہ پیر محمد شکست کھانے کے بعد میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور اب وہ اپنے بچے بچے لشکر کے ساتھ سمرقند کے جنوبی کوہستانی سلسلے کے اندر روپوش ہو گیا ہے۔“

نورالدین نے پریشانی کی حالت میں ایلاق سے پوچھا: یہ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے کب لوٹا؟ کب یہ جنگ ہوئی اور کیسے خلیل اسے شکست

دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ایلاق نے اس بار اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھالتے ہوئے کہا: ”اے امیر! وہ مسافر بتا رہا تھا کہ خلیل نے امیر تیمور کے جرنیل امیر شاہ اور شیخ محمد سے کام لیا ہے اور اس جنگ میں فتح کے بعد خلیل نے امیر شاہ کو اپنے لشکر کا سالار اعلیٰ اور شیخ محمد کو اس کا نائب مقرر کیا ہے۔“

اس پر نورالدین نے تعجب میں سر ہلاتے ہوئے کہا: ”اچھا تو اب میں سمجھا کہ پیر محمد کو شکست دینے کے کون سے عوامل ہیں۔ تو امیر شاہ اور شیخ محمد امیر تیمور کی وصیت کے خلاف بدعتی اور فحش حرامی کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اے ایلاق خلیل کے ساتھ یہ دونوں بھی اپنے انجام سے بچ نہ سکیں گے۔“

اے ایلاق! اب وقت آگیا ہے کہ میں کھل کر سامنے آؤں اور جو اپنا لشکر میں نے منتشر کر دیا تھا اسے میں امیر تیمور کی وصیت کی تکمیل کے لیے پکارتوں اور مجھے اُمید ہے کہ میری پکار پر لشکری ضرور لبیک کہیں گے۔ اے ایلاق! تم ابھی اصطبل کی طرف جاؤ اور میرا گھوڑا تیار کرادو۔ میں ابھی اور اسی وقت کوہستانی سلسلے میں پیر محمد کی طرف جاؤں گا اور اس سے ملنے کے بعد پھر میں خلیل کے خلاف کوئی عملی قدم اٹھاؤں گا۔“

ایلاق نے پریشانی اور فکر مندی میں کہا: ”اے امیر! کیا اس برف باری اور نواب موسم میں آپ سمرقند کے جنوبی کوہستانوں کی طرف جائیں گے۔ میرا خیال ہے موسم ٹھیک ہونے دیں، یا یہ برف باری ہی رک جائے تب آپ یہ قدم اٹھائیں۔“

نورالدین نے جھلاتے ہوئے کہا: ”نہیں ایلاق ایسا نہیں ہو سکتا اگرچہ چند روز تک یہ برف باری نہ رکی تو کیا میں اپنے اس کمرے میں تفکرات کا امیر اور صلیو جیسے طویل لمحوں کا شمار کنندہ بن کر بیٹھا رہوں گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے کوچ کروں گا۔ میرے گھوڑے کو تیار کرنے کے علاوہ تم ایک درکام بھی کرنا۔ سمرقند کی طرف جانا اور وہاں سے اریہ اور عماد الدین کو نکال کر یہاں لے

آنا۔ میں نہیں جانتا کہ اب حالات کیا کر ڈٹ لیں گے۔ بہر حال خلیل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سمرقند پر مبتلا ضرور آئے گی۔ لہذا تم اریسہ اور عماد الدین کو نکال کر یہاں لے آنا۔ میری غیریت بتانے کے علاوہ اریسہ کو تسلی بھی دینا۔ خلیل سے نمٹنے کے بعد میں پھر یہیں سے ان دونوں کو لے کر شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ لہذا تم فوراً میرا گھوڑا تیار کرو۔“

ایلاق جب باہر جا رہا تھا تو اینجلینا نے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے ایلاق! میرے بھائی! میرا گھوڑا بھی تیار کرنا کہ میں بھی امیر نور الدین کے ساتھ بھی اور اسی وقت یہاں سے روانہ ہوں گی۔“

نور الدین نے پریشانی میں پوچھا۔ یہ تم کیا کر رہی اینجلینا! تم یہیں رہو۔ یہ ساری مہم نمٹا کر میں اسی سرائے میں تم سے آملوں گا۔“

اس موقع پر اینجلینا نے کمال اپنا نیت میں کہا۔ اے امیر! آپ جانتے ہیں جسمانی و روحانی، دنیاوی اور اخروی سب لحاظ سے اپنے آپ کو آپ سے وابستہ کر چکی ہوں۔ میری زیست کی آپ آخری پونجی میں پھر میں کیونکر آپ کو اکیلا جانے دوں گی۔ اے امیر! میں آپ کے ساتھ جاؤں گی اور آپ کے ساتھ رہوں گی بلکہ ایسے ہی جیسے گزشتہ جنگوں میں آپ کے ساتھ رہی ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے یہاں روکنے پر رضہ نہ کریں گے۔“

نور الدین نے ایک طرح سے مار مانتے ہوئے کہا۔ اے اینجلینا! اگر تم ابھی ہی بضد ہو تو پھر تیار ہو جاؤ اور چلیں۔“

اینجلینا کے چہرے پر خوش رنگ تحریریں بکھر گئی تھیں۔ فرحت آمیز اور سکون آفرین جذبے اس کے چہرے پر قفس کرنے لگے تھے۔ پھر وہ بھاگ بھاگ کر اپنا اور نور الدین کا ضروری سامان چرمی خربینوں میں ڈالنے لگی تھی۔ پھر وہ بھاگ کر نور الدین کے پاس آئی اور خوش گوار ہجے میں اس نے کہا۔ آپ اپنا جنگی لباس پہنیں اتنی دیر تک میں زنان خانے سے ہو کر آتی ہوں۔“

نور الدین کے اثبات میں سر ہلانے پر اینجلینا زنان خانے کی طرف چلی گئی تھی نور الدین نے مضبوط کٹڑیوں کی آہنی زرہ پہنی۔ سر پر اپنا چمکتا ہوا آہنی خود جایا۔ تلوار اور خنجر کی پیٹی درست کر کے باندھی۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی پشت پر ڈھال اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش باندھنے کے بعد اپنے کندھے سے اپنی بھاری کمان بھی لٹکالی تھی۔

اتنی دیر تک اینجلینا بھی ایلاق کے گھر کی عورتوں سے مل کر واپس آگئی۔ اس نے بھی اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال رکھی تھی۔ پھر وہ دونوں کمرے سے نکل کر اصطبل کی طرف بڑھے تھے۔

جب وہ دونوں اصطبل میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا ایلاق ان دونوں کے گھوڑوں پر زینیں ڈالوانے کے بعد وہیں کھڑا تھا۔

نور الدین نے ایلاق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ایلاق! میرے عزیز! میں اب روانہ ہوتا ہوں۔ اینجلینا بھی میرے ساتھ جائے گی۔ تم آج یا کل جب بھی فرصت ملے اریسہ اور عماد الدین کو سمرقند سے نکال کر یہاں لے آنا اور اس کے علاوہ — نور الدین کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور چونک سا پڑا کیوں کہ ایک سوار اپنے گھوڑے کو مارتا بھگتا سرائے میں داخل ہوا تھا۔ اس پر نور الدین نے فکر مند ہجے میں کہا۔ یہ تو ان ناظروں میں سے ایک ہے جنہوں نے میرے اور اللہ داد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرنا تھا۔“

اس موقع پر اینجلینا نے بدحاشی میں کہا۔ خلا غیر کرے۔ ایسا لگتا ہے یہ کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے، یا سمرقند کے اندر کوئی انقلاب آگیا ہے اور یہ اس کی آپ کو خبر دینے آیا ہے۔“

نور الدین نے اینجلینا کو کوئی جواب نہ دیا اور اس ناظر کو آواز دے کر اس نے اپنی طرف بلایا۔

وہ ناظر گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اصطبل کی طرف آیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے

نور الدین سے سلام کہا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "اے امیر! حالات بڑی تیزی سے پلٹا کھا گئے ہیں۔ پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان سے سمرقند پہنچا تھا۔ لیکن ایک ہولناک جنگ میں غیل نے اسے شکست دے دی ہے۔ اس کے بعد آپ کی ہدایات کے مطابق اللہ داد حرکت میں آیا۔ اس نے آپ کے سارے لشکریوں کو پیغام پہنچایا کہ وہ اکاؤنٹا ہو کر شہر سے نکلیں اور جنوبی کوہستانوں کے اندر پیر محمد سے جا ملیں۔ اب آپ کا سارا لشکر شہر سے نکل کر پیر محمد کے پاس جا چکا ہے۔ خود اللہ داد بھی اس وقت پیر محمد کے پاس پہنچ چکا ہے۔

ایں اور میرا ایک ساتھی آپ کی طرف آرہے تھے کیوں کہ پیر محمد اور اللہ داد نے ہمیں حکم دیا تھا کہ آپ کو بلا کر لائیں لیکن قسمتی سے راستے میں غیل کے جاسوسوں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ گئی۔ انہوں نے ہمیں مشکوک جانا اور ہم دونوں کا تعاقب کیا۔

اے امیر! غیل کے وہ جاسوس تعداد میں چھ تھے۔ ان میں سے چار نے مل کر میرے ساتھی کو پکڑ لیا اور دُونے میرا تعاقب کیا اور جن چار نے میرے ساتھی کو پکڑا وہ چاروں بھی یہاں سے تھوڑی ہی دور میرے ساتھی کو لیے اس انتظار میں کھڑے ہیں تاکہ ان کے دونوں ساتھی مجھے بھی پکڑ لائیں اور یوں ہم دونوں کو ایک ساتھ غیل کے سامنے پیش کر کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اے امیر! میں نے ایک موڑ پر اپنا تعاقب کرنے والوں کو ایک جگہ تو دیا تھا۔ لہذا اب وہ دونوں تعاقب کرنے والے اس وقت نہ جانے کہاں مجھے تلاش کرتے۔ وہ ناظر کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کیونکہ اس کا تعاقب کرنے والے دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے ادھر آگئے تھے اور انہوں نے سرانے کے احاطے کی نیچی دیوار کے اوپر سے ناظر کے اصطلب کے سامنے کھڑے ہوئے گھوڑے کو دیکھ بھی لیا تھا۔ اس موقع پر نور الدین فوراً حرکت میں آیا۔ شاید وہ جان گیا تھا کہ تعاقب کرنے والے پہنچ گئے ہیں۔

اس موقع پر ناظر نے بدحواسی میں کہا۔ "اے امیر! میرا تعاقب کرنے والے بھی پہنچ گئے ہیں۔"

نور الدین نے ناظر کو کوئی جواب نہ دیا۔ تیزی کے ساتھ اس نے اپنے ترکش سے چند تیر نکالے پھر اپنی کمان سنبھالتے ہوئے اس نے تیر چلا کر پڑھایا تھا۔ اس لمحہ اس کے چہرے پر خون کی حدتوں میں آن گزرت وحشی جذبے قص کر رہے تھے۔ پھر نور الدین نے تاک کر جو تیر چلایا تو بھاری پھل کا وزنی تیر سب سے اگلے سوار کی چھاتی کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ فضا میں ایک کر بناک چخ بلند کرتا ہوا وہ سوار اپنے گھوڑے سے گر گیا تھا۔

اس کے دونوں ساتھیوں نے وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن نور الدین نے اسی برق رفتاری سے ان پر تیر اندازی کی کہ ان دونوں کو بھی اس نے چھید کر رکھ دیا اور وہ تینوں اپنے گھوڑوں سے گر کر دم توڑ گئے تھے۔

پھر نور الدین نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اے ابلق! میں اب اس ناظر کے ساتھ جاتا ہوں۔ تم ان تینوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دینا۔" اس کے ساتھ ہی نور الدین اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس ناظر کو اس نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "چلو وہاں تک میری راہنمائی کرو جہاں غیل کے آدمی تمہارے ساتھی کو پکڑے ہوئے ہیں۔"

نور الدین کے کہنے پر وہ ناظر اور ایغلینا دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سرانے سے نکل گئے تھے۔ ارگوت کی اس بستی سے نکلنے کے بعد اب وہ ناظر نور الدین اور ایغلینا کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اب وہ اپنے گھوڑوں کو سمرقند کی طرف جانے والی شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

ایک جگہ اچانک اس ناظر نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کے ساتھ ہی نور الدین اور ایغلینا بھی اپنے گھوڑوں کی باگیں کھینچ چکے تھے۔ پھر اس ناظر نے اپنے دائیں طرف شاہراہ سے قریب ہی ایک وادی میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اے امیر!

ادھر دیکھیں وہ چاروں ابھی تک میرے ساتھی کو لیے کھڑے ہیں۔

نورالدین نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس نے اس طرف بھگا دیا تھا جہاں وہ چاروں دوسرے ناظر کو لیے کھڑے تھے۔ قریب جا کر نورالدین نے دیکھا۔ ان چاروں نے دوسرے ناظر کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ رکھے تھے۔ ان کے قریب جا کر اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے نورالدین نے انہیں حکماً نہ اندھا میں کہا۔ امیر تیمور کے اس ناظر کو چھوڑ دو! ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ان چاروں میں سے ایک نے نورالدین کو مخاطب کر کے کہا۔ اے امیر نورالدین! اچھا ہوا آپ خود ہی آگئے۔ ان ناظروں کے ذریعے ہم تو آپ ہی سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے یوں سامنے آ جانے پر اب یہ ناظر ہمارے لیے بیکار ہو چکا ہے۔

اے امیر! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمیں مل گئے ہیں۔ اب شہزادہ خلیل کی طرف سے ہم ساتوں کے ساتھ انعام کے حقدار ہو گئے۔ ہمارے تین ساتھی آپ کے ساتھ اس دوسرے ناظر کے تعاقب میں گئے تھے۔ وہ بھی اب لوٹنے ہی والے ہوں گے۔

اے امیر! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم عزت و احترام کے ساتھ آپ کو لے جا کر شہزادہ خلیل کے سامنے پیش کر دیں گے۔ وہ جیسا چاہے آپ کے ساتھ ملوک کرے اور اگر آپ نے کسی طرح کی مزاحمت کی تو پھر ہمیں آپ کو زبردستی پکڑ کر شہزادہ خلیل کے روبرو پیش کرنا ہوگا۔

اس گفتگو کے دوران نورالدین نے اس ناظر کی آڑ لیتے ہوئے ایک تیر اپنے ترکش سے نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا تھا اور کمان پر بھی اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ خلیل کا وہ ساتھی چند ثانیے رک کر پھر کہہ رہا تھا۔

اے امیر! یہ ہماری دوسری خوش قسمتی ہے کہ انجیلینا بھی آپ کے ساتھ ہے کیونکہ شہزادہ خلیل انجیلینا کی گرفتاری کا بھی بڑی طرح خواہاں ہے۔ اس طرح ہمارے

انعام کی رقم میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

خیل کا وہ آدمی جب خاموش ہوا تب نورالدین نے اُسے مخاطب کر کے کہا اے مورکھ انسان! اگر کوئی شخص آج تک عدم سے لوٹ کر آیا ہے تو تمہارے وہ تینوں ساتھی بھی تم سے آن ملیں گے۔ یاد رکھو ان تینوں کو میں موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ اس ناظر کو چھوڑ دو اور اگر تم نے انکار کیا تو میں موت کو تمہارے پاؤں کی زنجیر بنا کر تمہیں ریت پر لکھی ہوئی تحریر کی طرح مٹا دوں گا۔ اگر تم چاروں اپنے اسم و جسم اور اپنی نبض و نفس کی غیر چاہتے ہو تو اس ناظر کو چھوڑ دو۔

نورالدین ذرا رک کر پھر کہہ رہا تھا۔ اے فنا انجام انسانو! اس ناظر کو چھوڑ دو۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے نفوس میں طوفان اور تمہاری برساتیں میں زلزلہ طاری کر دوں قبل اس کے کہ تمہارے رشتوں کے پیوند اور تمہارے جسم و روح کے بندھن میں کھول دوں۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے لیے نفرتوں کی اداس رت اور مرگ کی پیش و بون جاؤں اس ناظر کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دو اور پھر تم چاروں اس ناظر سے ذرا دور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔

جب ان چاروں نے کوئی حرکت نہ کی تو نورالدین آندھیوں کے سفر اور سانپوں کی صاعقہ بردار گونج کی طرح حرکت میں آئے۔ اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا نیزہ اس نے ان میں سے ایک کے دے مارا اور دوسرے پر اس نے تیر چلا دیا تھا۔ نیزہ ان میں سے ایک کی کھوپڑی کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا جب کہ تیسرے ایک دوسرے پر سینہ چیر کر رکھ دیا تھا وہ دونوں چیخ و پکار کرتے ہوئے زمین پر گر گئے اور موت ان سے بغل گیر ہونے لگی تھی۔

اس کے ساتھ ہی نورالدین نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالی اور اپنی پوری خشیت کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس نے اپنے گھوڑے کو سخت مہمیز لگا کر ان کی طرف دوڑا دیا تھا۔

پھر نورالدین موجوں کے تلاطم، برق و شعلہ کی لپک، لمحوں کے طوفان اور فنا

ہوتی جا رہی تھی۔

جب نور الدین لشکر گاہ میں داخل ہوا تو نور الدین کے اپنے لشکر کے زور زور سے تکبیریں بلند کرتے ہوئے نور الدین کا دایمانہ استقبال کرنے لگے تھے۔ پہلے گھوڑے پر سوار ہاتھ لہرا لہرا کر اپنے لشکریوں کے نعروں کا جواب دیتا ہوا نور الدین انجلینا کے ساتھ دونوں ناظروں کی راہنمائی میں آگے بڑھتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں ناظر پیر محمد کے خیمے کے سامنے آ کر کے۔

اس وقت پیر محمد اور نور الدین کا نائب سالار اللہ داد خیمے سے باہر شاید نور الدین ہی کے منتظر کھڑے تھے۔ نور الدین ایک غصیلی جست کے ساتھ اپنے گھوڑے سے اُترا اور آگے بڑھ کر وہ باری باری پیر محمد اور اللہ داد سے باری باری گلے مل رہا تھا۔ انجلینا اور دونوں ناظر بھی اپنے گھوڑوں سے اُتر کھڑے ہوئے تھے۔

نور الدین سے ملنے کے بعد پیر محمد انجلینا کے قریب آیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا: "اے انجلینا! میری بہن! امیر نور الدین کے ساتھ ساتھ ہم تمہیں بھی لشکر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اے میری بہن! مجھے یہاں آ کر خبر ہوئی کہ اسقف یوحنا خلیل کے کسی آدمی کے تیروں کا شکار ہو گیا تھا۔ اے میری بہن! تیرے باپ کے مرنے کا ہم سب سب کو دکھ ہے۔ آہ! وہ امیر تیمور کے ساتھ ہی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

اے میری بہن! ہم سب کی نگاہوں میں تیری ایسی ہی عزت و توقیر ہوگی۔ جیسی تیرے باپ کی زندگی میں ہوا کرتی تھی۔

پیر محمد کہتے کہتے رک گیا کیونکہ اس کے خیمے کے زمان خانے سے اس کی بیوی نے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے انجلینا کو اندر بھیج دینے کے لیے کہا۔

پیر محمد نے انجلینا سے کہا: "اے انجلینا! میری بہن! تم اندر زنان خانے میں چلی جاؤ۔ تمہاری حیثیت ہمارے ہاں ہمارے گھر کے ایک فرد کی سی ہوگی۔

انجلینا نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے

کے انچل کی طرح ان پر حملہ آور ہوا اور صرف چند ہی لمحوں کے اندر اندر اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے بے بس کر کے ان کی گردنیں کاٹ کر رکھ دی تھیں۔ اتنی دیر تک ناظر آگے بڑھ کر اپنے ساتھی کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولنے لگا تھا۔

انجلینا اپنے گھوڑے کو نور الدین کے قریب لائی اور اپنے لال گول ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اس نے مترنم آواز میں کہا۔

"اے امیر! بخدا! آپ عظیم و عجیب شاہسوار ہیں۔ آپ یقیناً موت سے عینق تر اور حیات سے عجیب تر ہیں۔ قسم خداوند کی آپ کیا خوب سرکش آمدھی اور سیل وقت کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور ان چاروں کو موت کی گہری نیند سلا کر رکھ دیا ہے۔ کیا خوب آپ نے ان چاروں کو اجل کے سیاہ خانوں میں ڈال دیا ہے۔"

نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا: "اے انجلینا! میری ایسی تعریف نہ کرو کہ میں اپنی ذات میں مغرور و متکبر ہو جاؤں۔"

انجلینا نے بھی مسکراتے ہوئے کہا: "اے امیر! میں نے آپ کی تعریف نہیں کی بلکہ حقیقت بیان کی ہے۔"

اب نور الدین نے ان دونوں ناظروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "ان چاروں کی لاشوں کو یہاں دفن کر دو اور آؤ یہاں سے کوچ کریں۔ ان کے گھوڑوں کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں کہ بیشکر میں ہمارے کام آئیں گے۔"

وہ دونوں ناظر حرکت میں آئے۔ مرنے والے چاروں کی لاشوں کو انہوں نے ایک گڑھے میں دفن کر دیا اور اس کے بعد وہ چاروں دہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

○

شام سے تھوڑی دیر قبل وہ دونوں ناظر نور الدین اور انجلینا کو لے کر سمرقند کے جنوبی کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے۔ جہاں ایک بلند پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی کے اندر پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔

برف باری اس وقت بھی جاری تھی۔ فضا میں جنگل کی کالی رات کی طرح تاریک

سے اپنی چرمی خنجرین اتار لی اور نیچے کے زنانہ خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ نور الدین نے ان دونوں ناظروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب تم دونوں جاؤ۔ سمرقند اور اس کے نواح پر نظر رکھو اور اگر کوئی اہم بات ہو تو فوراً مجھے اس کی خبر کرو۔“ وہ دونوں ناظروں سے چلے گئے۔ جب کہ پیر محمد اور اللہ داد دونوں نور الدین کو لے کر اس محل نما نیچے میں داخل ہوئے تھے۔

نیچے میں پیر محمد اور اللہ داد کے سامنے بیٹھے ہی نور الدین نے پوچھا۔ ”سب سے پہلے آپ دونوں میرے ایک ایک سوال کا جواب دیں۔ اس کے بعد میں آئندہ کے لئے عمل سے متعلق آپ دونوں سے گفتگو کروں گا۔“

پیر محمد! آپ یہ بتائیے کہ یہ وادی جس کے اندر اس وقت آپ کا لشکر خیمہ زن ہے۔ اس میں اپنے لشکر کی حفاظت کے لیے آپ نے کیا حفاظتی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں؟

پیر محمد نے فوراً کہا۔ ”اے امیر! اس وادی کے اطراف میں جو پہاڑ ہیں ان پر میں نے اپنے ناظر بٹھار رکھے ہیں جو ہر خطرے کی صورت میں مجھے مطلع کریں گے اور جس قدر بھی کو ہستانی درے اس وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ ان پر میں نے اپنے تیر انداز بٹھار رکھے ہیں تاکہ ان دروں سے داخل ہو کر کوئی ہم پر شب خون نہ مار سکے اور اچانک حملہ نہ کر سکے۔“

نور الدین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”پیر محمد! بخدا تم نے ایسے ہی انتظامات کیے ہیں جن کی میں اُمید کر رہا تھا اور اے اللہ داد! اب تمہاری باری ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے اہل خانہ کا کیا کیا۔ وہ سمرقند میں ہیں یا تم انہیں وہاں سے نکال چکے ہو۔“

اللہ داد نے مطمئن انداز میں کہا۔ ”اے امیر! یہ دونوں ناظر جو آپ کے ساتھ آئے ہیں میں نے ان کے ساتھ اپنے اہل خانہ کو پہلے ہی سمرقند سے نکال دیا تھا اور اب میرے خاندان کے سب افراد اس وقت اس لشکر میں شامل ہیں۔“

نور الدین نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ ”آپ دونوں کی گفتگو سے مجھے اطمینان ہوا ہے اب میں بلا جھجک غنیل اور اس کے حواریوں کے خلاف کھل کر حرکت میں آسکوں گا۔“

نور الدین ذرا رکھا۔ چند ساعتوں کے لیے اس نے کچھ سوچا پھر پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ ”اے پیر محمد! آپ نے اندازہ لگایا کہ غنیل کے ہاتھوں آپ کو کیوں شکست ہوئی؟“

پیر محمد نے فوراً جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھتا ہوں غنیل اکیلا تو اس قابل نہ تھا کہ مجھے شکست دے دیتا لیکن میں آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی کہوں کہ امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں ہی غنیل کے ساتھ مل گئے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ دونوں کیسے خونخوار انسان ہیں۔ میں سمجھتا ہوں میری شکست کا باعث یہی امیر شاہ اور شیخ محمد ہی ہیں۔ اگر یہ دونوں غنیل کا ساتھ نہ دیتے تو اس وقت میں یقیناً اس وادی کے اندر خیمہ زن ہونے کے بجائے سمرقند شہر میں ہوتا۔ امیر شاہ اور شیخ محمد نے وائیں بائیں سے حملہ آور ہو کر میرے لشکر کے پاؤں اکھڑ کر رکھ دیئے تھے۔“

پیر محمد کی گفتگو سننے کے بعد نور الدین چند ثانیوں تک اپنی گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے پیر محمد کی طرف غور سے دیکھا اور کہا۔ ”اے پیر محمد! آپ سے بھی ایک غلطی ہوئی ورنہ میں جانتا ہوں امیر شاہ اور شیخ محمد کس قدر جنگی مہارت رکھنے والے سالار ہیں۔ آپ کو چاہئے تھا کہ سمرقند سے باہر کھلے میدانوں کے اندر غنیل کا مقابلہ کرنے سے قبل آپ نے کم از کم اللہ داد یا مجھ سے رابطہ قائم کیا ہوتا اس کا آپ ایسا کرتے تو حالات اس صورت حال سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں جس کا اس وقت ہم سامنا کر رہے ہیں۔“

بہر حال جو کچھ ہوا میں اس پر کھپتانے کا عادی نہیں ہوں۔ اب میرا فیصلہ یہ ہے کہ آج کی رات ہم اپنی تیاریاں مکمل کر لیں اور کل صبح ہی صبح سمرقند کی طرف بڑھیں اور شہر کا محاصرہ کر لیں۔“

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے نور الدین پھر کہہ رہا تھا۔ ”اے پیر محمد اور اللہ داد

میرے دونوں دوستو! ہمارے سمرقند کی طرف بڑھنے سے خلیل دوطرح کے ردِ عمل کا اظہار کر سکتا ہے۔ اول یہ کہ وہ حسبِ سابق شہر سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں ہمارا مقابلہ کرے گا۔ دوم یہ کہ وہ شہر کے اندر محصور ہو جائے گا اور مقابلے کو طویل دے کر ہمیں محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کرے گا۔

ان دونوں میں سے جو بھی صورتِ حال سامنے آئے ہم خلیل کو اپنے سامنے زیرِ دست کرنے کی کوشش کریں گے۔ ویسے میرا زیادہ تر خیال یہی ہے کہ خلیل، امیر شاہ اور خشیخ محمد کے ساتھ سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں مقابلہ کرے گا۔ اس لیے کہ ایک بار وہ آپ کو کھلے میدانوں میں شکست دے چکا ہے۔ اس سے خلیل کے حوصلے بلند ہیں وہ کھلے میدانوں میں ہی جنگ کرنے کو ترجیح دے گا تاکہ اپنی پہلی فتح کی طرح وہ اس فتح کو بھی یقینی بنائے۔

نور الدین کے خاموش ہونے پر پیر محمد نے کہا۔ "اے امیر نور الدین! کھلے میدانوں میں خلیل کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں نے بھی اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں ولی عہدی اور تیمور کی جانشینی سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خلیل کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد میں اس قابل نہیں رہا کہ سمرقند کے تخت و تاج کا مالک بنوں۔"

اے نور الدین! آنے والی اس جنگ میں میں خلیل کے خلاف پوری قوت سے حصّہ لوں گا پر جہاں تک سمرقند کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کا معاملہ ہے تو اے نور الدین! اس کے لیے میں آپ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری نسبت آپ سمرقند کے بہتر حکمران ثابت ہو سکتے ہیں لہذا میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آنے والی جنگ میں جب ہمیں فتح نصیب ہوگی تو خلیل کی جگہ اے امیر نور الدین! آپ سمرقند کے تاج و تخت کے مالک ہوں گے۔

نور الدین چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا یہاں تک کہ اُس نے غور سے پیر محمد کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہا۔ "اے پیر محمد! میں تمہاری اس بلند اخلاقی کی قدر کرتا ہوں کہ تم

نے اپنے آپ کو تخت و تاج کے قابل نہ سمجھتے ہوئے مجھے اس کا حق دار بنا دیا ہے لیکن اے پیر محمد! میں حکومت اور حکمرانی کے ان کبھیڑوں میں پڑنے والا نہیں ہوں۔ تم تخت و تاج سے دست بردار ہو چکے ہو تو پھر میں آج چند تیز رفتا قاصدوں کو خراسان کی طرف روانہ کرتا ہوں اور شاہ رخ کو یہاں بلاتا ہوں تاکہ وہ امیر تیمور کے فرزند کی حیثیت سے خود اکر سمرقند کے تخت و تاج کو سنبھال لے۔

اے پیر محمد! جس طرح تم سمرقند کے تاج و تخت سے دست بردار ہوئے ہو ایسے ہی میں بھی ان سے دست بردار ہوتا ہوں۔ میں ان میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور یہ حکومت شاہ رخ کے حوالے کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں سمرقند سے نکل کر شمالی قلعوں کی طرف نکل جاؤں گا اور اپنی بقیہ زندگی وہاں گوشہ گیری اور گمنامی میں گزار دوں گا۔"

نور الدین کے خاموش ہونے پر پیر محمد نے اس بار کسی قدر رازداری سے پوچھا۔ "اے امیر! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ انجلینا سے شادی کر چکے ہیں؟"

اس پر نور الدین نے چونک کر پیر محمد کی طرف دیکھا اور کہا۔ "نہیں پیر محمد! ایسا نہیں ہے۔ میں نے انجلینا سے شادی نہیں کی۔ تم جانتے ہو میں پہلے ہی سمرقند میں ایک لڑکی سے شادی کر چکا ہوں اور اس سے میرا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام عماد الدین ہے اور یہ ساری باتیں میں نے امیر تیمور کو اُن کی موت سے پہلے بتادی تھیں۔ گو میری بیوی اور بچہ اس وقت سمرقند شہر میں ہے لیکن میرا ایک عزیز اور غلص دوست آج ہی انہیں سمرقند سے نکال کر دریلے سیر کے کنارے ایک قصبے کی سرائے میں لے جائے گا اور سمرقند کا یہ تاج و تخت شاہ رخ کے حوالے کرنے کے بعد میں اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ اُسی سرائے سے شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔

پیر محمد اور اللہ داؤ کو نور الدین کے ان انکشافات پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ دونوں کچھ پوچھنا ہی چاہتے تھے کہ چند جوان ان تینوں کا کھانا لے کر خیمہ میں داخل ہو کر پھر وہ تینوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

○
سمرقند شہر میں شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ ہر طرقت صدیوں کے زنگ آلود محرابوں اور پرانی مداخلوں کے کھنڈرات جیسی خاموشی اور سکوت طاری تھا۔ سروکھراؤ رات راست امیدوں کی قوس قزاح اور کی گہری گھٹاؤں سے بچتی بھاگی جا رہی تھی۔ آکاش کے تیرد بھی تک تبدیل نہ ہوئے تھے اور خوابیدہ رات کے اندر برف باری اب بھی جاری تھی۔ ہر شے یادوں کے بادبان اور قسمت کے پیالوں کے زہر جیسی ویران اور محرومیوں کی داستانِ دل کے سمرا اور خوابوں کی مساری جیسی اُداس تھی۔

ایسے میں شہزادہ اس کی ماں خانزادہ اور اس کی بیوی اور سمرقند کی ملکہ شادی ملک نشا ہی محل کے ایک کمرے میں خاموش اور متفکر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کی حالت سے ایسا لگتا تھا گویا ان تینوں کو کسی کافیت سے انتظار ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس کمرے میں امیر شاہ اور شیخ محمد داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی شہزادہ خلیل نے تڑپ کر کہا: "تم دونوں نے بہت دیر کروی مجھے بڑی شدت کے ساتھ تم دونوں کا انتظار تھا۔"

امیر شاہ نے پریشانی کی حالت میں پوچھا: "اے آقا! کیا کوئی خلاف معمول حادثہ ہوا ہے جو آپ شدت سے ہم دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

شہزادہ خلیل نے اپنے سامنے خالی نشستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تم دونوں بیٹھو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔"

جب امیر شاہ اور شیخ محمد ہاں بیٹھ گئے تب شہزادہ خلیل نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے میرے عزیز و حالات ہمارے خلاف اچانک ہی تبدیل ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ تھوڑی ہی پہلے میرے ناظر یہ خبر لائے ہیں کہ نور الدین اور اللہ داؤد بھی پیر محمد کے ساتھ جا ملے ہیں اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ گزشتہ دنوں نور الدین کے لشکر کی اکاؤ گاؤ کا ہو کر شہر سے نکلتے رہے ہیں اور اب حالت یہ ہے کہ نور الدین کا سارا لشکر پیر محمد کے پٹاؤ میں جا پہنچا ہے۔ اللہ داؤد بھی خفیہ طور پر سمرقند سے نکل کر پیر محمد

کے پاس ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ نور الدین بھی اپنی کسی خفیہ رزمین گاہ سے نکل کر پیر محمد کے ساتھ جا ملا ہے اور میرے ناظروں کی اطلاع کے مطابق اب یہ تینوں مل کر ایک مضبوط اور جوارِ لشکر کے ساتھ کل سمرقند پر حملہ آور ہوں گے۔

شہزادہ خلیل چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا: "اے میرے عزیزو! اب تم بتاؤ کہ نور الدین، پیر محمد اور اللہ داؤد کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں کیا اقدام کرنا چاہیے۔ کیا ہمیں سمرقند کے اندر محصور ہو جانا چاہیے یا کھلے میدانوں میں حسبِ سابق اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔"

شہزادہ خلیل کے اس سوال پر امیر شاہ اور شیخ محمد دونوں ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر سوچتے رہے پھر دونوں نے بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں کوئی مشورہ کیا۔ اُس کے بعد امیر شاہ نے شہزادہ خلیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے آقا! آپ کا کتنا درست ہے۔ حالات اب واقعی ایک نئی کروٹ لے رہے ہیں۔ امیر نور الدین، پیر محمد اور اللہ داؤد کا آپس میں متحد ہو جانا نہ صرف ایک بہت بڑی بات ہے بلکہ وہ ایک بہت بڑی قوت کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں ان تینوں کا مقابلہ کیا جائے اور مجھے اُمید ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ دنوں پیر محمد کے خلاف شاندار فتح حاصل کی ہے۔ ایسے ہی ہم ان تینوں کے خلاف بھی کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔"

شہزادہ خلیل چند ثانیوں تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا: "اے میرے عزیزو! تم کن میدانوں پر مجھے شہر سے باہر نکل کر نور الدین، پیر محمد اور اللہ داؤد کا مقابلہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہو، جب کہ میں، میری ماں خانزادہ اور میری بیوی شادی ملک تینوں مل کر یہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس بار ہم سمرقند میں محصورہ کر ان تینوں کا مقابلہ کریں گے۔"

شہزادہ خلیل کے خاموش ہونے پر امیر شاہ نے بولتے ہوئے کہا: "اے آقا! آپ کے سامنے میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کہ امیر نور الدین ایک ایسا جرنیل

ہے جو عظمتوں کے لالہ زار میں موجوں کے بیچ کتاب ، وقت کے فاصلوں میں منزلوں کی گرد ، دن کے اجالوں میں وشتوں کا غبار اور اندھیروں میں زندگی کی تڑپ بن کر نمودار ہونے والا ایک بے مثل و نایاب جرنیل ہے ۔

اگر آپ سمرقند شہر میں محصور ہو کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو پھر وہ اپنے محاصرے میں تنگی پیدا کر کے اور ہماری رسد و ملک کے سارے اسباب منقطع کر کے ہمیں اپنے سامنے بھٹکنے پر مجبور کر دے گا ۔

اے آقا ! ان ہی اسباب کی بنا پر میں اور شیخ محمد آپ کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ امیر نورالدین جیسے عظیم جرنیل کا مقابلہ سمرقند شہر سے نکل کر کھلے میدانوں میں کیا جائے ۔ اس طرح ہمارے لیے فتح مندی کی کوئی راہ نکل سکتی ہے ۔ وگرنہ اگر ہم سمرقند شہر میں محصور رہ کر امیر نورالدین کا مقابلہ کرتے ہیں تو یاد رکھیے رسد و ملک کے اسباب منقطع ہونے کے علاوہ ہمیں اس سے بھی ایک بڑی مصیبت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا ۔

شہزادہ خلیل نے چونکہ امیر شاہ کی طرف دیکھا پھر پوچھا ۔ اے امیر شاہ اگر ہم نورالدین ، پیر محمد اور اللہ داد کے مقابلہ میں سمرقند کے اندر محصور رہ کر اگر ان کا مقابلہ کرتے ہیں تو رسد و ملک کی رکاوٹ کے علاوہ ہمیں کون سی دوسری مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ جن کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو ۔

امیر شاہ نے بلا توقف کہا ۔ اے امیر ! اگر ہم سمرقند میں محصور رہ کر امیر نورالدین کا مقابلہ کرتے ہیں تو سب سے بڑی مصیبت ہمارے لیے یہ کھڑی ہوگی کہ سمرقند کے لوگ ہی ہمارا ساتھ چھوڑ کر آہستہ آہستہ امیر نورالدین کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے اور وہ اس طرح اے آقا ! کہ وقتی طور پر ہم نے سمرقند کے لوگوں کو خوب نوا کر اپنے ساتھ بلا لیا ہے اور وہ ان دونوں ہمارا دم بھی بھرتے ہیں لیکن جب امیر نورالدین پیر محمد اور اللہ داد سمرقند کا محاصرہ کریں گے ۔ یہ محاصرہ طویل پکڑتا چلا جائے گا ۔ شہر کے اندر کھانے پینے کی اشیاء کی کمی ہوتی چلی جائے گی تو لوگ از خود ہمیں چھوڑ کر امیر نورالدین کی طرف مائل ہونا شروع ہو جائیں گے ۔ اور وہ اس لیے کہ ماضی میں نورالدین ایک امیر کی

جہنیت سے اُن کے اندر مقبول و پسندیدہ رہا ہے اور پھر آپ کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ امیر تیمور نے نورالدین کو سمرقند شہر کا معتسب مقرر کیا تھا اور ایک معتسب کی حیثیت سے نورالدین نے شہر کے اندر بہترین کام سرانجام دیئے تھے ۔ ان ہی وجوہات کی بنا پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں جوں جوں محاصرہ طویل پکڑتا جائے گا سمرقند کے لوگ ہمیں چھوڑ کر اپنی ہمدردیوں کا ناطہ امیر نورالدین کے ساتھ جوڑتے چلے جائیں گے ۔

شہزادہ خلیل نے توصیفی انداز میں امیر شاہ اور شیخ محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ اے میرے عزیزو ! تمہارا فیصلہ یقیناً بہترین فیصلہ ہے اور جن بنیادوں پر تم دونوں نے فیصلہ کیا ہے میں انہیں حق بجانب سمجھتا ہوں ۔ لہذا اب ہمارا آخری فیصلہ یہ ہے کہ ہم شہر سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں نورالدین ، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کریں گے اور مجھے اُمید ہے کہ ہمیں پہلے کی طرح ان تینوں کے مقابلے میں بھی فتح مندی ہوگی ، اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی ہم سمرقند کے اندر محصور رہ کر اپنی فتح کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے ۔

میرے عزیزو ! تمہارے آنے سے قبل میں 'میری ماں خانزادہ اور میری بیوی شادی ملک نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم شہر کے اندر محصور رہ کر مقابلہ کریں گے اور آگ کے انکار اور کھولنا ہو یا پانی تیار رکھیں گے ۔ تاکہ جب حملہ آور سمرقند کی فہیل کے قریب آئیں ، تو ان کے اوپر ہم آگ کے انکار سے اور کھولنا ہو یا پانی پھینک کر انہیں دھوکہ بھانگنے پر مجبور کر دیں گے ۔ بہر حال یہ انتظامات اب بھی بحال رہیں گے اور سمرقند کی فہیل کے اوپر آگ کے انکاروں کے ڈھیر اور کھولنا ہو یا پانی تیار رکھا جائے گا ۔

اگر سمرقند کے کھلے میدان میں ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ان اسباب کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی اور خدا نخواستہ ہمیں شکست ہوئی تو ہم محصور رہ کر اور آگ کے انکار اور کھولنے پانی سے کام لے کر دشمن کو فہیل کے قریب نہ آنے دیں گے ۔ بس یہی آخری فیصلہ ہے ۔ لہذا اب تم دونوں جاؤ اور کل کھلے میدان میں نورالدین ، پیر محمد اور اللہ داد کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے لشکر کی تیاری مکمل کر لو ۔ اس کے ساتھ ہی امیر شاہ اور شیخ محمد

وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئے تھے۔

دوسرے دن گوہر بادی تھم گئی تھی لیکن ہوائیں اپنے شانوں پر چپختے چنگاڑتے ہل اٹھائے اب بھی نشتر دہن مسافروں کی طرح بھاگتی چلی جا رہی تھیں فضاؤں کے اندلیے خوابوں، اطمینان کے سایوں اور سلامتی کے گوشوں کا سا ایک خوب صورت سماں تھا۔ بادلوں کے بھلگنے کے باعث کبھی کبھی سورج نمودار ہو جانے باعث فضاؤں میں عنابی پھٹ پھٹا ہٹوں جیسی سرما کی زرد دھوپ بھی نمودار ہو جاتی تھی۔ ا

اتنے میں نور الدین، پیر محمد اور اللہ داد نے کوہستانوں سے گھری ہوئی اس دادی سے اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ نور الدین نے اس موقع پر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور دوسرے دو حصے اس نے پیر محمد اور اللہ داد کی کمانداری میں رکھے تھے۔ اس طرح یہ متحدہ لشکر بڑی تیزی کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھا تھا۔

نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند سے کچھ فاصلہ پر ہی تھا کہ اس کے ہی دونوں ناظر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اس کے پاس نمودار ہوئے جو گزشتہ دن اس کے پاس سے روانہ ہوئے تھے۔

جب وہ دونوں نور الدین کے پاس آئے تو نور الدین نے اپنے گھوڑے کو روکے بغیر ان سے پوچھا۔ 'اے میرے عزیزو! کیا تم کوئی اہم خبر لے کر آئے ہو؟'

ان دونوں ناظروں نے اپنے گھوڑوں کو موڑا اور پھر انہیں نور الدین کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ ہانکتے ہوئے ان میں سے ایک نے کہا۔ 'اے امیر! شہزادہ خلیل ابرقا اور شیخ محمد سمرقند سے باہر نکل کر کھلے میدانوں میں آپ سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ان کے جاسوس انہیں یہ خبر دے چکے ہیں کہ آپ سمرقند کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لہذا وہ کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ آپ کے منتظر ہیں۔'

اے امیر! اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور بھی انتظام کر رکھا ہے اور وہ یہ

کہ انہوں نے سمرقند کی فصیل کے اوپر آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی تیار کر رکھا ہے اگر اس جنگ میں انہیں فتح ہوئی تو پھر وہ ان اسباب سے کام نہ لیں گے اور اگر انہیں شکست ہوئی تو وہ شہر میں محصور ہو جائیں گے اور آپ کا لشکر اگر فصیل کے قریب گیا تو وہ اس کے اوپر کھولتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے پھینک کر اسے فوراً بجائے پرجبور کر دیں گے۔

اے امیر! اس وقت تو آپ تک پہنچانے کے لیے ہمارے پاس یہی اطلاعات ہیں۔ نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'اے میرے عزیزو! جس جانفشانی کے ساتھ تم میرے لیے کام کر رہے ہو اس کے لیے میں تم دونوں کا ممنون ہوں۔ اب تم جاؤ دشمن پر نگاہ رکھو مجھے امید ہے کہ ہم انشاء اللہ شہزادہ خلیل اور اس کے حواریوں کو کھلے میدان میں شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے ہمارے سامنے سمرقند شہر میں محصور ہونے کا عزم کیا تو یقیناً ہم اس کا بھی بندوبست کر لیں گے۔' اس کے ساتھ ہی وہ دونوں ناظر وہاں سے ہٹ گئے جب کہ نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ اور زیادہ تیزی کے ساتھ سمرقند کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

سمرقند سے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے۔ شہزادہ خلیل نے پہلے کی طرح اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ درمیانی حصے میں وہ نمودار ہوا جب کہ اپنے دائیں اور بائیں اس نے امیر شاہ اور شیخ محمد کو مقرر کیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جس طرح اپنے لشکر کو تین حصوں میں بانٹ کر گزشتہ دنوں پیر محمد کے خلاف فتح حاصل کی تھی ایسا ہی طریقہ وہ نور الدین کے خلاف بھی استعمال کرے گا۔ اس کے لیے اس نے سمرقند شہر کی فصیل کے اوپر جو اپنے محافظ مقرر رکھے تھے انہیں بھی تاکید کر دی تھی کہ اگر وہ اپنے لشکر کے ساتھ جنگ سے پیسا ہو کر شہر میں داخل ہوں اور نور الدین اپنے لشکر کے ساتھ تعاقب کرے تو نور الدین اور اس کے لشکر پر آگ کے

انگاردوں اور کھولتے پانی کی بارش کر دی جائے۔ اس طرح اپنے سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد شہزادہ خلیل جنگ کے لیے صف آرہوا تھا۔

دوسری طرف نورالدین نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ درمیان میں خود رہا اپنے بائیں طرف پیر محمد اور دائیں طرف اللہ داد اور کھا۔ اس طرح دونوں لشکر جب اپنی صفیں درست کر چکے تو ہر سمت سے طبل اور دفیں ہوناک انداز میں دہنٹی جانے لگی تھیں۔

جن کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی دیر تک جنگ شروع ہونے والی ہے۔ شہزادہ خلیل نے حملہ آور ہونے میں پہل کی۔ شاید ایسا کر کے وہ چاہتا تھا کہ اپنے پہلے ہی حملہ میں نورالدین کے لشکر کو ایسا نقصان پہنچائے کہ اس کے لشکر کی بدل ہو جائیں اور جب کہ اس کے اپنے لشکریوں کی حوصلہ افزائی ہو جو تجربات اسے پیر محمد کے ساتھ جنگ میں حاصل ہوئے تھے۔ یہاں اس کے وہ سارے ہی تجربات ناکام ثابت ہوئے تھے۔

اس کے حکم پر امیر شاہ اور شیخ محمد نے دائیں بائیں سے اللہ داد اور پیر محمد پر حملوں اور ظلم کی اندھی قوتوں کی طرح حملہ کیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ایسے تیز اور طوفانی حملے کر کے وہ اللہ داد اور پیر محمد دونوں کو درد اور ذبت کے قلم میں ڈبو کر رکھ دیں گے اور اس طرح وہ سپا ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔

لیکن اس بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لیے کہ نورالدین اس بار اپنے لشکر کے درمیان صبر کی چٹان اور کوششوں کی طرح ایسا وہ کھڑا تھا اور اس کی موجودگی میں اللہ داد اور پیر محمد دونوں ہی کے جوصلے بلند تھے۔ لہذا دونوں نے انتہائی کامیابی کے ساتھ امیر شاہ اور شیخ محمد کے حملوں کو روکتے ہوئے انہیں مافغانہ انداز اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس وقت شہزادہ خلیل کے لشکر کی حالت قابل دید تھی۔ جب شیروں نورالدین آوازوں کے سفر، عذاب رتوں کے شدید لمحوں، اذیتوں کے سمندر کی طرح خلیل کے

لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس حملے سے خلیل اور اس کے لشکریوں کو ایسا لگا تھا جیسے سات سمندروں کے طوفان اور مضطرب وحیران کر دینے والے صدیوں کے سرستہ لڑائیں پر چھانا شروع ہو گئے ہوں۔

اپنے سامنے آنے والے ہر لشکر کو کاٹتا ہوا نورالدین عدم کے دشت کے طوفان اور ابدی آرزوؤں کی طرح آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ شہزادہ خلیل کے لشکر کے اندر جا گھسا اور پھر وہ غیر فانی جذبوں اور کمر آلود شام کی طرح اپنے اطراف میں زبردست حملے کرتا ہوا اپنے دشمنوں کی سفلی خواہشات کا خاتمہ کرنے لگا تھا۔

شہزادہ خلیل کے لشکر کے اندر گھس کر نورالدین گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح چاروں سمت چھا گیا تھا اور اس نے بڑی تیزی کے ساتھ خلیل کے لشکر کو بے وقعت و بے نصیب اور بے شرف و بے توقیر کرنا شروع کر دیا تھا اور چاروں طرف دشمنوں کے لشکریوں پر حملہ آور ہو کر نہ صرف انہیں قدیم رموز اور کمنہ روایات کی طرح ختم کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ ان کے جسم اور روح دونوں ہی کو زخمی کر کے رکھ دیا تھا۔

شہزادہ خلیل کی حالت اب شب کی آخری ساعتوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے نورالدین نے لمحوں کے اندر اسے اپنی ہی بے بسی اور لاچارگی کا امیر بنا کر رکھ دیا ہو۔

شہزادہ خلیل نے جب محسوس کیا کہ نورالدین نے اس کی ہستی کے سارے ہی اسرار کو کھول کر رکھ دیا ہے اور اگر وہ سپا نہ ہوتا تو تھوڑی دیر تک نورالدین اسے بھی کاٹ کر رکھ دے گا تو شہزادہ خلیل نے امیر شاہ اور شیخ محمد سے مشورہ کیے بغیر سپا ہونا شروع کر دیا۔

گو وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اس کی اس سپائی کو دیکھتے ہوئے امیر شاہ اور شیخ محمد بھی پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں گے اور اس طرح وہ غایت کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر محصور ہو جائیں گے۔ نورالدین نے انہیں اس قدر آسانی سے سپا ہونے کا موقع بھی نہ دیا۔

جس وقت شہزادہ خلیل شہر کے صدر دروازے کی طرف پاپا ہو رہا تھا۔ اسی وقت نور الدین نے بھی ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور وہ یہ کہ اُس نے اپنے لشکر کو دو حصوں تقسیم کیا۔ ایک حصہ بائیں طرف شیخ محمد کے لشکر پر اور دوسرا حصہ امیر شاہ کی طرف حملہ آور ہوا تھا۔

اس طرح شہزادہ خلیل کو بُری طرح گھائل کرنے کے بعد نور الدین نے امیر شاہ اور شیخ محمد کے لشکریوں کو بھی بُری طرح زخمی کرنا شروع کر دیا تھا۔ امیر شاہ اور شیخ محمد نے جب دیکھا کہ سامنے کی طرف سے وہ پیر محمد اور اللہ داد کے لشکروں کا لشکارہ ہیں اور پشت کی طرف سے اُن پر امیر نور الدین حملہ آور ہو چکا ہے تو وہ انتہائی خوفزدہ ہوئے۔ لہذا انہوں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنے اپنے لشکر کو شہر کی طرف پاپا ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

اس طرح وہ دونوں بھی نور الدین پیر محمد اور اللہ داد کے آگے بھاگتے ہوئے شہزادہ خلیل کے ساتھ آئے تھے اور پھر ان تینوں کے لشکروں نے سمرقند کے صدر دروازے سے شہر میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔

نور الدین نے تھوڑی دُور تک ان کا تعاقب کیا اور ان کے لشکروں کو خوب مارا اور کاٹا۔ پھر شہر کی فصیل کے قریب جا کر نور الدین نے اپنے لشکر کو روک جانے کا حکم دے دیا تھا۔

شہزادہ خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے اپنے لشکر کو لے کر سمرقند میں داخل ہو گئے تھے اور شہر کے بھی دروازے انہوں نے بند کر دیئے تھے۔ جب کہ نور الدین کے اشارے پر اُس کا سارا لشکر جہاں تھا وہیں روک گیا تھا۔ اتنے میں ایک طرف سے پیر محمد اور اللہ داد اپنے گھوڑوں کو بھاگاتے ہوئے نور الدین کے پاس آئے اور پھر پیر محمد نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے توصیف و شکایات کے لیے جگے انداز میں کہا۔

اے امیر! میں آپ کو خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد کے خلاف اس شاندار فتح پر مبارک باد دیتا ہوں اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ فتح صرف آپ کی بہترین

منصوبہ بندی کے باعث ہوئی ہے۔ لیکن اے امیر! یہ آپ نے کیا کیا کہ اپنے لشکر کو کیوں آپ نے روک دیا۔ کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہ تھا کہ خلیل کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاتے اور اس طرح شہر پر قبضہ کرنا ہمارے لیے آسان ہو جاتا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔

اور اب سمرقند شہر پر قبضہ کرنا ہمارے لیے آسان نہ رہے گا۔ اس پر نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اے پیر محمد! میرے عزیز! تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ تم ناس عذاب، اس قربانیت کا اندازہ نہیں لگایا جو اس وقت ہم پر ٹوٹتی جب ہم خلیل کے لشکر کا تعاقب کرتے ہوئے شہر پناہ کے نزدیک جاتے۔

سنو میرے عزیز! امیر شاہ، خلیل اور شیخ محمد نے شہر کی فصیل کے اوپر آگ کے انگاروں اور کھولتے ہوئے پانی کا انتظام کر رکھا ہے اور شاید تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ خلیل کا جو لشکر ابھی ابھی ہمارے آگے آگے بھاگتا ہوا شہر میں داخل ہوا ہے اس کے سب سے پہلے حصے میں سُرخ رنگ کی جھنڈیاں تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خلیل کا لشکر ان جھنڈیوں تک ختم ہو جاتا ہے اور اُس کے بعد ہمارا لشکر ہے۔ پس جب وہ جھنڈیاں شہر میں داخل ہو جائیں تو پھر فصیل کے اوپر سے ہم پر کھوتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے برسائے جاتے۔

اور اگر ایسا ہوتا تو ہمارے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ پس اے پیر محمد! میں نے اسی عذاب سے بچنے کے لیے اپنے لشکر کو یہاں روک دیا ہے۔ یاد رکھو! سمرقند کی فصیل کے اوپر بیٹھے ہوئے محافظ یقیناً ڈکھ اور افسوس کا اظہار کر رہے ہوں گے کہ میں نے کیوں فصیل سے دُور ہی اپنے لشکر کو روک دیا ہے کیونکہ اس طرح اُنہیں ہم پر کھوتا پانی اور آگ برسانے کا موقع نہیں ملا۔

اس بار پیر محمد نے کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ اے امیر! آپ کا فیصلہ یقیناً درست ہے لیکن سمرقند میں داخل ہونا تو اب بھی ہمارے لیے ویسے کا ویسا ہی مشکل

والی سردی سے شکریوں سے پناہ مل سکے۔ خیمہ گاہ کے اندر جگہ جگہ آگ کے الماد روشن کر دیئے جائیں اور شکریوں کے لیے دوپہر کے کھانے کا بندوبست کیا جائے۔ اس طرح لشکر کو تھوڑی دیر سستانے کا موقع بھی مل جائے گا اور سپاہی تازہ دم ہو کر پھر کام کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

اور اے اللہ داد! دوپہر کے کھانے کے بعد تمہارے لیے ایک کام شروع ہو گا اور وہ کام یہ ہو گا اللہ داد! کہ لشکر کا ایک حصہ تمہارے ساتھ کر دیا جائے گا اور تم یہ سمرقند کے فوج میں جو درخت دیکھ رہے ہو انہیں کاٹ کر یہاں جمع کرتے جاؤ گے اور اے اللہ داد! ان درختوں کی لکڑی سے دو طرح کی چیزیں تیار کی جائیں گی۔ ایک بلند دیواریں ہوں گی جن کے نیچے پیٹے لگے ہوں گے اور ان دیواروں کو دھکیلتے ہوئے ہم شہر پناہ کے قریب لے جائیں گے اور ان دیواروں کی اوٹ میں رہ کر ہمارے تیر انداز شہر پناہ کے محافظوں پر تیر اندازی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور کریں گے اور دوسری چیز جو ہم ان درختوں کی لکڑی سے تیار کریں گے وہ فصیل کی بندی جیسی اونچی میڑھیاں ہوں گی۔ ان میڑھیوں کو اوپر سے ایک چھجے کی صورت میں ڈھانپ دیا جائے گا۔ ان میڑھیوں کو بھی شہر پناہ کی طرف دھکیلا جائے گا اور ان میڑھیوں کے ذریعے ہمارے لشکر کی سمرقند کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔

اول تو دیواروں کے پیچھے گھاٹ میں بیٹھے ہوئے ہمارے لشکر کی جب تیر اندازی کریں گے تو خیل کے محافظ آگ کے انگارے اور پانی ہم پر نہ پھینک سکیں گے اور اگر وہ ایسا کر بھی لیں تو میڑھیوں کے اوپر جو چھجے لگے ہوں گے ان کے باعث ہمارے ان لشکریوں کو نقصان نہ ہو گا جو شہر پناہ پر چڑھنے کی کوشش کریں گے اور چوں کہ دیواروں پر بھی فصیل کے اوپر سے پانی اور آگ پھینکی جائے گی لہذا لکڑی کی ان دیواروں کو بھی آگ نہ لگے گی۔ اس لیے کہ کھولتے پانی سے لکڑی کی وہ دیواریں بھیگ جائیں گی اور جب ان پر انگارے پھینکے جائیں گے تو آگ نہ پکڑ سکیں گی اور ان دیواروں پر پھینکا جانے والا پانی بھی اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہمارے لشکریوں پر

ہے۔ اس لیے کہ اب جب بھی ہم شہر پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھیں گے، یقیناً ہم پر آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی برسایا جائے گا۔ اس صورت میں ہم یقیناً پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوں گے۔ پھر اے امیر! ہم کیسے اور کیوں کر سمرقند کو فتح کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

اے امیر! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ خلیل سمرقند پر اپنا قبضہ بحال رکھنے میں کامیاب رہے گا۔

پیر محمد کی اس گفتگو پر نور الدین نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ اے پیر محمد! تمہارے سارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔ ہم خلیل کو اب زیادہ دنوں تک سمرقند پر قابض نہ رہنے دیں گے۔ شہر کی فصیل کے اوپر سے برسائی جانے والی آگ اور گرم پانی کی پرواہ کیے بغیر ہم بہت جلد سمرقند پر قابض ہو جائیں گے۔ اس بار اللہ داد نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ "امیر! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ ممکن اور درست ہی ہو گا لیکن ہم کیسے اور کس طرح شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس لیے کہ جب بھی ہم آگے بڑھیں گے ہم پر کھولتا ہوا پانی اور آگ برسے گی اور ایسی صورت میں ہم پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوں گے۔ اور یہ کھیل ایک لمبے عرصے تک بھی جاری رہ سکتا ہے۔ پھر کیوں کر ہم چند دنوں میں شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

نور الدین اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی پیر محمد اور اللہ داد بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ پھر نور الدین ان دنوں کے نزدیک آیا اور اللہ داد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے بڑی شفقت سے کہا۔ "اے اللہ داد! میں تمہیں ایسا کام سونپنے والا ہوں جس کی بنا پر ہم بغیر کسی تکلیف کے سمرقند کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پہلے تم دونوں مل کر یہ کام کرو کہ جس جگہ ہم اس وقت کھڑے ہیں اپنے لشکر کو یہاں جمع کرو۔ لشکر کے پیچھے خیمہ گاہ کا انتظام کرو تاکہ اس کاٹ کھانے

اشنا داند ہوگا۔ اس لیے کہ دیواریں کافی موٹی اور مضبوط رکھی جائیں گی۔ اس کے علاوہ اگر ممکن ہو تو ان پر مٹی سے پانی بھی کر دی جائے گی۔
اے میرے عزیزو! اب تم دونوں بتاؤ کہ سمرقند کا فتح کرنا ہمارے لیے آسان ہے یا دشوار۔

نور الدین کی گفتگو سننے کے بعد پیر محمد اور اللہ داو دونوں چونک سے پڑے تھے۔ پھر پیر محمد نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر نور الدین! بخدا آپ یقیناً بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہیں اے امیر! آپ ان جوانوں میں سے ہیں جو تمدن کی کند پر طوفانوں کی زبرد لگاتے ہیں۔ جو وحشی صدیوں کے رازوں اور تاریخ کی نقار پر افق کی لالی اور نغمہ ریز گونج بن کر اتر جاتے ہیں۔

اے امیر! آپ یقیناً ان سالاروں میں سے ہیں جو عارف آفاق بن کر اندھیلوں کی شدت اور نزع کے وقت کی طرح دشمنوں کے ہر منصوبے کو خواب کی طرح بے حقیقت بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

اے امیر! قسم خداوند کی آپ ہمارے لیے ایک نیا ورق، ایک نیا عنوان ہیں جس کی تحریریں اور جس کے الفاظ کے اندر ہم اپنے لیے نیزوں کی چمکتی انہول اور نخل نشان تلواروں کا رقص دیکھتے ہیں۔

اے امیر! آپ ہمارے لیے ہمارے دلوں کے اندر شوق کا ادراک اور اظہار کی بندش میں نسلوں کی ہمت ہیں۔

اے امیر! قسم خداوند کی آپ واقعی ایک صاحب سیف و مہمت ساتھی اور سالار ہیں۔

پیر محمد کی اس توصیف و تعریف کے جواب میں نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اے پیر محمد! میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہارے اور اللہ داو کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں جو کچھ آب تک کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس میں تمہارا اور

اللہ داو کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔

اب تم دونوں حرکت میں آؤ۔ پہلے اپنا پڑاؤ درست کراؤ، خیمے نصب کراؤ کہ لشکر میں شامل عورتیں اور بچے سخت سردی محسوس کر رہے ہوں گے۔

پیر محمد اور اللہ داو فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور لشکر کے خیمہ زن ہونے کا انتظام کرنے لگے تھے۔ جب کہ نور الدین بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کے اندر چکر لگا کر زخمیوں کی مرہم پٹی اور ان کی دیکھ بھال کی نگرانی کرنے لگا تھا۔

کافی دیر بعد نور الدین جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا اس کے خیمے کے اندر آتش دان میں آگ جل رہی تھی۔ خیمہ خوب گرم ہو رہا تھا اور وہاں اینجلینا اپنے سامنے کھانے کے ڈھکے ہوئے برتن رکھے ہوئے بیٹھی تھی۔

جول ہی نور الدین خیمے میں داخل ہوا اینجلینا نے شکوؤں سے بھری ہوئی آواز میں کہا۔

”اے امیر! سب اپنے اپنے خیموں میں لوٹ آئے ہیں اور ہر کوئی کھانا کھانے کے بعد ستا رہا ہے۔ آپ تو اس طرح دیر سے اپنے خیمے کی طرف آئے ہیں جیسے آپ کے سر پر کوئی دمے واری ہی نہ ہو۔ میں کافی دیر سے بیٹھی اسی انتظار میں تھی کہ آپ واپس آئیں تو اکٹھے کھانا کھائیں۔“

نور الدین نے مسکراتے ہوئے اپنی تلوار اور خنجر کی پیٹی کھول کر ایک طرف رکھ دی اور پھر اس نے مغفرت طلب لہجہ میں کہا۔

”اے اینجلینا! مجھے بخدا خیال ہی نہ رہا تھا کہ تم میرے خیمے میں کھانا لیے بیٹھی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید ابھی تم پیر محمد کے زنان خانہ میں ہی ہو گی اور وہیں تم نے کھانا کھالیا ہوگا۔ اس لیے میں لشکر کے اندر گھوم پھر کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ اچھا آؤ پہلے کھانا کھائیں دیگر باتیں بعد میں ہوں گی۔“
اس کے ساتھ ہی نور الدین پوٹھی مار کر اینجلینا کے سامنے بیٹھ گیا اور پھر وہ دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

سرکت میں لایا جاسکے۔

اس کے علاوہ ان سیڑھیوں کو چاروں طرف سے اور اوپر سے دیواروں کی طرح ٹٹی سے لپائی کر دی گئی تھی تاکہ جب انہیں کھینچ کر فصیل کے قریب کیا جائے تو فصیل کے اوپر سے پھینکی جانے والی آگ اندر کھوتا پانی ان پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

جب یہ دونوں چیزیں تیار ہو چکیں تب نور الدین نے شہر پر حملہ آور ہونے کی ٹھانی۔ وہ صبح ہی صبح شہر پر حملہ آور ہونے سے پہلے اپنے لشکر کے سامنے آیا اور شہر کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے انتہائی کرب کے عالم میں مدغم اور صہبی آواز میں کہا۔

”اے سمرقند! تو جو کبھی امیر تیمور کی آماجگاہ تھا تو جانتا ہے کہ میں تیرے اندر ایک غلام کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ اے سمرقند! میں تیرا ممنون ہوں کہ تیرے اندر رہتے ہوئے مجھے غلام سے امیر اور شیخ بنا دیا گیا۔

اے سمرقند! اگر امیر تیمور کی سلطنت کو استوار اور بحال نہ کرنا ہوتا میں ہرگز تم پر حملہ آور نہ ہوتا۔ اے سمرقند! میں تجھے خدیل کی گراہیوں، اخلاقی ضابطوں سے اس کے انحراف سے بچانا چاہتا ہوں۔

اے سمرقند! میرے رب نے مجھے تیرے اندر ہی عزت و شرف سے نوازا میں تیرے ہی احترام کو بحال رکھنے کے لیے حملہ آور ہو رہا ہوں۔“

نور الدین چند ثانیوں سوچا رہا پھر اپنے ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھاتے ہوئے اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اُس نے کمال زندہ ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

”اے اللہ! تو ہی جسے چاہے وقار و آزادی اور شرافتِ نسبی عطا کرے اور جسے چاہے اس کے سر سے تاج شاہی اتار کر بیڑیاں پہنا دے اور جسے چاہے عقیقت کے سمندر میں ڈال کر رکھ دے۔“

خداوند! تو جس کے لیے چاہے حسرتوں کے انبار اور زندگی کی محرومیوں کے ڈھیر لگا دے اور اپنی خصوصی رحمت سے جس کے لیے چاہے قلب کا سکون اور رُوح کی طمانیت متیا کر دے۔



نور الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ کئی روز تک سمرقند شہر سے باہر ٹپاؤ کیے رکھا۔ اس دوران شہر کے گرد و نواح سے درخت کٹا کر اس نے اپنے لشکر کے اندر لکڑی کے ڈھیر لگانے شروع کر دیئے تھے۔ پھر صنایعِ حرکت میں آئے اور اُن درختوں کی لکڑی سے انہوں نے نور الدین کی تجویز کے مطابق پہلے متحرک دیواریں بنانا شروع کر دی تھیں۔

یہ دیواریں خوب چوڑی اور کافی بلند تھیں اور اُن کو حرکت میں لانے کے لیے ان کے نیچے چھوٹے چھوٹے پیستے لکڑی ہی کے بنا کر لگا دیئے گئے تھے اور دیواروں کے سامنے والے حصے پر مٹی کی لپائی کر دی گئی تھی تاکہ کھوتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے لکڑی کی اس دیوار پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

جب اس قسم کی دیواریں نور الدین کی خواہش کے مطابق تیار ہو گئیں۔ تب لکڑی ہی کی بہت بلند سیڑھیاں تیار کی گئیں۔ ان سیڑھیوں کو چاروں طرف سے کسی بالاخانہ کی سیڑھیوں کی طرح ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ان کے اوپر بھی لکڑی کی چھبڑ بننا چھت ڈال دی گئی تھی۔

ان سیڑھیوں کے نیچے بھی پیستے لگا دیئے گئے تھے تاکہ انہیں آسانی کے ساتھ

رب لازوال! تو ہی تنقید و تذلیل اور شکست و ریخت دینے والا ہے اور تو ہی فتح و فوز مندی اور کامیابی و کامرانی عطا کرنے والا ہے۔ میں بھی ایک دریغہ گر اور بھکاری کی حیثیت سے تیرے سامنے دست بدعا ہوں۔ اے میرے اللہ! اس امتحان اس جنگ میں مجھے کامیابی و کامرانی عطا فرما کہ تو ہی ہر چیز کا عطا کرنے والا ہے۔ اپنی دعا ختم کرنے کے بعد نور الدین نے شہر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ اس حملے کی ابتدا شہر کے جنوبی دروازے کی طرف کی گئی تھی۔ پیر محمد کو نور الدین نے اس کے لشکر کے ساتھ شہر کے جنوبی دروازے سے درافصلے پر مستعد کھڑا کر دیا تھا جب کہ خود وہ اپنے اور اللہ داد کے لشکر کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہوا تھا۔ جب لکڑی کی دیواریں اور بلند و بالا سیڑھیاں حرکت میں آئیں تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے سمندر سے باہر آوازوں کا ایک طوفان اور جنگل اٹھ کھڑا ہوا ہو۔ اس لیے کہ نور الدین کے لشکر کی ان بڑی بڑی دیواروں اور کوہ پیکر سیڑھیوں کو فصیل کی طرف دھکیلتے ہوئے زور زور سے تکبیریں بلند کرتے جا رہے تھے۔ سیڑھی کے دائیں بائیں ایک ایک دیوار تھی جس کی اوٹ میں سیڑھیوں کو دھکیلنے والے جوان کام کر رہے تھے۔

جس وقت یہ لکڑی کی دیواریں اور سیڑھیاں فصیل سے نزدیک لائی جا رہی تھیں اس وقت خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد بھی شہر پناہ کے ایک برج میں کھڑے ہوئے تھے اس موقع پر شہزادہ خلیل نے امیر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ اے امیر شاہ! کیا تم بتا سکو گے کہ لکڑی کی یہ دیواریں اور یہ جو گنبد آگے لائے جا رہے ہیں اس سے کیا کام لیا جائے گا؟

لکڑی کی سیڑھیاں چونکہ ایک بالا خانہ کی سی شکل میں بنائی گئی تھیں لہذا شہزادہ خلیل یہ نہ جان سکا کہ وہ سیڑھیاں ہیں۔ تاہم اس کے استفسار پر امیر شاہ نے بتایا "اے آقا! جہاں تک میں سمجھا ہوں ان دیواروں کی اوٹ میں نور الدین حملہ آور ہوگا۔ اور یہ جو بالا خانہ کی صورت میں بلند گنبد آگے بڑھائے جا رہے ہیں۔ میرا اندازہ ہے ان کے ذریعے نور الدین اپنے لشکریوں کو فصیل کے اوپر پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

اس پر خلیل نے فکر مندی سے پوچھا۔ اے امیر شاہ! تمہارا کیا اندازہ ہے۔ کہ نور الدین ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

اس پر امیر شاہ نے گردن جھکا کر کچھ سوچا، پھر کہا۔ اے آقا! نور الدین کے متعلق کچھ بھی وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ایک ایسا جرنیل ہے جو ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بہر حال ہم اپنی پوری کوشش کریں گے کہ نور الدین کو شہر پناہ سے دودھ ہی روکیں اور اسے آگے بڑھ کر فصیل پر پڑھنے کا موقع فراہم نہ کریں۔
کہتے کہتے امیر شاہ چونک پڑا اور خلیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے آقا! ذرا آپ سامنے دیکھیے، نور الدین نے ان سیڑھیوں اور دیواروں کو خوب پھیلا نا شروع کر دیا ہے۔ میرے خیال میں وہ فصیل کے مختلف حصوں پر حملہ آور ہو کر ہماری عسکری قوت کو بانٹ دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہذا آئیں ہم تینوں مختلف مقامات پر کھڑے ہو کر نہ صرف اپنے لشکریوں کی رہنمائی کریں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کریں۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اس برج سے نکل کر مختلف اطراف میں پھیلنے لگے تھے۔



نور الدین نے بھی حملہ آور ہونے کا بہترین طریقہ اپنا یا تھا۔ اس نے چار سیڑھیاں اور بہت سی دیواریں شہر کے جنوبی دروازے کی طرف بڑھائیں تھیں اور ان سیڑھیوں اور دیواروں کی اوٹ میں اس کا لشکر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خود بھی ان ہی دیواروں کی اوٹ میں شہر کی فصیل کی طرف جا رہا تھا۔

اس کے علاوہ اس نے دروازے کے دائیں اور بائیں جانب بھی کئی سیڑھیاں اور دیواریں آگے بڑھائی تھیں۔ ان سیڑھیوں میں نہ تو کوئی لشکر تھا نہ ہی دیواروں کے پیچھے کچھ تیر انداز ضرور تھے۔

ایسا اس نے اس لیے کیا تھا کہ وہ دشمن کی قوت کو مختلف حصوں میں بانٹ دے

حالانکہ اس نے اپنے لشکر کی ساری ہی قوت کو شہر کے جنوبی حصے پر لگا دیا تھا اور دیگر اطراف سے آگے بڑھنے والی سیرٹھیاں اور دیواریں خالی تھیں۔ صرف اُن کے پیچھے تیر انداز تھے تاکہ وہ نزدیک جا کر فصیل کے محافظوں پر تیر اندازی کر سکیں۔ انہیں یہ گمان دلا سکیں کہ آگے بڑھنے والی ہر سیرٹھی اور ہر دیوار کے پیچھے نور الدین کا لشکر فصیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

نور الدین اپنی اس جنگی چال میں پوری طرح کامیاب رہا تھا اور شہزادہ خلیل امیر شاہ اور شیخ محمد بھی اس کے دھوکے اور چال میں پھنس گئے تھے۔ اس لیے کہ جدھر جہدھر سے سیرٹھیاں اور دیواریں آگے بڑھ رہی تھیں ادھر ادھر انہوں نے اپنے لشکر کو پھیلانا شروع کر دیا تھا۔

جب یہ دیواریں اور سیرٹھیاں شہر پناہ کے نزدیک گئیں تو فصیل کے اوپر سے ان پر چھوٹی چھوٹی منجنیقوں کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینکا گیا تھا لیکن یہ سیرٹھیاں اور دیواریں آگے بڑھتی رہیں اور کھولتے پانی اور انگاروں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس لیے کہ ان کے سامنے اور اوپر والے حصے پر مٹی کی خوب موٹی تہ پڑھا کر لپائی کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے یہ آگ لگنے سے محفوظ رہی تھیں۔

پھر جواب میں جب نور الدین نے اپنے لشکریوں کو تیر اندازی کا حکم دیا تو فصیل کے اوپر کھڑے محافظوں کے لیے آگ کے انگارے اور کھولتا پانی پھینکنا لمحہ بوجہ مشکل ہوتا چلا گیا تھا۔ کیوں کہ تیروں کی بارش میں انہیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا انتہائی مشکل دکھائی دے رہا تھا۔

شہزادہ خلیل، امیر شاہ اور شیخ محمد ادھر ادھر بھاگتے ہوئے اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ ابھی تک انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ خود نور الدین کس طرف سے حملہ آور ہو رہا ہے۔

نور الدین کے اس طریقہ جنگ نے ان میں ایک افراطی اور بچل کا عالم

برپا کر دیا تھا۔ اندر جو سیرٹھیاں شہر پناہ کے جنوبی دروازے کے قریب فصیل کے ساتھ اُگر گئیں ان کے ذریعے نور الدین نے اپنے لشکر کو فصیل پر چڑھنے کا حکم دے دیا تھا اور وہ خود بھی اُن چند لشکریوں میں شامل تھا جنہوں نے فصیل پر چڑھنے کی ابتداء کی تھی اور یہ سب دشمن کے تیروں اور اس کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اپنی ڈھالوں کو اپنے سامنے کیے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے جو سمرقند کی شہر پناہ پر نمودار ہوا وہ خود نور الدین تھا اور اس کے پیچھے فصیل پر چڑھنے والوں کی ایک قطار بن گئی تھی۔

امیر شاہ نے بھی نور الدین کو فصیل پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ لہذا اُس نے اپنے لشکر کو اس سمت بڑھایا تھا تاکہ وہاں اپنی قوت میں اضافہ کر کے وہ نور الدین اور اس کے لشکریوں کو نیچے دھکیل دینے میں کامیاب ہو جائے جب کہ شہزادہ خلیل اور شیخ محمد دوسری طرف مصروف کار تھے۔

فصیل پر اُترتے ہی نور الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ اراووں کو سلب کر لینے والی سحر آفرین قوت کی طرح شہر پناہ کے محافظوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

امیر شاہ پیچھے رہ کر اور بلند آوازوں میں شہر کرتے ہوئے اپنے محافظوں کا حوصلہ بڑھا رہا تھا لیکن اس کی ہر آواز اس کی ہر صلا نا کارہ ثابت ہو رہی تھی۔ اس لیے کہ نور الدین خود اپنے لشکر کی اگلی صفوں کے سپاہی کی حیثیت سے اس حملے میں شامل تھا اور وہ اپنے سامنے آنے والے ہر محافظ کے جسم کو تخت لخت اور رُوح کو ریزہ ریزہ کرتا ہوا اُن پر زوال و فنا کی کیفیت طاری کرتا جا رہا تھا۔

نور الدین کے حملوں سے ایسا لگتا تھا کہ شہر پناہ کی فصیل پر وہ ایک دیدہ دہن وحشی اور دکھوں کا آسیب بن کر اپنی پوری درندگی اور سفاکی پر اُتر آیا ہو۔ اُس کی شمشیر جگر دار دست اجل کی طرح چاروں طرف غم اور دکھ کی یلغار کرنے لگی تھی۔ شہر پناہ کے محافظوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ نور الدین کے اس حملے کو ناکام بنا دیں لیکن ہر لمحہ نور الدین کی قوت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس لیے کہ جو

اڈھلی ہوں اور سنگ دل وقت کی نفرت کو اپنا کر وہ تشنگی کے سراب اور قاتل لہروں کی طرح آگے بڑھنے کی قسم کھا چکا ہو۔

شہر پناہ کے محافظوں پر وہ پُراسراریت کے بدترین سفر گرو آلود طوفان اور طوفانی شوریدہ ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے اُن پر بے چین خیالوں کی تھکن اور یاسیت و نا آسودگی طاری کرتا جا رہا تھا۔ شہر پناہ کے محافظ اب نور الدین اور اس کے لشکریوں سے انتہائی خوف زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان کا سامنا کرنے کے بجائے پیچھے ہٹنے کو ترجیح دے رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اور امیر شاہ نے جب یہ سماں دیکھا تو وہ فوراً بھاگتے ہوئے فصیل سے نیچے اتر گئے۔ ان کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ وہ دونوں فصیل سے نیچے بھاگ رہے ہیں تو انہیں بھی خطرہ محسوس ہوا۔ لہذا وہ بھی اپنی جانیں بچانے کی خاطر فصیل سے نیچے اترنا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح نور الدین نے اس وقت سے قائمہ اٹھانے کے لیے ایک عام یلغار کا حکم دے دیا تھا۔

دوسری طرف جب شیخ محمد کے تحت کام کرنے والے اور اللہ داد کی یلغار کو روکنے والے لشکریوں نے دیکھا کہ شہزادہ خلیل اور امیر شاہ کے لشکری فصیل سے نیچے اترنا شروع ہو گئے ہیں تو انہوں نے بھی اللہ داد کا سامنا ترک کر دیا۔ وہ بھی اپنی جانیں بچانے کی خاطر فصیل سے نیچے بھاگنا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح تھوڑی ہی دیر بعد نور الدین اور اللہ داد نے شہر کی فصیل پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا تھا۔

فصیل پر اپنا مکمل قبضہ کرنے کے بعد نور الدین نے اپنے لشکریوں کو نیچے اتر کر شہر میں داخل ہونے میں سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا۔ خود وہ شہر کے جنوبی دروازے کے اوپر جو برج بنا ہوا تھا اس میں آیا اور اللہ داد کو بھی اس نے وہاں طلب کیا۔ جب اللہ داد نور الدین کے سامنے آیا تو اس نے شکوہ کرنے کے انداز میں نور الدین سے پوچھا۔ اے امیر! آپ نے اپنے لشکریوں کو فصیل سے اتر کر شہر میں داخل ہونے کے کیوں روک دیا ہے۔ حالانکہ جس وقت فصیل کے محافظ نیچے اتر رہے تھے اُن وقت

چار بڑی بڑی سیڑھیاں شہر کے جنوبی دروازے کے قریب فصیل کے ساتھ آگئی تھیں۔ ان کے ذریعے سے اس کے لشکری بڑی تیزی کے ساتھ فصیل پر چڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اور جب نور الدین نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فصیل کے جنوبی حصے پر قبضہ کر کے شہزادہ کے محافظوں کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر فصیل کے اوپر سے چونکہ آگ کے انگارے اور کھولتا پانی پھینکنے کا عمل بند ہو گیا تھا۔ لہذا نور الدین کے لشکریوں کے اوپر آنے کی رفتار پہلے کی نسبت بہت زیادہ تیز ہوتی چلی گئی تھی۔

اب نور الدین نے فصیل پر آنے والے اپنے لشکریوں کو دو حصوں میں بانٹنے کے عمل میں ڈال دیا تھا۔ فصیل پر چڑھتے کچھ سپاہی نور الدین کی طرف چلے جاتے اور کچھ اللہ داد کی طرف بھاگتے چلے جا رہے تھے۔

یوں نور الدین دائیں طرف فصیل پر آگے بڑھنا شروع ہوا جب کہ اللہ داد نے بائیں طرف یلغار کرنی شروع کر دی تھی۔ یوں وہ دونوں پیاس کے صحرا اور وقت کے لمحوں کے تقاضے کی طرح آگے بڑھتے ہوئے اور شہزادہ خلیل کے محافظوں کا صفایا کرتے ہوئے فصیل کے زیادہ سے زیادہ حصے پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اور شیخ محمد کو جب خبر ہوئی کہ شہر کے جنوبی دروازے کی سمت سے نور الدین اپنے لشکریوں کے ساتھ فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور امیر شاہ اُسے آگے بڑھنے سے روکنے میں مکمل طور پر ناکام ہوا ہے تب ان دونوں نے بھی اپنے ماتحت کام کرنے والے محافظوں کا رخ فصیل کے جنوبی دروازے کی طرف کر دیا تھا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اس لیے کہ نور الدین اور اللہ داد کے لشکریوں کا ایک بڑا حصہ فصیل پر چڑھ چکا تھا اور اللہ داد اور نور الدین دو مختلف سمتوں میں شعلوں کے آبشار کی طرح آگے بڑھتے ہوئے فصیل کے محافظوں کو غم کے حصار میں ڈبو تے چلے جا رہے تھے۔

شہزادہ خلیل اس سمت آیا جس طرف سے نور الدین آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس نے دیکھا نور الدین حملہ آور ہوتے ہوئے یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے اس نے آنکھیاں

اُن کے اندر ایک بچل مچی ہوئی تھی اُس وقت اگر ہم اُن کا تعاقب کرتے ہوئے فصیل سے اُتر کر شہر میں داخل ہوتے تو ہم چند ساعتوں کے اندر اندر شہر پر اپنا قبضہ مکمل کر سکتے تھے۔

نور الدین مسکرایا، اللہ داد کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر بڑی نرمی اور شفقت میں اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا: "اے اللہ داد! یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ہم چند ساعتوں کے اندر شہر پر قبضہ کر سکتے تھے۔ شاید تم نے غور نہیں کیا فصیل کے نیچے شہزادہ غلیل امیر شاہ اور شیخ محمد نے جگہ جگہ گڑھے کھود رکھے ہیں اور ان گڑھوں کے آگے انہوں نے دمدے بنا رکھے ہیں اور ان گڑھوں کے اندر اپنے بہترین تیر انداز بٹھائے ہوئے ہیں اگر ہم اس وقت فصیل سے نیچے اُتر کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر انداز ہمیں چھید کر رکھ دیتے اور ہماری اس فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتے۔ اے اللہ داد! شاید تم نے ان گڑھوں کو نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا ہوتا تو پھر ایسی گفتگو نہ کرتے۔

نور الدین کے اس انکشاف پر اللہ داد نے غور سے نیچے دیکھا۔ تب اُس نے جائزہ لیا کہ واقعی نیچے جگہ جگہ گڑھوں کے اندر تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اُن کے سامنے بلند دمدے کھڑے کر دیئے گئے تھے اور گڑھوں میں بیٹھے ہوئے ان محافظوں پر اگر فصیل کے اوپر سے تیر اندازی بھی کی جائے تو تیر اُن پر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔

اللہ داد نے تو صیغی انداز میں نور الدین کی طرف دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں اس نے کہا: "اے امیر! میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں آپ کا فیصلہ یقیناً بہترین فیصلہ ہے۔ میں شہر کے اندر اور فصیل کے ساتھ گڑھے اور اُن کے سامنے بنائے دمدوں کو دیکھ چکا ہوں۔ اب آپ بتائیے شہر میں داخل ہونے کے لیے ہمیں کیا طریقہ کار اپنانا چاہیے۔

اللہ داد کے اس سوال پر نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے کہا: "اے اللہ داد پہلے یہ کام کرو کہ فصیل کے سارے برجوں کے اندر اپنے محافظ مقرر کرو جو کہ بہترین

تیر انداز ہوں اور دوسرا کام نہ کرو کہ فصیل کے اوپر جو چھوٹی چھوٹی منجھنقیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کا رخ شہر کے اندر کی طرف پھیر دو۔ انہی منجھنقیوں کی مدد سے جو فصیل پر آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پڑا ہوا ہے وہی آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی ہم شہر کے اندر گڑھوں کے اندر بیٹھے ہوئے تیر اندازوں پر پھینکیں گے۔ اس طرح وہ اپنے گڑھوں سے نکل بھاگیں گے اور جب ایسا ہوگا تو ہم صرف شہر کے جنوبی دروازے سے حملہ آور ہو کر نیچے اُترنے کی کوشش کریں۔ ہمارا باقی سارا لشکر فصیل کے اوپر اپنے اپنے برجوں کے اندر رہے گا۔ ہم خود بھی فصیل کے اوپر ہی ٹھہرے رہو گے۔ میں خود اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں اُتوں گا اور سامنے آنے والے محافظوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے میں شہر بیاہ کا جنوبی دروازہ کھولنے کی کوشش کروں گا اور جب میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پیر محمد بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا تو اے اللہ داد تم دیکھو گے سمرقند شہر اور اس کے محافظ مکمل طور پر ہمارے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔

اللہ داد نور الدین کی اس تدبیر پر ایسا خوش ہوا کہ آگے بڑھ کر وہ نور الدین سے بغل گیر ہو گیا۔ پھر اس نے نور الدین کے آہنی خود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا: "اے امیر! جس لشکر کے آپ سالار ہوں بخدا وہ دشمن کے مقابلے میں اپنی کامیابی اور کامرانی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ آئیے اپنے اس منصوبے کی ابتدا کریں۔"

اس کے ساتھ ہی نور الدین اور اللہ داد دونوں حرکت میں آئے۔ فصیل پر اب چونکہ ان دونوں کے سارے لشکری چڑھ آئے تھے لہذا انہوں نے فصیل کے سارے برجوں کے اندر محافظ مقرر کر دیئے۔ تاہم نور الدین نے اپنے لشکر کا بڑا حصہ شہر کے جنوبی دروازے کی فصیل کے آس پاس جمع کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ فصیل کے اوپر رکھی ہوئی منجھنقیوں کا رخ پھر کر شہر کی طرف کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد نور الدین اس برج پر اکھڑا ہوا جو شہر کے جنوبی دروازے کے اوپر تھا اور جس کے ارد گرد اس کے لشکری پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد نور الدین

نے اللہ داد کو شہر کے اندر گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر اندازوں پر آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینکنے کا حکم دیا اور جوں ہی منجنیقیں حرکت میں آئیں اور ان کے ذریعے آگ کے انگارے اور کھولتا ہوا پانی شہر کے اندر پھینکا گیا تو گڑھوں میں بیٹھے ہوئے تیر انداز جھپٹتے چلاتے ہوئے گڑھوں سے نکل کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے برجوں کے اندر بیٹھے ہوئے اپنے محافظوں کو ان پر تیر اندازی کرنے کا بھی حکم دے دیا تھا۔

جس وقت خلیل امیر شاہ شیخ محمد کے لشکر کی گڑھوں سے نکل کر جھپٹتے چلا ہوئے شہر کے اندر وئی جھپٹنے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اسی لمحہ وقت کی آندھیوں کے بدترین سیلاب، تند عناصر کی یلغار، مہیب رست کے آغاز کی طرح نور الدین حرکت میں آیا۔ اور اپنے لشکر کے ساتھ نیچے اترتے ہوئے اس نے سمرقند شہر کے جنوبی دروازے کے محافظوں اور ان کے سامنے پھیلے ہوئے خلیل کے لشکریوں پر حملہ کر دیا تھا۔

نور الدین کے حملوں میں اُجالوں کی سی تازگی، عینت رازوں کی سی ترجمانی تھی، اور اس نے جنوبی دروازے کے محافظوں پر منفی خیالات اور بھر کی سیاہ رات کی طرح حملہ آور ہوتے ہوئے ان کے جسموں سے زندگی کا لہو نچوڑ لیا تھا اور ان کی حالت منقطع خوابوں اور زنگ آلود آئینے جیسی کر کے رکھ دی تھی۔ جنوبی دروازے کے محافظوں اور اس کے سامنے پھیلے ہوئے شہزادہ خلیل کے لشکریوں کا مکمل طود پر صفایا کرنے کے بعد نور الدین نے آگے بڑھ کر شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

اور اس کے ساتھ ہی پیر محمد اپنے لشکر کے ساتھ تشنگی کے سراب کی طرح سمرقند شہر میں داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ شہر کے جنوبی دروازے کے پاس کھڑے ہو کر اور بلند آوازیں اللہ داد کو مخاطب کرتے ہوئے نور الدین نے اسے حکم دے دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ فصیل کے اوپر ہی رہے اور سارے برجوں پر اپنے لشکریوں کو پھیلا دے۔

پس نور الدین کے اس حکم پر اللہ داد حرکت میں آیا اور پوری فصیل کے اوپر

اُس نے اپنے محافظ بٹھا دیے تھے۔ جب کہ خود نور الدین اور پیر محمد نے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ شہر کے اندر شہزادہ خلیل کے لشکر کے ساتھ جنگ شروع کر دی تھی۔

اب سمرقند کو جب خبر ہوئی کہ نور الدین اور پیر محمد اپنے لشکریوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو ان پر شہزادہ خلیل نے دولت اور بے راہ روی کا جو عارضی خول اور نشہ چڑھا رکھا تھا وہ فوراً ہی اُتر گیا اور سمرقند کے لوگ علی الاعلان شہزادہ خلیل کے خلاف آوازیں بلند کرنے کے علاوہ نعرے بھی لگانے لگے تھے خلیل کے لشکریوں نے جب شہر کے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔

لہذا ان میں سے اکثریت نے نور الدین اور پیر محمد کے خلاف جنگ کرنا ترک کر دی وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے تھے اور جن لشکریوں نے خلیل کے حق میں لڑنے کا فیصلہ کیا تھا انہیں نور الدین اور پیر محمد نے صرف لمحوں کے اندر کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اور یوں شہر پر نور الدین اور پیر محمد کا مکمل طود پر قبضہ ہو گیا تھا شہزادہ خلیل اور اس کی بیوی شادی ملک شہزادہ خلیل کی ماں خانزادہ، امیر شاہ اور شیخ محمد کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

جس وقت گرفتار ہونے والے ان سب لوگوں کو نور الدین اور پیر محمد کے سامنے پیش کیا گیا تو نور الدین نے پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے پیر محمد! امیر تیمور نے مرتے وقت تمہیں ہی اپنا جانشین مقرر کیا تھا لہذا یہ لوگ جنہوں نے امیر تیمور کے حکم کے خلاف بغاوت کی ہے یہ اس وقت اسیر ہو کر تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ لہذا اے پیر محمد! ان کا فیصلہ تم ہی کرو۔"

پیر محمد نے ایک بار غور سے نور الدین کی طرف دیکھا پھر اس نے بڑی عاجزی اور انکساری میں کہا: "اے امیر نور الدین! میں تو پہلے ہی اس جانشینی سے آپ کے حق میں دست بردار ہو چکا ہوں۔ لہذا خلیل، اس کی ماں خانزادہ، اس کی بیوی شادی ملک اور اس کے جرنیل امیر شاہ اور شیخ محمد کا فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہو گا۔"

ساتھ ہو گیا تھا۔

زندان میں پہنچ کر نور الدین کے حکم پر زندان کے داروغہ نے اُس کو ٹھہری کا دروازہ کھولا جس کے اندر سمرقند کے قاضی اور ان کے علاوہ دیگر علماء کرام اور فقہاء عظام بند تھے۔

جب دروازہ کھولا تو نور الدین اندر داخل ہوا اور ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”اے قوم کے محترم فرزندو! میں نور الدین بن عماد الدین تم سب کی رہائی کا حکم جاری کرتا ہوں اور میں تم سب کو یہ خوش خبری بھی سناتا ہوں کہ سمرقند کو میں اور پیر محمد نے فتح کر لیا ہے اور شہزادہ خلیل اس وقت اپنے حواریوں کے ساتھ ایک قیدی کی حیثیت سے ہماری گرفت میں ہے۔ لہذا آپ سب لوگ میرے ساتھ آئیے کہ آپ سے مشورہ کرنے کے بعد شہزادہ خلیل کی قسمت کا فیصلہ کیا جاسکے۔“

نور الدین کے انکشاف پر ان سارے معزز قیدیوں نے اسے سمرقند کی فتح پر مبارک باد دی۔ پھر وہ سب نور الدین کے ساتھ ہو لیے تھے۔

زندان سے واپس جاتے ہوئے اچانک نور الدین نے لوگوں کو شور کرتے اور یہ کہتے ہوئے سنا کہ امیر تیمور کا بیٹا شاہ رخ بھی خراسان سے اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا ہے۔

اس پر نور الدین اور زیادہ تیزی سے اس سمت بڑھا جہاں وہ پیر محمد کے سامنے شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کو کھڑا کر کے آیا تھا۔ وہاں پر سمرقند کے قاضی، دیگر سارے علماء کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ بٹھایا پھر پیر محمد نے نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اے امیر! ایسا لگتا ہے جیسے میرا چچا شاہ رخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس لیے کہ باہر سے آنے والے کچھ لوگ یہ آوازیں بلند کر رہے تھے،

نور الدین شہزادہ خلیل اور اُس کے ساتھیوں سے متعلق کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سمرقند شہر کا داروغہ زندان بھاگتا ہوا وہاں آیا اور نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”اے امیر نور الدین! میں آپ کو شہزادہ خلیل کے خلاف اس فتح پر مبارک باد دیتا ہوں اور ساتھ ہی میں آپ کے سامنے اس خلیل کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش کرتا ہوں۔“

اے امیر! جب اس خلیل نے امیر تیمور کی موت کے بعد اُس کے احکامات سے مدد دانی اور سرکشی کرتے ہوئے بغاوت کا راستہ اختیار کیا اور از خود سمرقند کا حکمران ہونے کا اعلان کر دیا تب سمرقند کے قاضی، چند علماء اور کچھ فقہاء نے مل کر یہ فیصلہ دیا اور فتویٰ جاری کیا کہ خلیل سمرقند کا حکمران نہیں ہو سکتا ہے جب کہ اپنی موت سے پہلے امیر تیمور نے پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

اس پر یہ خلیل غضب ناک ہوا اور اس نے سمرقند کے قاضی کے علاوہ ان تمام علماء فقہاء کو زندان میں بند کر دیا جنہوں نے اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا تھا اور ان علماء میں شاہی طبیب مولائے تبریز بھی شامل ہیں۔

اے امیر نور الدین! اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سب کو عزت و احترام کے ساتھ زندان سے نکال کر یہاں آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

داروغہ زندان کی یہ گفتگو سن کر نور الدین اپنی جگہ سے تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ ”تم میرے ساتھ زندان کی طرف چلو، میں خود ان سب کو عزت و احترام کے ساتھ زندان سے نکال کر یہاں لاؤں گا۔ اور شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے قبل ان سے مشورہ بھی کروں گا۔“

پھر نور الدین نے پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے پیر محمد! میں ان سب معزز قیدیوں کو نکال کر تھوڑی دیر تک یہیں لاتا ہوں۔ اس کے بعد سب مل کر ان اسیروں کا فیصلہ کرتے ہیں“ پھر نور الدین بڑی تیزی کے ساتھ داروغہ زندان کے

کہ شاہ رُخ بھی اپنے لشکر کے ساتھ نواسان سے پہنچ گیا ہے۔

اس پر پیر محمد کو مخاطب کرتے ہوئے نور الدین نے کہا۔ "اے پیر محمد! تم یہیں بیٹھو میں شہر سے باہر نکل کر شاہ رخ کا استقبال کرتا ہوں اور اسے یہاں لاتا ہوں تاکہ اب وہ شہزادہ خلیل اور اس کے ساتھیوں کا فیصلہ خود ہی کرے۔"

نور الدین وہاں سے جانے ہی والا تھا کہ سامنے سے شاہ رخ اور اس کا بیٹا افغ بیگ اپنے گھوڑوں پر سوار آتے دکھائی دیے۔ نور الدین اور پیر محمد دونوں نے اُٹھ کر ان کا استقبال کیا اور وہ دونوں باپ بیٹا بھی اپنے گھوڑوں سے اتر کر باری باری نور الدین اور پیر محمد سے بغل گیر ہوئے تھے۔

پھر شاہ رُخ اور اس کا بیٹا افغ بیگ بھی آگے بڑھ کر نور الدین اور پیر محمد کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے تھے۔

نور الدین نے شاہ رُخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! اے شاہ رُخ! گو امیر تیمور نے اپنی موت سے پہلے پیر محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن خلیل سے شکست کھانے کے بعد پیر محمد اس جانشینی سے دست بردار ہو چکا ہے۔ اب آپ ہی سمرقند اور اس عظیم سلطنت کے حکمران ہیں۔ لہذا یہ جو قیدی آپ کے سامنے کھڑے ہیں ان کی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کریں۔

شاہ رُخ نے ایک بار غور سے خلیل کی طرف دیکھا اور اس نے محسوس کیا کہ خلیل زمانے کی دھول میں دفن رازوں کی طرح ویران اور ٹوٹے دل کی طرح غمگین تھا۔ پھر شاہ رُخ نے نور الدین کو مخاطب کیا۔ اُس کے لہجے میں متانت اور دھیما پن تھا۔

"اے نور الدین! مجھے سارے حالات کی خبر ہو چکی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پیر محمد تمہارے حق میں دست بردار ہو چکا ہے اور تم نے سارے لوگوں کے سامنے میرے حق میں دست بردار ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

اے نور الدین! یہ تمہاری شرافت اور نجابت ہے کہ تم ایسا معاملہ کر رہے

ہو کہ پیر محمد کے بعد تم خود مجھے اس جانشینی کی پیش کش کر رہے ہو۔ حالانکہ اگر تم بھی خلیل جیسی گندی فطرت رکھتے تو تم خود بھی تو سمرقند کا حکمران ہونے کا اعلان کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے اے نور الدین تم نے اپنی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے عظیم احسان کر لیا ہے۔

اے نور الدین! چونکہ شہزادہ خلیل کو تم نے شکست دی ہے اور سمرقند کو تم نے ہی اس زہریلے سانپ سے نجات دی ہے۔ لہذا اس وقت جو قیدی تمہارے سامنے کھڑے ہیں اُن کا فیصلہ بھی تم ہی کرو گے۔

نور الدین سنبھلا پھر اس نے سمرقند کے قاضی اور دیگر علماء کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ اے عالم اسلام کے عظیم فرزندو! کیا تم سب مجھے ان قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کی اجازت دیتے ہو۔

اس پر سمرقند کے قاضی اور دیگر علماء بولے۔ "اے امیر نور الدین! آپ اہل قابل ہیں کہ آپ ان قیدیوں کا فیصلہ کریں۔ بخدا! ہم سب آپ کے اس فیصلے کا احترام کریں گے۔"

سمرقند کے قاضی اور علماء جب خاموش ہوئے تو شہزادہ خلیل نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک بار زمین پر تھوکا پھر اس نے نور الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس غلام کا جاری کیا ہو فیصلہ ہرگز قابل قبول نہ ہو گا۔"

خلیل کے یہ الفاظ سن کر شاہ رُخ زخمی سانپ کی طرح اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت بے مروت برف کے طوفانوں جیسی بھیاناک اور نفرتوں کی اداس رت جیسی ہونناک ہو گئی تھی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اپنے اُٹے اٹھ کا ایک ایسا زوردار طمانچہ اُس نے شہزادہ خلیل کے منہ پر دے مارا کہ خلیل کڑھکتا ہوا زمین پر گر گیا۔ خلیل جب دوبارہ اُٹھ کر کھڑا ہوا تو شاہ رُخ نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے سانپ کی اولاد! تو یہ کیوں بھول گیا کہ تو ایک قیدی کی حیثیت سے یہاں کھڑا ہے جب کہ امیر نور الدین ایک فاتح کی حیثیت سے سمرقند شہر میں داخل ہوئے

ہیں تو نے یہ بات بھی ذہن میں کیوں نہ رکھی کہ پیر محمد نور الدین کے حق میں دست بردار ہو چکا ہے۔ گو نور الدین میرے حق میں بھی دست بردار ہو چکا ہے لیکن چونکہ میں نے ابھی حکومت کا نظم و نسق نہیں سنبھالا اس لیے نور الدین ہی اس وقت حقیقی طور پر سمرقند کا حکمران ہے۔

اے خلیل! اب تمہاری قسمت کا فیصلہ نور الدین ہی کرے گا۔ تاکہ تمہیں احساس ہو کہ جس شخص کو تم غلام کہہ کر پکار رہے ہو اس کے جاری کیے ہوئے فیصلے کس قدر وقعت اور اہمیت رکھتے ہیں۔

پھر شاہ رخ نور الدین کی طرف مڑا اور کسی قدر خوشگوار لہجے میں اس نے کہا۔
”اے نور الدین! میں آپ سے اتماس کروں گا کہ ان سب کی قسمت کا فیصلہ آپ ہی کریں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے جرم ہر ایک کے گناہ سے آپ خود ہی واقف ہیں۔“

نور الدین سنبھلا پھر فیصلہ کن انداز میں اس نے ان سب امیروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب جب کہ شاہ رخ مجھے تم سب کے لیے منصف مقرر کر چکا ہے تو پھر اسے وقت کے بدترین اسیر و! مجھ سے اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ سنو!“
نور الدین تھوڑی دیر کا پھر دوبارہ بولتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”یہ خلیل کی ماں خاندادہ ہے اس کی سزایہ ہے کہ اسے رہا کیا جائے اور اپنی باقی ماندہ زندگی یہ حرم میں امیر تیمور کی بیوہ اور شاہ رخ کی ماں ملکہ سرائے خانم کی خدمت اور دیکھ بھال میں گزار دے اور یہ جو خلیل کی بیوی شاری ملک ہے جو اس ساری بغاوت اور سرکشی کی سرغنہ ہے اس کی سزایہ ہے کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور کسی لاغر گدھے پر بٹھا کسا سے سمرقند شہر کے اندر گھمایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو احساس اور عبرت ہو کہ جو کام شاری ملک نے کیے اُن کاموں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور یوں اسے سارے شہر میں گھمانے کے بعد شہر بدر کر دیا جائے اور آئندہ کے لیے یہ سمرقند میں نہ رہ سکے۔“
نور الدین پھر اپنی گفتگو جاری رکھے ہوئے تھا۔

پھر اس نے خلیل کی طرف اشارہ کیا اور پہلے کی نسبت ذرا بلند آواز میں اس نے کہا یہ جو خلیل ہے جو کبھی شہزادہ خلیل کہہ کر پکارا جاتا تھا اس پر امیر تیمور اور شاہ رخ دونوں ہی کے بڑے احسانات تھے۔ اسے خبر تھی کہ امیر تیمور نے اپنی موت سے پہلے پیر محمد کو جانشین مقرر کیا ہے اس کے باوجود شخص اپنے لشکر کے ساتھ سمرقند میں داخل ہوا اور حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس شخص نے شہر کے اندر بے حیائی اور عیاشی کے فروغ کا کام کیا اور شراب نوشی کی لعنت کو اس نے عام کیا۔

ایسے مجرم کی سزایہ ہے کہ اسے قید خانے میں ڈال دیا جائے کہ یہ اپنی باقی ماندہ زندگی ایک اسیر اور قیدی کی حیثیت سے زنداں میں گزار دے۔ اس لیے کہ بدی اور گناہ اس کے شعور اس کے نہاں خانوں میں سرایت کر چکے ہیں اور اگر اسے رہا کیا گیا تو یہ آئندہ بھی بدی کی راہ اختیار کرتے ہوئے شاہ رخ اور اس کی اولاد کے لیے مسائل اور مصائب کھڑے کرتا رہے گا۔ لہذا اس کی سزایہ یہ ہے کہ یہ اپنی ساری زندگی قید خانے میں گزارے اور وہیں اپنی موت کے لمحوں کا انتظار کرے۔

نور الدین نے کتنے کتنے فرام لیا پھر وہ دوبارہ بولا جہاں تک امیر شاہ اور شیخ محمد کا معاملہ ہے یہ وہ جرنیل ہیں جنہوں نے امیر تیمور کے ساتھ مختلف جنگوں میں اپنی بہترین صلاحیتوں اور عمدہ کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ گو وقتی طور پر یہ شہزادہ خلیل کے لوبھ اور لالچ میں آکر اس کے ساتھ ہو لیے تھے تاہم اگر یہ یہاں کھڑے کھڑے وعدہ کریں کہ یہ اپنی باقی زندگی ایسے ہی شاہ رخ کے مطیع اور فرماں بردار بن کر رہیں گے جس طرح یہ ماضی میں امیر تیمور کے ساتھ رہتے رہے ہیں تو ان دونوں کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس پر امیر شاہ اور شیخ محمد نے لنگھیلوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھ کر نور الدین کے پاؤں پر گر پڑے۔

امیر شاہ نے نور الدین کے دونوں پاؤں پکڑ کر کہا۔ ”اے امیر! قسم خداوند کی اس خلیل نے لوبھ اور لالچ کے ذریعے ہمیں گمراہ کر دیا تھا۔ ہم دونوں اپنی غلطیوں کی

معافی مانگتے ہیں اور آئندہ کے لیے ایسی ہی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے ہیں جیسے ہم نے امیر تیمور کے ساتھ بسر کی تھی۔

نور الدین نے فوراً اپنے پاؤں سیٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں اٹھ کر اپنی جگہوں پر کھڑے ہو جاؤ تم دونوں کو معاف کیا جاتا ہے۔“

جب نور الدین یہ فیصلہ دے چکا تب شاہ رخ نے تحکمانہ انداز میں وہاں کھڑے داروغہ زندان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ان سب کو یہاں سے لے جاؤ اور امیر نور الدین نے جو جو سزا ان کے لیے تجویز کی ہے اس پر عمل درآمد کراؤ۔“

اس پر امیر شاہ اور شیخ محمد اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ باقی کو زندان کا داروغہ اپنے ساتھ لے گیا۔ خلیل کو قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ اس کی ماں خاتونہ کو سڑم میں ملکہ سرائے خانم کی خدمت میں مامور کیا گیا جب کہ شاری ملک کا منہ کالا کرنے کے بعد پہلے اسے سمرقند کے شہر میں گھمایا گیا۔ اس کے بعد اسے شہر بدر کر دیا گیا تھا۔

جب یہ سارے معاملات طے ہو چکے تو نور الدین نے شاہ رخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے شاہ رخ! اب جب کہ آپ اور آپ کا بیٹا انغ بیگ یہاں پہنچ چکے ہیں تو آپ اب پیر محمد کے ساتھ مل کر سلطنت کا کاروبار سنبھالیں۔ میں اپنی بیوی و بچے کے ساتھ آج ہی یہاں سے شمال کی طرف کوچ کر جاؤں گا اور اپنی باقی ماندہ زندگی وہاں کسی شہر یا قلعہ میں گمنامی میں گزار دوں گا۔“

شاہ رخ نے شکوہوں سے بھری آواز میں کہا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے“

نور الدین! کہ تم ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ۔ بخدا! ہم اپنی آئندہ زندگی میں تو قدم قدم پر تمہاری ضرورت محسوس کریں گے اور یہ جو تم اپنی بیوی کا ذکر کر رہے ہو تو اس سے تو تم نے ہمیں کبھی آگاہ ہی نہیں کیا اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کون ہے اور کس کی بیٹی ہے اور کب تم نے اس سے شادی کر لی تھی۔

اس پر نور الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میری بیوی ایک معمولی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کا نام عماد الدین ہے اور وہ

دونوں ماں بیٹا اس وقت دریائے سیر کے کنارے ارگوت نام کی ایک بستی کی سڑکے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور میں انہیں آج ہی وہاں سے لے کر شمال کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

اے شاہ رخ! میری تم سے گزارش ہے کہ مجھے روکنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لیے کہ میں شمال کی طرف نکل جانے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں اور اس میں میں کسی قسم کی تبدیلی پسند نہ کروں گا۔ ہاں جب کبھی بھی اے شاہ رخ! تم پر کوئی ایسا وقت آیا کہ تم نے میری ضرورت محسوس کی تو تم دیکھو گے کہ میں ہر ایسے موقع پر تمہارے پاس پہنچ جایا کروں گا۔“

شاہ رخ نے اس بار کسی قدر مطمئن انداز میں کہا۔ ”اے نور الدین! اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں جلنے کی اجازت دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی تم سے یہ بھی کہوں گا کہ اپنی سلطنت کے شمالی حصوں میں جو بھی شہر ہیں ان میں سے جس میں تم چا ہو آباد ہو جاؤ اور جن قلعہ اور شہر کو تم پسند کرو گے میں اس کا تمہیں حاکم مقرر کر دوں گا لیکن اے نور الدین! یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے تم نے اینجیلینا کے متعلق تو کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں۔ کیا تم اس کے ساتھ شادی نہ کرو گے۔ جب کہ تم جانتے ہو کہ اس نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اگر شادی کرے گی تو تم سے در نہ اپنی باقی ماندہ زندگی وہ تمہارے ساتھ ایک لونڈی اور خادمہ کی حیثیت سے گزار دے گی۔“

اس پر نور الدین نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اے شاہ رخ! اینجیلینا کی قسمت کا فیصلہ کرنا میری بیوی اریہ کا کام ہے۔ میں اینجیلینا کو یہاں سے لے جا کر اس کے سامنے پیش کر دوں گا۔ پھر جو بھی وہ فیصلہ اینجیلینا کے متعلق کرے گی وہی مجھے قابل قبول ہوگا۔“

اس پر شاہ رخ نے پوچھا۔ ”پر اس وقت اینجیلینا کہاں ہے۔“

نور الدین نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”اینجیلینا اس وقت شہر سے باہر میرے لشکر کے پڑاؤ میں ہے۔“

شاہ رُخ نے فوراً اپنے سامنے کھڑے ہوئے سپاہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم فوراً جادو اور اینجیلینا کو یہاں بلا کر لاؤ اور اسے کہنا کہ تمہیں تمہارا بھائی شاہ رُخ طلب کرتا ہے اور یہ کہ چونکہ امیر نور الدین یہاں سے کوچ کر رہے ہیں لہذا وہ بھی یہاں آئے تاکہ ہماری موجودگی میں وہ امیر نور الدین کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ سپاہی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے وہ چلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اینجیلینا اپنے گھوڑے پر سوار وہاں نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی شاہ رُخ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے استقبال کے لیے آگے بیٹھا۔ نور الدین بھی اپنی جگہ سے اٹھ چکا تھا۔

پھر شاہ رُخ نے اینجیلینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے اینجیلینا! اے میری بہن! تمہیں اس لیے یہاں بلایا گیا ہے کہ امیر نور الدین یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ تم میری موجودگی میں ان کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو۔

اس کے بعد نور الدین، شاہ رُخ پھر پیر محمد اور الخ بیگ سے گلے ملا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں سے اس نے مصافحہ کیا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، سب پر الوداعی نگاہ ڈالی اور پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہانک دیا تھا۔ اینجیلینا بھی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

تھوڑا سا آگے جا کر اینجیلینا اپنے گھوڑے کو نور الدین کے برابر لائی۔ پھر اسے مخاطب کرتے ہوئے اس نے پوچھا: اے امیر! کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اریہ اور عماد الدین کا پتہ کرتے چلیں۔ کیا معلوم ایلاق اب تک ان دونوں کو یہاں سے نہ نکال سکا ہو۔ نور الدین نے شاید اینجیلینا کی اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ کیوں کہ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا: تم ٹھیک کہتی ہو اینجیلینا! او پہلے ان دونوں کا پتہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑتے ہوئے تیزی سے ہانک دیا تھا۔

کے بازار میں نور الدین نے اپنے گھوڑے کو ایک مکان کے سامنے روک

لیا۔ اینجیلینا بھی وہاں روک گئی پھر نور الدین نے اپنے سامنے ایک مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اے اینجیلینا! تم دیکھتی ہو، اس مکان کو باہر سے قفل لگا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ ایلاق، اریہ اور عماد الدین کو یہاں سے نکال کر لے جا چکا ہے۔

اینجیلینا جواب میں کچھ کہنے والی تھی کہ ساتھ والے مکان کا دروازہ کھلا اور ایک خاتون نے باہر دیکھتے ہوئے نور الدین کو سلام کہا۔ قبل اس کے کہ نور الدین کچھ کہتا، اس عورت نے خود ہی نور الدین کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا۔

اے امیر! اریہ اور عماد الدین کو تو ایلاق کل کا یہاں سے لے جا چکا ہے آپ اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔ اندر آ کر بیٹھیں کہ میں آپ کے ساتھ اینجیلینا کی بھی خدمت کروں۔

اس پر نور الدین نے اس خاتون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: میں ضرور بیٹھتا ہوں۔ جلدی میں ہوں۔ اس لیے کہ میں ایلاق ہی کی طرف جا رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی نور الدین نے اس خاتون کو سلام کیا اور اپنے گھوڑے کو اس نے ہانک دیا تھا۔ اینجیلینا بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتی ہوئی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔

آخر نور الدین اور اینجیلینا دریائے سیر کے کنارے ارگوت نام کی بستی میں ایلاق کی سرائے میں داخل ہوئے اور جب وہ دونوں سرائے کی پشت میں ایلاق کے سکونجی مکان کے سامنے آئے تو جوں ہی اینجیلینا نور الدین کے ساتھ اپنے گھوڑے سے اترتی، سویلی کے اندر سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی نکلی اور بڑے پرجوش انداز میں وہ اینجیلینا سے پریش گئی تھی۔

اینجیلینا کچھ پریشان سی ہو گئی تھی کیوں کہ اس نے اس سے پہلے اس لڑکی کو نہ دیکھ رکھا تھا۔ اور نہ ہی اس سے قبل ایلاق کے زنان خانے میں اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا۔ پھر اینجیلینا نے یہ بھی دیکھا کہ وہ لڑکی رات میں پوشیدہ چاندنی جہیزی میں

اور کبروں کی آبشار جیسی خوب صورت تھی۔

اس کے جسم کی زیبائی ریشمی آجالوں کے حسن اور قربتوں کی آہٹ جیسی تھی۔ اس لڑکی کے بے داغ خیالات کے نچوڑ جیسے حسن اور زیبائی کو دیکھتے ہوئے اینجیلینا کو یوں لگا گویا وہ لڑکی فطرت کی معتمہ اور زندگی کا ایک مکتب ہو اور یہ کہ وہ پھولوں کے ساتھ مسکرانے اور ندیوں کے ساتھ گنگنانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔

جب وہ اجنبی لڑکی اینجیلینا سے علیحدہ ہوئی تب نورالدین نے اینجیلینا کو ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”اے اینجیلینا! تم نے پہچانا، تم سے بغل گیر ہونے والی یہ لڑکی کون ہے۔“
اینجیلینا نے ایک بار غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا پھر انتہائی بے بسی میں اس نے نورالدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اے امیر! میں اسے پہچان نہیں سکی۔ اس لیے کہ اس سے پہلے میں نے کہیں اسے نہیں دیکھا تھا۔“

اس پر نورالدین نے کھل کر ایک تہقہہ لگایا۔ اینجیلینا اور زیادہ پریشان ہو گئی۔ کیوں کہ نورالدین کے ساتھ ساتھ وہ لڑکی بھی خوشیاں بکھیرتے ہوئے تمقے لگا رہی تھی پھر نورالدین نے اینجیلینا کی حیرت اور بے بسی کا خاتمہ کرنے کی خاطر اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اے اینجیلینا! یہ لڑکی جو تم سے بغل گیر ہوئی ہے، یہ میری بیوی اریہ ہے۔“
اس انکشاف پر اینجیلینا خوش ہو گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک بار پھر اریہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا اور نورالدین کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔
”میں حیران ہوں کہ اگر میں اریہ کو نہیں پہچان سکی تو یہ کیسے جان گئی کہ میں اینجیلینا ہوں۔“
نورالدین نے پوچھا۔ ”اے اینجیلینا! ارمنی محلہ میں جہاں میں ادم اریہ کا بہتر کرنے گئے اور وہاں جو بڑھیا ہم دونوں سے ملی تھی کیا تم نے اس بڑھیا کو پہلے بھی کہیں دیکھا تھا؟“

اینجیلینا نے کہا۔ ”ہاں جب امیر تیمور نے آپ کو نظر بند کر رکھا تھا تو وہ بڑھیا آپ

کے لیے دوپہر کا کھانا لے کر آتی تھی اور اس کے ساتھ اس کا ایک کلمڑا اور کچھ کھانا بھی لے کر آتا تھا جو جنگی لباس پہنے رکھتا تھا اور اپنا چہرہ ہر وقت دھانچہ دھانچا ہوا ہوتا تھا۔ جب رُکی تو نورالدین نے ایک نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

”اے اینجیلینا! وہ منگڑا سپاہی اس بڑھیا کا بیٹا تھا بلکہ اس منگڑے سپاہی کے بھیس میں اریہ اپنا آپ چھپا کر مجھ سے ملنے آیا کرتی تھی۔ اے اینجیلینا! وہ منگڑا سپاہی یہ اریہ ہی ہے جس سے تم بغل گیر ہو۔ اس نے تب سے ہی تمہیں دیکھ رکھا ہے۔ اس لیے یہ تمہیں پہچان گئی لیکن تم چوں کہ اس کی اصیت سے آگاہ نہ تھیں لہذا اسے پہچان نہ سکی۔“
اس موقع پر اینجیلینا اریہ سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک انتہائی خوبصورت اور توانا بچہ بھانگتا تو اُن کی طرف آیا اور نورالدین نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اے اینجیلینا! یہ میرا بیٹا عماد الدین ہے۔“

اریہ کو چھوڑ کر اینجیلینا ایک دم عماد الدین کی طرف بڑھی۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں عماد الدین کو اس نے اٹھا کر اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اُسے بُری طرح چومنے لگی تھی۔
پھر اچانک اینجیلینا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور ساتھ ہی اس بے چاری کی حالت اس پیر جیسی ہو گئی تھی جس میں کوئی پھول کوئی کوئل نہ ہو۔ وہ اس پھل جیسی ہو گئی تھی جس میں بیج نہ ہو، اس پھول جیسی ہو گئی تھی جس میں مہک نہ ہو۔

اینجیلینا کی اس حالت پر اریہ کو بڑا ترس اور رحم آیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اینجیلینا بے چاری سینہ شب میں آوازوں کی بارگزشت اور سلگتی ہوئی گلی کھڑی جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اینجیلینا کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ ایسے آنسو جو بے چارے بے وقعت اور بے قیمت ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اریہ فوراً آگے بڑھی، عماد الدین کو اس نے اینجیلینا سے لے لیا اور پھر اس نے دلاسا اور تسلی دینے کی خاطر اینجیلینا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ اریہ کے اس طرح لپٹانے پر اینجیلینا بے چاری کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی اور وہ کھل کر رونے لگی تھی۔ اس

کی ہچکیاں اور سسکیاں بلند ہو رہی تھیں اور اس بے چاری کا جسم تخت تخت اور روح ریزہ ریزہ ہوتی جا رہی تھی۔ شاید اپنی محرومیوں پر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی۔ پھر اینجلینا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس لیے کہ ایلاق کے سارے اہل خانہ بھی باہر آ گئے تھے۔

اس موقع پر نور الدین نے اریہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اے اریہ! کیا تم نے اپنی تیاری مکمل کر رکھی ہے۔ اس لیے کہ ہم آج ہی شمال کی طرف کوچ کریں گے۔“ اینجلینا کو اپنے ساتھ لپٹائے ہی لپٹائے اریہ نے کہا۔ ”اے امیر! یہ کوچ آج نہیں بلکہ کل ہوگا۔ اس لیے کہ میں نے ایلاق کے اہل خانہ کے ساتھ مل کر جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق آج آپ اور اینجلینا کا نکاح ہوگا اور کل ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔“

اس موقع پر اینجلینا نے چونک کر اریہ کی طرف دیکھا۔ اس پر اریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں ٹھیک کہتی ہوں میری بہن! میری شادی امیر نور الدین سے پہلے ہو گئی تو کیا۔ ورنہ تم نے ان کی زیادہ خدمت کی ہے اور میری نسبت تم ان کی زیادہ قدر ہو۔“ اریہ کی اس گفتگو پر عروس شرب کی طرح اینجلینا کی حیا آلودہ لمکپیں جھجک گئی تھیں وہ سلگتی خوشبو کی طرح اب مہک اٹھی تھی اور اس کی آنکھوں میں تاروں کی سی جھک پیدا ہو گئی تھی۔

پھر اریہ اینجلینا کو سہارا دے کر اندر لائی۔ سب لوگ دیوان خانے میں بیٹھ گئے پھر اریہ وہ زیورات نکال لائی جو امیر تمبور نے نور الدین کو دیئے تھے۔ یہ چار طلائی کڑے تھے جن میں پہرے جواہرات لکے تھے۔ الماس کے کانوں کے چار آویزے تھے، مروارید لگے دو طلائی ہار اور یاقوتوں سے مرصع دو جھومر تھے۔

اریہ نے دو طلائی کڑے، دو آویزے، ایک ہار اور ایک جھومر اینجلینا کو پہنایا اور بڑی اپنائیت میں اس نے اینجلینا سے کہا۔ ”اے اینجلینا! تم میری بہن ہو۔“ امیر تمبور کے دیئے ہوئے ان زیورات میں تم نصف کی حق دار ہو۔

اینجلینا کے پہرے پر پہلی رات لے کنوارے لموں میں لٹانے والے کلاہوں جیسی نفی بکھر گئی تھی۔ پھر شام سے قبل ہی نور الدین اور اینجلینا رفاقت لے بندھن میں باندھ دیئے گئے اور دوسرے روز نور الدین ’اینجلینا‘ اریہ اور ممد الدین کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



نہائے بالخیر

ISBN 969 - 38 - 0025 - 7

اختتام مورخہ ۱۴/۱۰/۸۸

بروز جمعہ المبارک بوقت سپہر

آصف آباد کراچی

اسلم راہی ایم اے

غریب پورہ گجرات

بیر لڈیم بھی رقم طراز ہے کہ اپنی بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنے کے لیے نور الدین شمال کی طرف چلا گیا تھا۔